حکایت از گلِ ما یارِ دل نواز کنید
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنید

تذکرۂ

حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحب ارکانیؒ

تالیف :
محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:
دار البحوث والمناصرة الاسلامية
چاٹگام، بنگلا دیش۔

۲۰۳۲/۳/۱۸ء

نام کتاب : تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحب ارکانیؒ
مؤلف : محمد طاہر جمال ندوی
کمپیوٹر کمپوز : مولانا فرقان الاسلام (العرب کمپیوٹر) اندر قلعہ، چاٹگام، بنگلہ دیش.
موبائل : ۰۱۸۶۵۷۶۴۶۹۵
صفحات : ۳۳۲
تعداد : ایک ہزار
باراوّل : ۲۰۲۳ء
ناشر : دارالبحوث والمناصرة الاسلامية چاٹگام، بنگلہ دیش.
قیمت/ٹاکا : ۴۵۰/ٹاکا۔ ۱۰/امریکی ڈالر
ملنے کے پتے : المنار لائبریری ۳۷/شاہی جامع مسجد، اندر قلعہ، چاٹگام، بنگلہ دیش.
موبائل : 0088.01533091784
Email : tahernadwi@gmail.com

TAZKARAYE HAZRAT MOULANA SHA ABDUSSALAM SAHEB ARKANI (R)
BY : MOHAMMED TAHER JAMAL NADWI.

یہ کاوش:

یہ سرزمین ارکان کے فخرِ روزگار عالمِ دین شیخ طریقت و رہبرِ ملّت حضرت شاہ عبد السّلام ارکانی رحمہ اللہ کی حیات بابرکات اور ان کی گوناگوں صفات وکمالات، اوران کی دینی، ایمانی، دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں اوران کی روحانی جد وجہد کی ایک مفصّل روداد ہے۔ جس میں حضرت کے گرانمایہ فرمودات وملفوظات، ان کے انفاس عالیہ کے بعض کوائف وکیفیات، اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے علاوہ دیگر چند سلاسل جن میں بھی حضرت مولانا تعلیم اور نسبت دیا کرتے تھے کے کچھ مختصر دروس وتعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید برآں حضرت شیخ کے سلسلے کے بعض ان بزرگانِ دین جن کے تذکرے عموماً پائے نہیں جاتے ہیں کو بھی سامنے لانے کی بساط بھر کوشش کی گئی ہے۔

آہ در چشم زدن صحبتِ او آخر شد

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو تمام سلاسل وطرق کے جملہ اولیائے کرام ومشائخ عظام اور بطور خاص حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نام انتساب کرنے کو اپنی سعادت محسوس کرتا ہوں ۔ اللہ تعالی ہمارے ان تمام اولیاء ومشائخ کے درجات کو بلند کرے، اوران کے روحانی فیوضات سے ہمارے سینے کو انوار وبرکات اور عنایات واکرامات سے بھردے۔ آمین یاربّ العالمین۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

چاٹگام، بنگلادیش۔

۲۰۲۲/۳/۱۸ء

فہرستِ عناوین

پیش لفظ

از: پروفیسر ڈاکٹر مولانا ابورضاء محمد نظام الدین ندوی صاحب ایم پی

چیرمن بورڈ آف ٹرسٹی: بین الاقوامی اسلامی یونیوسیٹی چاٹگام بنگلا دیش

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء و سید المرسلین وعلی آلہ صحبہ اجمعین،ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، اما بعد:

زمینی حقائق کے تناظر میں ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے بہت ساری باتیں دل ودماغ میں انگڑائیاں لیتی رہتی ہیں،جنہیں زیر تحریر لانا اس عجالے میں ممکن ہے نہ گنجائش،تاہم ان میں سے کچھ باتوں کا یہاں تذکرہ کردینا بہت ہی اہم اورضروری محسوس ہیں۔

اہل علم بخوبی واقف ہے کہ ارکان میں چھوٹی چھوٹی دیگر نسلی گروہوں کے علاوہ دو بڑی قومیں صدیوں سے آباد ہیں،جن میں سے ایک روہنگیا جو مسلمان ہیں،جب کہ دوسری مگھ جو تھراوڈا بودھ مت کی پیرو کار ہیں۔تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ارکان کی ساری قومیں اور نسلی گروہیں آپس میں شیرو شکر تھیں،اور ہر ایک دوسرے کی سکھ دکھ،اور رنج وغم میں شریک ہوا کرتی تھی۔

پھر نہایت حسرت اور افسوس کا مقام ہے کہ اکانی قوموں کی سکھ بھری زندگی شدید غم واندوہ میں اس وقت بدل گئی جبھی ۱۷۸۴ء میں برمی غاصب بودوپھیا نے حملہ کر کے ارکان پر قبضہ کرلیا تھا، برمیوں نے اس پر قبضہ جماتے ہی ظلم و جبر استبداد وعدوان کا بازار گرم کردیا،اور ارکانی ماں و بہنوں کی عزت وعصمت کی ہولی کھیلی،مسجدوں، مدرسوں، اسکولوں اور عبادت گاہوں، مندروں اور دیروں کو مسمار کیا، بستیوں کی بستیوں کو اجاڑا،اور شہر کا شہر جلا کر راگھ کا ڈھیر کردیا۔یوں بودوپھیا کا دور ارکانیوں کے لئے سخت مضر ثابت ہوا،جس کا سلسلہ تا حال رنگ اور شکل بدل بدل کر جاری ہے۔

بعد کے مختلف ادوار سے صرف نظر برطانوی دور حکومت میں ارکان کے مسلمانوں نے کسی قدر امن وسکون کا سانس لیا تھا،۱۹۴۲ء میں مسلمانوں کے قتل عام کے علاوہ ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کے بعد سے آج تک یہاں کے روہنگیا مسلمانوں پر مگھ اور برمیوں نے وہ مظالم ڈھائے،جنہیں دیکھ کر چنگیز اور ہٹلر بھی شرمائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہ ایک کھلی سی بات ہے کہ ارکان بنگلا دیش سے بالکل جڑا ہوا ایک علاقہ ہے، یہاں کے روہنگیا مسلمانوں پر آئے دن ہونے والی کسی بھی پریشانی کے اثر کسی دوسرے قریبی ملکوں، علاقوں اور قوموں پر پڑے یا نہ پڑے مگر بنگلا دیش پر پڑتا ہی رہا ہے، یہ صرف آج کی بات نہیں ہے بلکہ اس حوالے سے تاریخ شاہد ہے کہ جبھی ارکان اور وہاں کے مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی یا ان پر کوئی پریشانی لاحق ہوئی تو بنگلا دیش پر جلد و بدیر ان کے اثرات ضرور پڑے،اور پڑتے ہی رہے ہیں، بنگلا دیش نے ارکان اور وہاں کے مسلمانوں پر آنے والی ہر مشکل گھڑی میں ایک مثبت انداز وکردار میں ساتھ دیا،اور اب تک دیتا ہی رہا ہے۔

اس سلسلے کی ایک تابناک کڑی یہ بھی ہے کہ بنگلا دیش کے عظیم قومی ہیرو،عبقری لیڈر مرحوم شیخ مجیب الرحمٰن صاحب شہید طبعا ایک امن اور سلامتی کے خواہاں رہنما تھے،جس کا ثبوت ان کی زندگی کے مختلف گوشوں میں ملنے کے علی الرغم خصوصی طور پر بنگلا دیش کے قیام کے بعد ان کے متنوع افکار اور کار کردگیوں میں زیادہ سے زیادہ نمایاں ہے،آپ نہ صرف بنگلا باسیوں کے قومی لیڈر تھے، بلکہ مجموعی طور پر اپنے وقت کے ایک علاقائی اور بین الاقوامی لیڈر کی حیثیت سے بھی معروف ومشہور تھے،چونکہ ارکان اور وہاں کے باشندے بہت طویل زمانے سے پریشانی میں مبتلا تھے،اور شیخ صاحب کی تابناک قیادت کے دوران بھی وہاں ان ارکانیوں کی پریشانیاں بڑھتی جارہی تھیں،اسی لئے ایک امن کے خواہاں لیڈر کی حیثیت سے ان کے لئے ضروری ہوگئی تھی کہ اپنے قریبی علاقہ جات اور خاص طور پر ارکان میں امن لانے کی کوشش کی جائے، دراصل ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے مرحوم شیخ صاحب کے افکار وکردار بڑے مثبت اور کارآمد تھے،ویسے ارکان کے مسائل حل کرنے کے حوالے سے ان کے مثبت افکار اور کارکردگیوں کے تناظر میں ہمارا اتنا خیال ہے کہ کاش آپ کو شہید نہ کیا گیا ہوتا،تو ارکان کے مسائل آئے دن مزید الجھنے کے بجائے کب کے سلجھ چکے ہوتے۔

تاہم مرحوم شیخ صاحب کی شہادت کے بعد وزیراعظم محترمہ شیخ حسینہ کے مثبت کردار اور کارآمد کوششوں کو کبھی بھولے سے بھلایا نہیں جاسکتا، اور تو اور انہوں نے مختلف قومی اور بین الاقوامی جلسوں اور فورموں میں اس روہنگیا مسئلہ کے مستقل اور پائیدار حل پر بہت زور دیا، اور جان دار تجاویز بھی پیش کیں، اور پرامن سیاسی طریقے سے اس مسئلہ کے مستقل اور پائیدار حل کے لئے اپنی گہری سیاسی جانکاری، فکری دوراندیشی اور قابل قدر ڈپلومیٹک اور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے، جسے ہم مرحوم شیخ صاحب کے نظریات، افکار وتصورات کو عملی جامہ پہنانے کی ایک روشن کڑی سمجھتے ہیں۔ ویسے مرحوم شیخ صاحب نے اس مسئلہ کے حل کے لئے جس نہج پر سوچا اسے عملی جامہ پہنانے کے حوالے سے ہماری موجودہ حکومت کی کوششیں قابل ستائش بھی ہیں اور ناقابل فراموش بھی، دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم شیخ صاحب کے جانشینوں کو اس مسئلہ کے مستقل اور پائیدار طور پر حل کرنے اور مرحوم کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں نصرت فرمائیں۔

تاریخ کے مختلف ادوار سے صرف نظر ۲۰۱۲ء میں ارکان کے روہنگیا مسلمانوں پر از سر نو قتل عام شروع ہوا، جس کے نتیجے میں وہاں کے مظلوموں نے بنگلا دیش میں پناہ لینی شروع کی، یوں دیکھتے ہی دیکھتے ۲۰۱۷ء تک ان کی تعداد تقریبا بارہ لاکھ تک پہنچ گئی، تو ان مظلوموں کے حوالے سے انسانی بنیاد پر وزیراعظم شیخ حسینہ کی قیادت میں حکومت بنگلا دیش نے جو خدمات انجام دیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ بنگلا دیشی حکومت نے ارکان کے مسلمانوں پر بیتنے والے حالات کے پیش نظر اپنی سرحد کھول دی، اور ان لاکھوں انسانوں کو انسانیت کی خاطر اپنے علاقے میں پناہ دی۔

۲ مہاجرین کے پہنچنے پر بنگلا دیش کے عوام اور حکومت ہر قسم کی امداد کے ساتھ آگے بڑھی، ایسی امداد کی جس کی نظیر تاریخ جہاں میں ملنی مشکل ہے، اور تو اور وزیراعظم محترمہ شیخ حسینہ نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ’’ہم ایک وقت کا نوالہ کھا کر دوسرے وقت کا نوالہ ان مظلوموں کو کھلائیں گے۔

۳۔ وزیراعظم محترمہ شیخ حسینہ حکومت نے سارے جہاں کی انسانیت دوست حکومتوں اور حکمرانوں، اور دنیا بھر کی انسانیت نواز انجمنوں اور تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ ان مظلوموں کی امداد کے لئے آگے

بڑھیں، جس کا خاصا مثبت نتیجہ نکلا۔

۴۔ بعد میں بنگلا دیشی حکومت نے برما سے مطالبہ کیا کہ مہاجرین کو ان کے تمام حقوق کی بحالی کی ضمانت کے ساتھ واپس لیا جائے، اس حوالے سے دونوں ملکوں کے مابین چند مرتبہ اعلی سطحی مذاکرت ہوئے، اور ایک معاہدہ پر دستخط بھی ہوا، لیکن برمی حکومت لیت ولعل کے تحت مہاجرین کو واپس لینے سے کتراتی رہی ہے، یوں تادم تحریر ایک مہاجر بھی وطن واپس نہ ہوسکا۔

۵۔ بعد ازاں وزیراعظم محترمہ شیخ حسینہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی اسٹیج سے پرزور مطالبہ کیا کہ برمی حکومت ان کے شہری روہنگیا مہاجرین کو عزت و وقار کے ساتھ ارکان واپس لے جائے، جہاں ان مسلمانوں کے لئے ایک محفوظ ایریا (SAFE ZONE) کی تعیین کی جائے، تاکہ وہ یہاں امن وسکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

۶۔ بنگلا دیشی حکومت نے آسیان کے علاوہ دنیا بھر کے بااثر ملکوں کو عموما، چین، جاپان اور روس کو خصوصا روہنگیا مسئلہ کے مستقل اور پائیدار حل کے لئے تعاون کی اپیل کی ہے۔

تاریخی پس منظر میں ارکان اور وہاں کے کچھ حالات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد عرض ہے کہ اہل علم و نظر اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ صدیوں سے بنگلا دیش کی طرح اس کا پڑوسی خطہ ارکان علماء و صلحاء، دعاۃ ومصلحین اور مرشدین کاملین کی آماج گاہ رہا ہے، اور یہ حقیقت تاریخ کی ریکارڈ میں موجود ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں یہاں اسلام کی روشنی ان بزرگوں کی مسلسل دینی جدو جہد اور پے در پے دعوتی کوششوں کے نتیجے میں پڑی، اور انہی کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے ان کے لائق وارثین نے دین اسلام کی مزید آبیاری کی، اور اس خطے کو دین اسلام کے سائے تلے امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا، جن میں سے دور آخر کے ایک نامور اور بزرگ ترین عالم دین شیخ طریقت ورہنمائے امت حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسلام صاحب ارکانی (خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ صوفی حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ) رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی دینی واصلاحی، ایمانی اور روحانی کوششیں خطۂ ارکان میں عموما اور علاقۂ چاٹگام میں خصوصا ایک طویل عرصہ تک مسلسل جاری تھیں، اور جن کے انوار وبرکات اور روحانی وعرفانی فیضان ان علاقہ جات میں تا حال محسوس کئے جاتے

ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی جملہ مساعی کو قبول کریں اور ان کے مراتب کو بلند فرمائیں۔

جنوبی چاٹگام کے معروف علاقہ ساتکانیہ (جو میری جائے پیدائش ہونے کے علاوہ بحیثیت بنگلا دیش نیشنل پارلیمنٹ ممبر میرا انتخابی حلقہ بھی ہے) کے عین شہر میں خانقاہ حامدیہ سلامیہ کی سنگ بنیاد حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی، جس سے ملحق ایک دینی مدرسہ بھی ہے، الحمدللہ آج بھی بڑے آب وتاب سے چل رہا ہے، ویسے ظاہر ہے کہ اگر چہ حضرت ارکانی کی پیدائش اور وفات ارکان میں ہوئی ہے، لیکن دینی وایمانی، دعوتی و اصلاحی جدوجہد کے حوالے سے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ شہر چاٹگام کے علاوہ ہمارے علاقہ میں گزرا، اس لئے آپ بحیثیت ایک شیخ کامل ہمارے علاقے میں معروف ومشہور ہیں۔ یہاں آپ کے انگنت منتسبین، متعلقین و مریدین کے علاوہ ایک روایت کے مطابق چالیس خلفائے کرام سرگرم عمل تھے، جن میں سے چند یہ تھے:

☆ حضرت مولانا شفیق احمد صاحب چنوتویؒ۔

☆ حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ۔

☆ حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب بانسکھالویؒ۔

☆ حضرت مولانا سیف الدین صدیقی صاحب چنوتویؒ۔

☆ حضرت مولانا محمد حضر صاحب پکوی۔

☆ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پکویؒ

☆ حضرت مولانا بدیع الرحمٰن صاحب ارکانی ثم نہلویؒ۔

☆ حضرت مولانا نور محمد صاحب ختڈلی، ارکانی۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحب ساکفورہ، بوال خالی، چاٹگام۔

☆ حضرت مولانا مفضل احمد صاحب، چاندگاؤں، چاٹگام۔

☆ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب، چنوتی، چاٹگام۔

☆ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب، نائکان سری، کوکس بازار۔

☆ حضرت مولانا صوفی صدیق احمد صاحب، ساتکانوی، چاٹگام۔

☆ حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب، تیزگاؤں، ڈھاکہ۔

غرض علاقۂ چاٹگام کے دینی ودعوتی، اصلاحی وروحانی حلقوں میں حضرت ارکانی صاحبؒ کی خاصی مقبولیت رہی، جس کی شہادت کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں، حضرت کی وفات حسرت آیات پر والد محترم مفکر ملت، ابوالبرکات علامہ محمد فضل اللہ صاحب مظاہریؔ ساتکانوی ثم چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۷ء-۱۹۷۹ء) کا لکھا ہوا مرثیہ ہی کافی ہے، والد صاحب حضرت مولانا ارکانی صاحب کے معاصرین میں علم وادب اور فکر وفن کے علی الرغم روحانیت کے اتھاہ سمندر کے غواص گزرے ہیں، تو آپ جیسے ایک باکمال عالم دین اور علمی وروحانی سمندر کے غواص وشناور کے اس مرثیہ سے جہاں حضرت ارکانی صاحبؒ کے خلوص وللّٰہیت اور بلندئ مقام کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے دینی، دعوتی، علمی، فکری، ثقافتی، اصلاحی اور روحانی حلقوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کتنے ہی مقبول ومحبوب بزرگ تھے۔

بہرحال آمدم برسر مطلب کہ حضرت ارکانی صاحبؒ کی سوانح حیات کو لکھ کر منظر عام پر لانا آپ کے منتسبین ومتعلقین کے سر پر عموما اور خلفائے کرام کے سر پر خصوصا ایک بھاری قرض تھا، لیکن بقول کسے ''دیر آید درست آید'' کہ اللہ تعالی نے اس قرض کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لئے خود ارکانی صاحبؒ کے وطن کے ایک ندوی فاضل عزیز مکرم مولانا محمد طاہر جمال ندوی کو چنا ہے، جنہوں نے ''تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ'' تصنیف کر کے جہاں کمال لیاقت کے ساتھ اپنی ذمے داری کا حق ادا کیا ہے تو وہاں حضرت کے منتسبین ومتعلقین کے علاوہ دنیائے علم عرفان سے وابستگی رکھنے والی اگلی نسل پر ایک بھاری احسان بھی کیا ہے۔

عزیز مصنف نے اپنی تعلیم وتربیت کے آخری مراحل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہند کے عظماء ومشاہیر کے سامنے طے کئے، اللہ تعالی نے ان کو تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح نگاری کے لئے ایک خصوصی ذوق اور اختصاصی مزاج بخشا کیا ہے، یوں تو انہوں نے بہت ساری فکری، تاریخی اور علمی کتابیں تصنیف کی ہیں، مگر ان کے قلم کا حقیقی زور اور جوہر پارے سیرت وسوانح نگاری کے

میدان میں جا کھلتے ہیں، ماشاء اللہ ہر مقام میں اسلوب کی سادگی کے ساتھ پرکاری اور قلم کی روانی اور جولانی کے ساتھ کرشمہ سازی دکھائی دیتی ہے۔

درحقیقت مصنف نے ارکان کی اس عظیم المرتبت ہستی کی سیرت کو جس محنت، لگن اور سلیقے سے جمع و مرتب کیا ہے، بلاشبہ یہ ایک تحقیقی سوغات کا درجہ رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کرام نہ صرف ماضی قریب کے ایک عظیم اور باکمال ہستی کے حالات وکوائف اور ان کے مقام عالی سے واقف ہو کر ان کی تعلیمات سے مستفید ہو سکیں گے، بلکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالی نے حاملانِ ملت اسلامیہ کے رشد و ہدایت و اصلاح احوال کے لئے کیسے کیسے عظماء و مشاہیر کو پیدا کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی مولف عزیز کی جملہ مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا کریں، اور ان کی عمر درازی کے ساتھ مزید توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین، و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

خاکسار:

پروفیسر مولانا ڈاکٹر ابورضا محمد نظام الدین ندوی ایم پی

چیرمین بورڈ آف ٹرسٹی، بین الاقوامی اسلامی یونیوسیٹی چاٹگام بنگلادیش۔

۰۳/اپریل/۲۰۲۲ء

حرفِ آغاز

الحمد لله رب العالمين والصّلاة والسّلام على أشرف الأنبياء وسيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدّين، وبعد:

سرزمین ارکان برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح علماء وفضلاء، دراویش واولیاء، مدرسین ومعلمین اور مبلغین ومرشدین کی سرزمین ہے۔ اس علاقے کی ایک بدقسمتی ہے کہ عمومی تاریخ کی طرح یہاں کے اعیان کرام کی سوانح عمریوں پر ماضی میں قلم بہت کم اٹھایا گیا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالی جائے گی تو اس سرزمین میں حضرت شاہ علاول رحمۃ اللہ علیہ جیسے بہت سارے عالم، فاضل، درویش، عارف، شاعر، فن کار، انشاء پرداز اور قلم کار بزرگان دین نظر آئیں گے، لیکن ہماری بدتوفیقی کہہ لیجئے کہ ان جیسے انسانوں پر بھی اس سرزمین کے کسی عالم وفاضل نے کوئی عالمانہ وفاضلانہ اور کوئی قابل تعریف وتحسین قلم نہیں اٹھایا۔ البتہ ان جیسے پر جتنے مواد کہیں کہیں پائے جاتے ہیں وہ بھی دیگر علاقوں کے لکھاریوں اور انشاء پردازوں کے ہیں، جن پر شکریہ کے ساتھ عرض ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ ہمارے نزدیک اس حوالے سے کافی وشافی نہیں ہے۔

نہ جانے دنیا بھر کے دیگر علاقوں کی طرح سرزمین اسلام ارکان میں بھی کتنے علماء وفضلاء اہل اللہ اور اولیاء اللہ، خادمانِ قوم وملّت مدفون ہیں، جن کی اعداد وشمار اور احصاء کی اب تو گنجائش نہیں ہے، تاہم جتنی کچھ معلومات مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچیں، ان کے ذریعے کچھ لکھنے کی ہم نے بساط بھر کوشش کی ہے، اور ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے'' کے عنوان سے اس کا ایک طول طویل اور گرانقدر سلسلہ الحمدللہ چل رہا ہے۔ چنانچہ زیر مطالعہ کوشش ''تذکرۂ حضرت شاہ عبدالسلّام ارکانیؒ'' بھی اس سلسلہ کی ایک روشن اور تابناک کڑی ہے۔

پھر دور آخر میں بھی اس علاقے میں مرشدین وکاملین بہت ہی گزرے ہیں، جو حضرت امام ربانی مجدالف ثانی شیخ احمد ہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ اور حضرت الامام سید احمد بن عرفان الشہیدؒ کے سلسلہ کے ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ دیگر سلاسل کے بزرگان دین بھی پائے جاتے ہیں، لیکن ان کے حالات تاریخ کی اندھیاری میں تقریباً غرق ہو چکے ہیں۔ اور جتنا بھی بن سکا ہم نے انہیں اس اندھیاری سے نکالنے کی کوشش شروع کر رکھی ہے، اللہ معلوم اس میں کہاں تک کامیاب ہوسکیں گے۔

اللہ تعالی حضرات علمائے دیوبند کے درجات بلند کرے کہ انہوں نے برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح اس علاقہ کو بھی اپنے علم وفضل اور انفاس عالیہ اور انوار روحانی سے منور کر دیا ہے۔ اور ان کے واسطے سے یہاں شریعت وطریقت کے تمام مروجہ سلاسل وطرق پہنچے، جن میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ مجددیہ، سہروردیہ ناقابلِ فراموش سلاسل ہیں، اور ماضی قریب میں حضرات علماء دیوبند میں سے فقیہ الملّت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مجددملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مجاہدملّت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ اور ان جیسے دیگر بزرگوں کے واسطے سے یہ طرق وسلاسل یہاں پہنچے ہیں، اور اس حوالے سے ہم اور ہمارے قریبی زمانے میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروف بہ فقیر مولوی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ، مولانا شاہ مظفر احمد مینگزوی صاحبؒ وغیرہ پر بطور خاص مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالسّلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت وطریقت کے جو سلاسل یہاں لائے وہ بھی حضرت مجددالف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ اور حضرت الامام سید احمد بن عرفان الشہیدؒ کے سلاسل ہیں، چونکہ اس سلسلے کے حوالے سے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کے بزرگوں کے حالات عام طور پر پائے نہیں جاتے، اس لئے ہم نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے کہ حضرت سید صاحب کے بعد حضرت شاہ عبدالسّلام ارکانی تک کے بزرگوں کے کچھ حالات سامنے لائیں، اس میں ہماری کتنی کامیابی ہوئی اس کا صحیح فیصلہ ناظرین کرام ہی کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی سے لے کر حضرت شاہ عبدالسّلام ارکانی تک کے اس سلسلہ کے بزرگوں کے صرف اسمائے گرامی یہاں درج کر دیتے ہیں، تاکہ ناظرین کے دل سے یہ خلش ہی سرے سے نکل جائے کہ حضرت

شاہ عبدالسّلام ارکانی کا یہ سلسلہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں علمائے دیوبند کا سلسلہ نہیں ہے، تاہم یہ سلسلہ برصغیر کے بعض علاقوں میں پائے جانے والے اور کوئی قابل تنقید سلسلہ بھی نہیں ہے، یہ بھی حضرت امام ربانی مجددالف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ اور حضرت الامام سید احمد بن عرفان الشہیدؒ کا سلسلہ ہے، تو لیجئے ان بزرگوں کے اسمائے گرامی :

۱۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ المحدث الدہلویؒ۔
۲۔ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز المحدث الدہلویؒ۔
۳۔ حضرت الامام المجاہد احمد بن عرفان الشہیدؒ۔
۴۔ حضرت مولانا شاہ صوفی نور محمد چاٹگامیؒ۔
۵۔ حضرت مولانا شاہ صوفی فتح علی اویسیؒ۔
۶۔ حضرت مولانا شاہ غلام سلمانی عباسیؒ۔
۷۔ حضرت شاہ سید عبدالباریؒ۔
۸۔ حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ۔
۹۔ حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانیؒ ۔

اب یہ سوال بھی کسی کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے کہ مجھ ناچیز میں حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ کی حیات بابرکات پر کچھ لکھنے کا داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ :

۱۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانیؒ کی جائے پیدائش علاقۂ بوسیدنگ کا معروف قصبہ علی چنگ ہے، اور حسن اتفاق کہہ لیجئے کہ راقم سطور کی نانیہال اور جائے پیدائش بھی وہی ہے، اور ظاہر ہے کہ علاقائی محبت اور کشش انسان کی فطرت ہے، اس صورت میں ناظرین کرام اس داعیہ کو ایک علاقائی محبت اور کشش سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

۲۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ راقم سطور کی دادیہال شمالی منگڈو کی معرف بستی نائن چونگ اور نانیہال علی چنگ کے اکثر بزرگوں کے شیخ ومرشد تھے، جبھی اس نے ہوش سنبھالا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے واقف ہوا، پھر کچھ پڑھنے لکھنے کی توفیق کے ساتھ ہی ساتھ اس کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ حضرت کے حالات زندگی پر کچھ لکھ کر سعادت حاصل کی جائے۔

۳۔ ابھی راقم سطور جماعت ہفتم یا ششم کا طالب علم تھا کہ اس کی ملاقات حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور حضرت مولانا نور محمد خنڈ لی کیوکتویؒ کے خلیفہ ومجاز بیعت حضرت شیخ جمال حسین نائن چونگیؒ سے ہوئی، جن سے راقم سطور نے اپنی بساط بھر علمی، فکری اور روحانی استفادہ کیا، حضرت شیخ بڑے درجہ کے عارف اور کامل بزرگ تھے، جن کی زبان بابرکت سے راقم نے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کے متعلق بہت کچھ سنا، اور جتنا بھی سنا وہ اس کے دل میں جاگزین ہوگیا، اس سلسلے میں حضرت سے سوال کیا گیا تھا کہ آیا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر تحریر شدہ کچھ مواد بھی پائے جاتے ہیں؟ تو حضرت نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ جبھی تم کو توفیق ہوگی، تم حضرت مولانا پر لکھ کر سعادت حاصل کرنا۔ شاید آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوے کلمات کی برکت ہے کہ آج حضرت مولانا شاہ عبد السّلام ارکانیؒ پر کچھ لکھنے کی توفیق اور سعادت نصیب ہوئی۔ **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء .**

ندوے سے فراغت تعلیم کے بعد غالباً ۱۹۹۵ء کا زمانہ تھا، راقم سطور ''دارالانصار چاٹگام'' جو اس زمانے میں حوالی شہر چاٹگام میں ایک کرایہ کے مکان میں تھا، اور آج کل چاٹگام کے مشرقی علاقہ میں حضرت مولانا سعید عالم صاحب (تلمیذ خاص حضرت مولانا محمد تقی عثانی صاحب) کے زیر اہتمام چلنے والا ایک بڑا دینی اور علمی ادارہ بنا ہوا ہے میں مدرس اور منتظم تھا، اس زمانے میں وہی پرانی آرزو نے از سر نو انگڑائی لی کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانیؒ پر باضابطہ لکھنے کی کوشش کی جائے، تو اس حوالے سے جتنی باتیں یاد تھیں قلم بند کیں اور مزید معلومات کے حصول کے لئے حضرت کے بعض مریدین، منتسبین، فیض یافتہ متعلقین اور خلفائے کرام سے رابطہ شروع کیا، اور جتنا بھی لکھنا ممکن ہوا لکھ ڈالا، پھر قابل ذکر اور ناقابل فراموش بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں راقم نے حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ (سابق پرنسپل مدرسہ حکیمیہ عالیہ چنوتی اور خلیفۂ اجل ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانیؒ) کی زیارتیں کیں، جن کا سلسلہ چند سالوں تک متواتر جاری رہا، اور اس دوران حضرت ارکانیؒ صاحبؒ پر جتنا کچھ لکھا، وہ حضرت کے سامنے پیش کیا گیا، اور حضرت نے مطالعہ کی زحمت اٹھائی اور فرمایا کہ: ''تم کو مزید جو کچھ لکھنا ہے لکھو، البتہ زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا جہاں تک سوال ہے، وہ انشاءاللہ ہمارا ذمہ ہے''۔

پھر ۲۰۰۳ء میں راقم حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے لئے حجاز مقدس پہنچا، اور آج تک کے لئے

یہاں کا ہوگیا، اور اس درمیان حضرت مولانا حبیب احمد صاحب بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ حضرت مولانا بڑے پائے کے عالم دین، وقت کے شیخ کامل، صاحب دل وصاحب نظر اور سخی وشریف بزرگ تھے، جن سے راقم نے حضرت مولانا ارکانیؒ کے متعلق بہت کچھ حاصل کیا، علاوہ ازیں علمی اور روحانی استفادہ بھی کیا ہے۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند کرے، آمین۔

اہل نظر اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کم سے کم گزری صدی کی ابتدائی دہائیوں سے ارکان میں مدارس اسلامیہ کے دو سلسلے چلے آرہے تھے، جن میں ایک سلسلہ کے تانے بانے از ہر الہند دارالعلوم دیوبند سے تھے، جبکہ دوسرے کے مدرسہ عالیہ کلکتہ سے، کیوں کہ اس زمانے میں ارکان سے طلبائے دینیہ ان دونوں مکاتب فکر کو جاتے اور علوم دینیہ اور فیوضات روحانیہ حاصل کر کے واپس آتے تھے، یوں یہاں دونوں مکاتب کے علماء پیدا ہوے، اور ان میں سے ہر ایک مکاتب کے علماء نے مدارس دینیہ بھی قائم کئے تھے اور خانقاہیں بھی آباد کی تھیں۔ مگر ہمارے زمانے میں ارکانی مسلمانوں کا دینی اور فکری رجحان دارالعلوم دیوبند کی طرف بڑھ گیا ہے، جس کی مختلف وجوہات واسباب ہے، اور ان اسباب ووجوہات سے قطع نظر بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں ہر کجا علمائے دیوبند کے ریلے نظر آنے لگے ہیں، حتی کہ جو مدارس اس علاقے میں عالیہ والوں نے قائم کئے تھے ان پر بھی حلقۂ دیوبند کے فیض یافتے چھا گئے، اور رفتار زمانہ کے ساتھ عالیہ والے دیوبندیوں کے سائے میں گم ہوگئے ہیں۔ بعد میں ارکان کے طول وعرض میں ہر کجا دیوبند اور علمائے دیوبند کے گن گائے جانے لگے تو ایسے حالات میں یہاں حلقۂ عالیہ کے علماء کا پیدا ہونا ہی بند ہوگیا ہے، اور اگر اکا دکا پیدا بھی ہوجاتا تو وہ بھی اپنے کو حلقۂ دیوبند کے سائے میں چھپا دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

پھر یہاں کے روحانی حالات کا جہاں تک تعلق ہے، ذرا وہ بھی بتاتے چلیں کہ جس طرح گئی صدی میں ارکان میں علمائے کرام کے دو حلقے پائے جاتے تھے، ٹھیک اسی طرح روحانی اعتبار سے مشائخ عظام کے بھی دو حلقے پائے جاتے تھے، ان میں سے کچھ کا تعلق حلقہ ہائے دیوبند سے تھا اور کچھ کا تعلق حلقہ ہائے عالیہ سے، البتہ ان دونوں حلقوں سے علیحدہ بھی کچھ علماء ومشائخ پائے جاتے تھے، مگر وہ کسی حد تک کسی نہ کسی ایک حلقہ کے زیر اثر یا زیر پناہ ہوتے تھے۔ لیکن اس حوالے سے ایک بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں حلقوں کے علماء ومشائخ کے درمیان اگر چہ بعض فروعی اور بہت ہی فروعی مسائل کے علاوہ فکری

اعتبار سے بعض نقطہائے نظر میں کچھ کشمکش اور اختلافات ہوتے ،مگر روحانیات کے حوالے سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا، اگر اندر ہی اندر میں ہوتا بھی تھا، مگر وہ نہ ہونے کا برابر تھا۔ اسی زمانے ان دونوں حلقوں میں بعض ایسے علماء ومشائخ بھی تھے جو عام طور پر ارکانی مسلمانوں میں اور خاص طور پر ان دونوں مذکورہ حلقوں میں مقبول تھے۔

اب جہاں تک حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحبؒ ارکانی کا تعلق ہے، آپ ارکان میں اپنے زمانے کے ان علماء ومشائخ میں سرفہرست تھے، جو بیک وقت عام مسلمانوں میں بھی اور مذکورہ دونوں حلقوں کے علماء ومشائخ میں بھی مقبول عام تھے، اور ہر دونوں حلقوں کے علماء ومشائخ کو آپ کے علم وفضل، تقوی شعاری وپرہیزگاری، اعتدال وتوازن، اخلاص وللّٰہیت پر اتنا اعتماد تھا کہ اور تو اور اگر کبھی مسلمانوں کے درمیان یا کہیں دوگروپوں کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوتا تو آپ بطور حاکم بلائے جاتے، اور اگر مذکورہ دونوں حلقوں میں سے کسی دو علماء کے درمیان کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو آپ لائے جاتے، اور آپ کے فیصلہ کو آخری فیصلہ مانا جاتا اور آپ کے قول کو قول فیصل سمجھا جاتا تھا۔ اور شاید ان دونوں حلقوں میں آپ کی مقبولیت کی مختلف وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اگر تعلیمی اعتبار سے آپ کا تعلق مدرسہ عالیہ کلکتہ سے تھا، لیکن روحانی اعتبار سے آپ کی نسبت وہی تھی جو حضرات علمائے دیوبند کی۔

موجودہ ارکان میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے علاقے کے علاوہ بھی بہتوں روحانی حلقے تھے، جن میں ارکان کا دارالحکومت اکیاب، ننڈل، علی چنگ، بلی بازار، قاضی آباد اور نائن چونگ قابل ذکر ہیں، اس حوالے سے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موجودہ ارکان میں روحانی اعتبار سے آپ کی مقبولیت جتنی تھی وہ تو تھی ہی، مگر اس سے کہیں زیادہ مقبولیت موجودہ بنگلادیش کا علاقۂ چاٹگام میں تھی اور اب بھی ہے۔ چنانچہ علاقۂ چاٹگام میں آپ کے بہتوں تعلیمی، تبلیغی اور روحانی حلقے پائے جاتے ہیں، جن میں ساتکانیہ، چنوتی، بانس کھالی، پدوا، حوالی شہر اور چاندگاؤں ناقابل فراموش ہیں، ان علاقوں میں حضرت کے انگنت مریدین، منتسبین، متعلقین پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں چند مجاز بیعت اور خلفائے کرام بھی تھے، جن میں حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتوی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست تھے۔

اورحضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک زندہ وتابندہ کام یہ

کر گیا ہے کہ ساتکانیہ شہر میں خانقاہ حامدیہ کے نام سے ایک دینی وروحانی ادارہ کی بنیاد رکھی، جو آج کل ''خانقاہِ حامدیہ سلامیہ مجیدیہ'' کے نام سے معروف ہے، اور ملحق ایک مدرسہ تحفیظ القرآن بھی ہے، جو روحانی اعتبار سے بھی ہر آن تاباں وضوٗفشاں اور ہر حال میں درخشاں اور صدابہار ہے۔ اللہ تعالی اس ادارہ کو مزید شرف قبولیت بخشے اور اس کی تابانی ودرخشانی مزید بڑھادے، آمین۔

اب زیر نظر کاوش کے جملہ عناوین تو فہرست میں موجود ہیں، البتہ ابحاث کے متعلق اجمالاً عرض ہے کہ :

(۱) اس کاوش کی ابتدا میں ایک مقدمہ بعنوان ''حرف آغاز'' کے علی الرغم موضوع کے حوالے سے کچھ اہم اور ضروری باتیں عرض کی گئی ہیں، تاکہ موضوع میں داخل ہونے سے پہلے قارئین سالکین کے ذہن، سلوک وطریقت حوالے سے صاف ہوجائیں۔

(۲) اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحبؒ ارکانی کے قدرے تفصیلی حالات زندگی معًا ان کے سلسلہ کے چند بزرگوں کے اجمالی حالات درج کئے گئے ہیں، جو علی العموم پائے نہیں جاتے۔

(۳) پھر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اورادواشغال اور اس سلسلہ کے چند ضروری مصطلحات کو سامنے لایا گیا ہے، جو ذاکرین سالکین کے لئے ہر حال میں ضروری ہیں۔

(۴) اس کے بعد سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے پینتیس اسباق جو درحقیقت سلوک وطریقت کی اصل روح ہیں پر قدرے تفصیلی بحث کی گئی ہے، تاکہ سالکین طریقت، سلوک وطریقت کی منازل کو سبقاً سبقاً طے کرسکیں، یا انہیں طے کرایا جاسکے، جس طرح حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحبؒ ارکانی کرتے اور کراتے تھے۔

(۵) بعد ازاں سلسلۂ عالیہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کے اورادواشغال اور مراقبات پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے، اور وہ اس لئے ہے کہ حضرت مولانا اگرچہ عموماً سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اورادواشغال کی تعلیم وتلقین اور اس سلسلہ شریف کی نسبت دیتے تھے، مگر بعض اوقات طالب صادق کے ذوق ومناسبت کو دیکھ کر ان مذکورہ سلاسل کے اورادواشغال اور نسبت بھی دیا کرتے تھے۔

(۶) پھر حضرت کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف کریمہ کے حوالے سے چند عناوین کے تحت بحث کی گئی ہے، تاکہ قارئین سالکین حضرت جیسے عظیم اہل دل کے بلند اخلاق سے اپنی زندگی کو سنوار سکیں۔

(۷) آخر میں حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام صاحبؒ ارکانی کے چند فرمودات وملفوظات نمبروار درج کردیئے گئے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ ان کی کچھ تشریح بھی کردی گئی ہے، تاکہ قارئین سالکین ان سے

ضروری حد تک مستفید ہوسکیں۔

آخر میں معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ زیر نظر تالیف خاکسار کی کچھ حقیر کاوشوں کا نتیجہ ہے، جس میں علمی، فکری، دینی اور روحانی اغلاط اور فروگزاشتوں کا ہونا یقینی ہے، جسے ایک سعادت سمجھ کر لکھا اور منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ اب قارئین وناظرین اور کوچۂ طریقت کے سالکین کرام سے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ اس میں پائے جانے والے اغلاط اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے، اور اطلاع دے کر خاکسار پر احسان فرمائیں گے۔ هذا، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمدو آله وصحبه اجمعين .

خاکسار

محمد طاہر جمال ندوی

جدہ، سعودی عرب۔

۲۰۱۸/۳/۱۸ء

پہلا باب

موضوع کے حوالے سے کچھ اہم اور ضروری مباحث

تصوف وسلوک تاریخ کے تناظر میں :

قرآن کریم اور سنت نبویہ اور اسوۂ صحابہ وتابعین کی طرف رجوع کیا جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن کریم دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک بہت ضروری اور اہم رکن کی طرف بڑی ہی خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاتا ہے، جسے قرآن کی زبان میں تزکیہ کہا جاتا ہے۔ اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کیا جاتا ہے جن کی تکمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ:

((هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلّمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین)) الجمعة : ۶۲ . ۲ .

”وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی، اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں“۔

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلی اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک وصاف کیا جائے، تزکیہ کی وہ شکلیں جس کے شاندار نمونے اور مثالیں صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتی ہیں اور ان کے اخلاص واخلاق کے آئینہ دار ہیں، اور وہ تزکیہ جس کے نتیجے میں ایسا صالح پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جس کی مثال پیش کرنے سے انسانی تاریخ عاجز ودر ماندہ ہے۔ اور ایسی عدل پسند اور حق پرست حکومت قائم ہوئی، جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہ مل سکی۔

قرآن کریم کے بعد ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ زبان نبوت اسلام وایمان کے ساتھ ایک خاص درجہ اور مرتبہ کا ذکر کرتی ہے، اوراس کو ''احسان'' سے تعبیر کرتی ہے، جس سے مراد یقین واستحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہئے، اور جس کا شوق ہر ایک مرد مؤمن کے دل میں موجزن ہونا ضروری ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''احسان'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو'' (بخاری ومسلم)

جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے، ایک کا تعلق افعال وحرکات اور امور محسوسہ سے تھا، مثلاً قیام وقعود، رکوع وسجود، تلاوت وتسبیح، اذکار وادعیہ، احکام ومناسک۔ فن حدیث نے اس کی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی، علم فقہ نے اس سے مسائل وجزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور محدثین وفقہائے امت نے دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کار عظیم کے لئے بہترین صلہ عطا فرمائے۔

پھر دوسری وہ قسم ہے، جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے، جو ان افعال وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قیام وقعود، رکوع وسجود، ذکر ودعاء، وعظ ونصیحت، گھر کے ماحول، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب، صبر وتوکل، زہد واستغناء، ایثار وسخاوت، ادب وحیاء، خشوع وخضوع، انابت وتضرع، دعاء کے وقت شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق، اس طرح کے اور دیگر باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں۔ پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت جزئیات اور آداب واحکام ہیں، جنہوں نے اس کو ایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دیا ہے۔ چنانچہ اگر اس علم کو جو اول الذکر کی شرح وتفسیر ہے فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے، تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لئے رہنمائی کرتا ہے ''فقہ باطن'' قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی تزکیہ واحسان کا نظام ہے جسے اصطلاحاً تصوف کہلاتا ہے۔

پھر ہر زمانے میں ایسی طاقتور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوت آیات، تعلیم وکتاب وحکمت اور تزکیہ واحسان کا کام کریں۔ اور ساتھ ہی وہ انقطاع نبوت کے

بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا فریضہ بھی انجام دیں، اور امت مسلمہ کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ سکیں، اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے، اور اطاعت وفرمان برداری، نفس وشیطان کی مخالفت، اپنے معاملات میں خداورسول کی عدالت سے فیصلہ کرانے، طاغوت کے انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور اس عہد کی تجدید کو اپنا شعار بنائیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ اس لئے خلافت راشدہ کے بعد سلاطین اسلام نے اس کام کو فراموش کر کے صرف فتوحات وٹیکس اور جزیہ کی وصولیابی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بیعت خلافت کے انعقاد سے دلچسپی باقی رکھی تھی، اور ادھر علماء بھی اصلاح سے عاجز ودر ماندہ تھے، وہ پند ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں ایسے منہمک تھے کہ کسی اور چیز کو سوچنے کی بھی انہیں فرصت نہیں تھی، اس کے علاوہ اور اگر یہ اس کا ارادہ بھی کرتے تو بھی یہ بات ان کی بس کی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کی زندگی عوام کے سامنے تھی، اور وہ جانتے تھے کہ ان میں زہد واخلاص اور خلافت نبوت کی علامات اور اثرات کتنے کم اور شاذ ونادر نظر آتے ہیں۔ غرض کہ اس طرح عام اور خاص ہر طبقہ میں دینی شعور اور دینی حسن کم زور اور مضمحل ہوتی رہی، اور رفتہ رفتہ وہ یہ بھولنے لگے کہ اسلام درحقیقت بندہ اور اس کے رب کے درمیان عہد ومیثاق ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہو گئے، اور خواہش نفس کو بالکل چھوٹ دے دی، ان کی حالت بھیڑیوں کے اس گلہ کی سی ہو گئی جس کا نہ کوئی چرواہا ہو نہ مقصد عبادت کا شوق، درجہ احسان اور حلاوت وایمان کے حصول کا جذبہ سرد پڑنے لگا، ہمتیں پست ہو گئیں، عزائم خوابیدہ ہو گئے، اور عام طور پر لوگ سوائے ان کے جن کو خدا نے محفوظ رکھا بہت بے تابی اور جنون کے ساتھ لذات وخواہشات پر ٹوٹ پڑے۔

بالآخر اسلامی خلافت میں روح خلافت اور امانت نبوت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا، اور وہ حکومت وسیاست بن کر رہ گئی، جن کا کام صرف ٹیکس کا وصول کرنا تھا، اس وقت وسیع اسلامی مملکت میں ہر طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب اللہ تعالیٰ کے مخلص اور اہل حق کھڑے ہو گئے اور ان کی دعوت وصحبت کے اثر سے تمام لوگ اسلام کے میثاق وعہد میں از سر نو داخل ہونے لگے، وہ فہم وارادہ، شعور واحساس کے ساتھ اس نئے عالم میں داخل ہو رہے تھے، جب کہ اسلام کو انہوں نے عادتاً وارادتاً قبول کیا تھا، اپنی تعلیم وتربیت سے انہوں نے ایمان اور لذت ایمانی کی تجدید کی، اور نفس کے تسلط، خواہشات کی

اسیری اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر عبادات وطاعات، دعوت الی اللہ اور راہ حق میں جہاد کی طرف متوجہ ہو گئے۔

پھر ان کے جانشینوں اور شاگردوں میں اور ان سب لوگوں میں جنہوں نے دعوت میں ان کا اتباع کیا، دعوت اسلامی کے ایسے علم بردار اور تربیت اسلامی کے امام درمیانی اور آخری صدیوں میں پیدا ہوئے، جنہوں نے روح اسلامی اور شعور ایمانی کی بقاو حفاظت، دعوت وجہاد کے شوق اور خواہشات وترغیبات کے مقابلہ کے میدان میں بہت ہی خدمات انجام دیں، اگر وہ نہ ہوتے تو مادیت حکومتوں اور تہذیبوں کے راستے پر حملہ آور ہوتی، پوری امت مسلمہ پر اپنا تسلط جمالیتی، اور زندگی ومحبت کی چنگاری بالکل سرد پڑ جاتی، ان لوگوں کی وجہ سے ایسے دور دراز ملکوں میں جہاں اسلامی افواج اور مجاہدین اسلام کے قدم نہیں پہنچے تھے، اسلام کی تبلیغ واشاعت ہوئی، ان کے ذریعے سے اسلام کو افریقہ کی تاریک براعظم، انڈونیشیا، جزائر بحر الہند، چین اور ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا۔

پھر اس زمانہ اور ان مایوس کن حالات میں جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے اسلام کو زیر وزبر کر دیا اور اس کو تاراج کر کے رکھ دیا، مسلمانوں میں جہاد اور مقابلہ کی طاقت بالکل ختم ہو گئی اور کسی بھی میدان میں ان کے سامنے آنے کی ہمت باقی نہ رہی اور مایوس ہو کر مسلمانوں نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھ دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ تاتاریوں کو شکست دینا اب ناممکن ہے اور عالم اسلام کی تقدیر میں اس نیم وحشی قوم کی غلامی لکھ دی ہے، اس وقت یہی مخلص دین کے داعی تھے، جو ان سخت دل اور سخت جاں وحشی انسانوں میں گھسے اور ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، جن میں سے اکثر کے نام تاریخ دعوت واصلاح کی دور بین اور عقابی نگاہوں سے اوجھل رہے، یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت اور قدر پیدا ہو گئی، اور کثیر تعداد میں وہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے، تاتاریوں کے ان غلبہ وکامرانیوں پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کی بڑی تعداد اسلام کے آغوش میں آ گئی، اور وہ اسلام کے محافظ وپاسبان بن گئے، حتی کہ ان میں بڑے بڑے علماء وفقہاء، زاہد ومجاہد پیدا ہو گئے۔

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے ÷ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو مسلم سوسائٹی بہت عرصہ ہوا کہ دم توڑ چکی ہوتی، اور مادیت کی سرکش اور گرم لہر اس کے بچے کھچے ایمان ویقین کا خاتمہ کر دیتی، قلوب کا اللہ تعالی

سے، زندگی کا روحانیت سے، معاشرہ کا اخلاق سے رشتہ منقطع ہو جاتا، اخلاص واحتساب کا خاتمہ ہو جاتا، باطنی امراض کی کثرت ہو جاتی، قلوب ونفوس کی بیماریاں پھیلتیں اور کہیں ان کا طبیب بھی نہیں ملتا، لوگ ہر کجا دنیا پر ٹوٹ پڑتے اور اہل علم جاہ ومنصب اور مال ودولت کے پیچھے دوڑ نے لگتے، اور ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگتے، دنیاوی حرص وطمع کا ان پر کلی طور پر تسلط ہو جاتا، غرض دین کا وہ شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے، یعنی تزکیۂ نفوس اور فقہ باطن بالکل معطل ہو جاتا۔

گزشتہ دو صدیوں سے جب سے امت مسلمہ کی سیاسی، اقتصادی، سماجی، علمی اور اخلاقی حالات دوبارہ استعماری سازشوں اور مسلم معاشرہ کے مؤثر افراد کی عیاشیوں اور بداعمالیوں کے باعث مضمحل اور تباہ ہوئے ہیں، اس باب میں ایک دردانگیز خلا پیدا ہو گیا ہے، ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرہ میں واقع ہو چکا ہے، جلد از جلد پر کیا جائے، اور حقیقی تصوف وسلوک، تزکیہ واحسان کو پھر سے تازہ کیا جائے، جس طرح ہمارے اسلاف نے اس کو اپنے اپنے زمانے میں تازہ کیا تھا، اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب وسنت کی روشنی میں ہو۔

تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق کا وسیع اور مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی، نفس وشیطان کے دجل وفریب کی نشاندہی، نفسانی واخلاقی بیماری کی تشخیص وعلاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع وطرق کی تشریح وتربیت جس کی اصل حقیقت تزکیہ واحسان کے ماثور وشرعی الفاظ میں پہلے سے تھی اور جس کا عرفی واصطلاحی نام بعد میں ''تصوف'' پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک زندہ ودرخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ تک پہنچا دیا، اور اس کو دین کی عظیم خدمت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے قلوب ونفوس کی مردہ کھیتوں کو زندہ کیا اور روحانی مریضوں کو شفا دی، ان مخلص علمائے ربانیین اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعے دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل وعریض ممالک میں وسیع پیمانے پر اسلام کی تبلیغ واشاعت ہوئی، اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان ویقین اور عمل صالح کی روح پھونکی، اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرون ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع و بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے خدا کے کثیر تعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا، اور اس کی دعوت دی، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا، اور ساری زندگی دین کی اشاعت میں مشغول اور سرگرم عمل رہے، اور ان کو اس کی افادیت اور صحت کے بارے میں پورا پورا یقین واطمینان حاصل تھا۔

دین کے محافظین کا وہ گروہ جسے خدا تعالی نے باطن دین کی حفاظت، جس کا دوسرا نام ''تصوف واحسان'' ہے کی استعداد عطا فرمائی، ہر زمانے میں اس گروہ کے بزرگ عوام الناس کے مرجع رہے ہیں، طاعت ونیکوکاری کے اعمال سے باطن نفس میں جو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دلوں کو اس سے جو لذت ملتی ہے، یہ بزرگ لوگوں کو اس امر کی دعوت دیتے ہیں، نیز یہی ان کو نیک اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء اللہ میں مختلف زمانوں میں ایسے بزرگ ضرور پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کو عنایت الہی سے اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ باطن دین کے قیام اور اس کی اشاعت کی جدوجہد کریں، باطن دین جو دین کا مغز اور نچوڑ ہے، اس کی حقیقت ''احسان'' ہے، یعنی اللہ تعالی کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرنا گویا عبادت کرنے والا اسے سامنے دیکھ رہا ہے۔ یہ بزرگ اللہ تعالی کی طرف سے اس صفت ''احسان'' کے مظہر بنتے ہیں اور باطن دین اور اس کی حفاظت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ میں جو بزرگ اس صفت ''احسان'' کے مظہر بنتے ہیں ان کی پہنچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کی رفعت شان کا عام چرچا ہوجاتا ہے، خلقت اس کی طرف کشاں کشاں چلی آتی ہے، ہر شخص اس کی مدح سرائی کرتا ہے، نیز جو اذکار اور وظائف ملت اسلامیہ میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں، ان میں بعض ایسے ہیں جن سے لوگوں کی فطری مناسبت ہوتی ہے، ان کے دل میں وارد ہوتے ہیں، ان کی صحبت اور باتوں میں جذب وتاثیر کی غیر معمولی قوت ہوتی ہے، اور ان سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں، ان کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریدوں اور طالبوں کی ایک کثیر تعداد ان کے گرد جمع ہوجاتی ہے، اور وہ ان کی اصلاح کے لئے اوراد ومشاغل کو از سرنو ترتیب دیتے ہیں، یہاں سے ان کے خانوادۂ طریقت کی بنیاد پڑتی

ہے، اور لوگ ان کے سلسلہ پر چلنے لگتے ہیں۔

دین میں ظاہری تجدید کی طرح یہ بھی باطنی تجدید کا عمل ہوتا ہے، جو مختلف زمانوں میں جاری رہتا ہے، جیسے ظاہری دین کی خدمت کے باب میں مذاہب ومسالک وجود میں آتے ہیں، اسی طرح باطن دین کی خدمت کے باب میں سلاسل وطرق وجود میں آتے ہیں، ان سلاسل کی تعلیمات، اوراد ومشاغل اور وظائف واذکار میں جو فرق سا ہوتا ہے، اس کی مثال علمی اعتبار سے تو مذاہب کے فقہی اختلاف کی سی ہے، مگر عملی اعتبار سے مختلف طبیبوں اور معالجوں کے نسخوں کے اختلاف کی سی ہے، اور اس کی وجہ لوگوں کے روحانی مزاجوں اور نفسی طبیعتوں میں فرق واختلاف کا پایا جانا ہے۔ مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے۔

انسانی ذرائع علم کی بے بسی:

اللہ تعالی کے جاری کردہ نظام ربوبیت نے انسان کو اپنے گردو پیش اور ماحول سے متعلّق معلومات حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع علم وہدایت سے نوازا ہے، اسے سوچنے کے لئے طاقتور دماغ، دیکھنے کے لئے صاف شفاف آنکھیں، سننے کے لئے حسّاس کان، چکھنے کے لئے زبان، سونگھنے کے لئے ناک، چھونے کے لئے ہاتھ، اور احساس لمس کے لئے اعصاب بخشے گئے ہیں۔ ان ذرائع علم کو عقل اور حواس کہا جاتا ہے۔ یہ اس ذات برحق کی عنایت ہے کہ اس نے ان ذرائع کو بالعموم ہر انسان کے لئے کھلا رکھا ہے، انہیں محدود اور مسدود نہیں فرمایا۔

انسان کو ذرائع علم عطا کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے کائنات میں زندگی بسر کرسکے، مخلوقات اور ان کے خواص واوصاف کو جانے، ان کی حقیقتوں کا ادراک کرے اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف زاویوں سے غور وفکر کرے۔

اس مقصد کے لئے بلا تمیز رنگ ونسل، انسان کو جو ذرائع عطا کئے گئے ہیں، انہیں تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) حواس خمسہ ظاہری۔

(۲) حواس خمسہ باطنی۔

(۳) حواس قلبی۔

(ا) حواس خمسہ ظاہری :

حواس کی پہلی قسم حواس خمسہ ظاہری کہلاتی ہے۔ جن کی تعداد پانچ ہے اور یہ عمر کے ساتھ ساتھ تکمیل مراحل طے کرتے چلے جاتے ہیں :

(ا) حس لامسہ (چھونے کی قوت)

(۲) حس باصرہ (دیکھنے کی قوت)

(۳) حس سامعہ (سننے کی قوت)

(۴) حس ذائقہ (چکھنے کی قوت)

(۵) حس شامہ (سونگھنے کی قوت)

یہ وہ پانچ ذرائع علم ہیں، جن کی بدولت انسان اپنے گردو پیش اور ماحول سے اپنا ادراکی تعلق قائم کرتا ہے، مگر یہ حواس صرف ظاہری دنیا کی حقیقتوں کو جاننے اوران کا ادراک کرنے تک محدود رہتے ہیں، یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے پر مامور ہیں۔

قوت لامسہ کا کام کسی چیز کو چھوکر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ چیز کیسی ہے؟ نرم وگداز ہے یا سخت اور کردری ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز غیر مادی جسم رکھتی ہے تو ہاتھ ہزار کوشش کے باوجود اس کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔

اسی طرح قوت باصرہ کا کام مرئی اشیاء کو دیکھنا اوران کے وجود کا سراغ لگانا ہے۔ اگر کوئی چیز سرے سے غیر مرئی ہے تو اسے قوت باصرہ معلوم نہیں کرسکتی۔

☆ علی ہذا القیاس قوت سامعہ کا کام آواز کا پتہ لگانا ہے۔

☆ خوشبو یا بدبو کو قوت شامہ کے ذریعے جانا جاتا ہے۔

☆ مٹھاس یا کرواہٹ کا احساس قوت ذائقہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حواس خمسہ ایک دوسرے کا بدل نہیں بن سکتے :

آنکھ کے دائرۂ بصارت میں آنے والی کوئی چیز کسی اور حس کے ذریعے نہیں دیکھی جاسکتی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی قوت سامعہ مفقود ہوجائے تو وہ بقیہ چاروں حواس کو آزمانے کے باوجود آواز کا سراغ لگانے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر زبان ذائقہ کا پتہ نہ لگا سکے تو آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ پاؤں سلامت ہونے کے باوجود

انسان مختلف ذائقوں میں تمیز نہیں کرسکتا۔ روزمرہ زندگی میں عام مشاہدے میں آنے والی یہ حقیقت ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ حواس خمسہ ایک دوسرے کا بدل نہیں بن سکتے۔

حواس ظاہرہ کا محدود دائرۂ کار :

اب ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر حس کا ایک محدود دائرہ اور حلقہ ہوتا ہے۔ جو اشیاء حواس ظاہری کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں، انہیں ''ادراک حسّی'' کہتے ہیں۔ جوشئ جس حاسّے کے دائرۂ کار میں آتی ہے، اسے ہمیشہ اسی حاسے کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس حاسے کے بجائے اس پر دوسرے حاسے آزمائے جائیں تو لاکھ کوشش کے باوجود اس چیز کی صحیح ماہیت کا ادراک ناممکن ہوتا ہے۔

آواز کو کان کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ رنگوں کو آنکھوں کے ترازو میں تولا جائے تو ان میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ خوشبو کو قوت شامہ کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ انسانی ادراک میں سما سکتی ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حواس کے علاوہ اسی چیز کو کسی دوسری حاسے کی مدد سے جاننے کی کوشش بے کار ثابت ہوگی۔ اب طے یہ پایا کہ اگر کوئی وجود دنیا میں موجود ہے مگر اسے معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہیں تو پھر باقی سارے حواس آزمانے کے باوجود اس وجود کا سراغ لگایا نہیں جاسکتا، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

(ا) حواس خمسہ ظاہری صرف طبیعی دنیا کی اشیاء کا ادراک کرسکتے ہیں، جس میں مادہ اور توانائی دونوں شامل ہیں۔

(۲) ہر حس کا ایک مخصوص دائرۂ کار ہے، جو چیز اس کے دائرے میں آجائے وہ حس صرف اسی کو محسوس کرسکتی ہے، لیکن جو چیز اس کے دائرے سے باہر ہو، اس شئ کا صحیح ادراک باقی تمام حواس مل کر بھی نہیں کرسکتے۔

حواس خمسہ ظاہری کی بے بسی:

اور ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر حواس درست اور سلامت ہوں لیکن انہیں عقل کی سرپرستی حاصل نہ ہوتو یہ پانچوں حواس کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے حاصل شدہ مواد خام مال (Raw material) یا ادراک (Perception) تو کہہ

سکتے ہیں، علم (Knwlege) ہرگز قرار نہیں دے سکتے۔ یہ ادراک اور احساس اس وقت علم کا روپ اختیار کرتا ہے، جب آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کے لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہوا اور عقل اس ادراک کو منظّم کرتے ہوئے اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جستجو کو خاص نہج عطا کر دے۔

انسانی جسم کے جس حصّے میں یہ عمل تکمیل پذیر ہوتا ہے، اسے دماغ کہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے بذات خود عقل کو ایک بہت بڑا کارخانہ بنا دیا ہے۔ جس طرح حواس ظاہری کے پانچ الگ الگ حصّے ہیں، اسی طرح عقل کے بھی پانچ الگ الگ گوشے ہیں، عقل کے یہ تمام حصّے نہایت نظم وضبط اور باہمی افہام وتفہیم سے کام کرتے ہیں۔ حواس ظاہری جو کچھ محسوس کرتے ہیں اس کے تاثرات جوں کے توں دماغ تک پہنچا دیتے ہیں۔ عقل اپنے پانچوں شعبوں کی مدد سے ان تاثرات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے، اور بتاتی ہے کہ کان نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا چھوا، زبان نے کون سا ذائقہ چکھا، اور آنکھ نے کیا دیکھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حواس کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے، ان محسوسات کو سمجھنا نہیں۔ کان بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ آنکھ بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے، ہاتھ اور زبان یہ بتا نہیں سکتے کہ فلاں چیز نرم ہے یا سخت، میٹھی ہے یا کڑوی، آخری فیصلہ عقل انسانی صادر کرتی ہے، حواس خمسہ نہیں، گویا علم کی آخری صورت گری عقل سے ہوتی ہے، حواس خمسۂ ظاہری سے نہیں۔

حواس خمسہ ظاہری کا دائرۂ کار جہاں مادی اور طبیعی دنیا تک محدود ہے اور غیر مادی اشیاء کا ادراک حواس ظاہری کے ذریعے ناممکن ہے، وہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ انسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقل انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواس خمسہ کے کسی قسم کے تاثرات علم کا روپ نہیں دھار سکتے۔

(۲) حواس خمسہ باطنی :

جس طرح محسوسات ظاہری کے لئے قدرت نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں، اسی طرح عقل انسانی میں بھی پانچ مدرکات پیدا کئے گئے ہیں۔ جنہیں ''حواس خمسہ باطنی'' کہا جاتا ہے جو یہ ہیں۔

(۱) حس مشترک۔
(۲) حس واہمہ۔
(۳) حس متصرفہ۔
(۴) حس خیال۔
(۵) حس حافظہ۔

(۱) **حس مشترک** : انسانی عقل کا یہ گوشہ حواس ظاہری کے تاثرات کو وصول کرتا ہے، حواس کے اولین تاثرات اس حصۂ عقل میں پہنچ کر جذب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہم اپنی آنکھ سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو انسانی عقل کے اس حصے پر اس کی تصویر مرتسم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے ''لوح النفس'' بھی کہتے ہیں۔

(۲) **حس خیال**: حس خیال کا کام یہ ہے کہ وہ حس مشترک میں پہنچنے والی مدرکات اور محسوسات کی تصاویر اور شکلوں کی ظاہری صورت کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے۔ مثلاً جب ہم لفظ ''میں'' بولتے ہیں تو اس لفظ کی ظاہری صورت میم، یا اور نون غنہ ہے، چنانچہ اس کے ظاہر کا یہ تاثر حس مشترک پر منعکس ہوتا ہے اور یہ تاثر بصورت تصویر ''حس خیال'' میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۳) **حس واہمہ** : جس طرح محسوسات کی ظاہری صورت وشکل کو حس مشترک نے حواس ظاہری سے وصول کیا تھا اور حس خیال نے اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کر لیا تھا، اسی طرح حس واہمہ مدرکات حس کے معنی ومفہوم یعنی ان کی باطنی شکل وصورت کا ادراک کرتی ہے، اور محفوظ رکھنے کے لئے ان تاثرات کو اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے، جسے حافظہ کہتے ہیں۔

(۴) **حس حافظہ** : یہاں محفوظات کے مفہوم یعنی معنوی وجود کو اس طرح سے محفوظ کیا جاتا ہے کہ جیسے ان کی ظاہری شکل کو ''حس خیال'' میں محفوظ کیا گیا تھا۔

(۵) **حس متصرفہ** : پانچویں اور آخری باطنی حس متصرفہ کہلاتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ حس مشترک میں آنے والی ظاہری صورت کو حس واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حس خیال میں محفوظ شکل وصورت کو حس حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے، یوں انسان مختلف الفاظ سن کر ان کا مفہوم سمجھنے، مختلف رنگ دیکھ کر ان میں تمیز کرنے اور مختلف ذائقے چکھ کر ان میں فرق معلوم کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک خاص نقطے تک پہنچتے ہیں۔ جسے ''علم'' کہا جاتا ہے۔ یہاں ادراک علم میں بدل جاتا ہے، اگر یہ حس مشترک موجود نہ ہوتو یہ پانچوں حواس بھی بے بس ہوکر رہ جائیں۔ اگر ان میں حس واہمہ صحیح نہ ہوتو ہم سب کچھ دیکھیں گے، لیکن جان کچھ نہ سکیں گے، آواز تو سنائی دے گی لیکن اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ چیز کو ہاتھوں سے چھوا تو جارہا ہوگا مگر نرم اور سخت چیزوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاسکے گا۔

حواس خمسہ باطنی کی بے بسی :

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حواس خمسہ ظاہری علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے حواس باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواس ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواس باطنی سے گزر کر ایک صحیح نتیجہ تک نہ پہنچیں، اس وقت تک حواس ظاہری کے ذریعے محسوس کئے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کرسکتے۔ گویا حواس خمسہ ظاہری کسی شئ کو محسوس تو کرتے ہیں مگر اسے معلوم نہیں کرسکتے۔

اسی طرح دوسری طرف بھی دیکھئے کہ عقل اور اس کے پانچوں حواس مکمل طور پر حواس خمسہ ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہوتو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے، لہذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں، وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔

اب یہ طے پا گیا کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں ۔ چنانچہ جو حقیقت ہماری باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ قوتوں کی دسترس سے باہر ہو، اس کا ادراک عقل بھی نہیں کرسکتی۔ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضو معطل ہے۔ اور عقل کے بغیر سارے کے سارے حواس عبث وبیکار ہیں، پس انسان کو جو ذرائع عطا کئے گئے ہیں وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لئے حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی (عقل) کی فعالیت کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات تشنہ طلب رہتے ہیں۔

مثلا یہ کہ :

= انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

= انسان کو کس نے پیدا کیا؟

= انسان کی تخلیق کیسی ہوئی ؟

= آغاز کائنات کیسے ہوا اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا ؟

= اس کائنات سے اس کا تعلق کیا ہے؟

= اس کائنات میں زندگی گزارنے کے لئے کون سے قانون کی پاسداری کی جائے ؟

= کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری ؟

= ظلم کیا ہے اور انصاف کیا ہے؟

= مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟

= آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا ہے یا

= مرنے کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے؟

= اگر وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا ہے تو اس نظام زندگی کا مفہوم کیا ہوا؟

= اگر مرنے کے بعد نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے اس کی کیفیت کیا ہے؟

= مرنے کے بعد اس سے کوئی جواب طلبی ہوگی یا نہیں؟

یہ اور ان جیسے بنیادی سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

علی ہذا القیاس اگر انسانی زندگی بامقصد ہے تو انسان کو ان سوالات کے تسلی بخش جواب چاہئیں۔

جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لئے اپنی آنکھوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہم تو تیرے باعث معرض وجود میں آئی ہیں، تیری تخلیق سے پہلے کا حال کیوں کر جان سکتی ہیں۔ انسان اپنے کانوں سے پوچھتا ہے تو کان گو یا ہوتے ہیں کہ ہمارا وجود تو خود تیری ہستی کا رہین منت ہے، جو اشیاء ہمارے دائرۂ ادراک سے ماوراء ہیں، ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں۔ انسان اپنی قوت شامہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو وہ جواب دیتی ہے کہ یہ حقائق تو سونگھنے سے معلوم نہیں ہوتے ۔ انسان اپنی قوت ذائقہ سے پوچھتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ان ماورائی حقیقتوں کو چکھا نہیں جاسکتا۔ پھر انسان اپنی قوت لامسہ سے سوال کرتا ہے تو وہ بھی جواب دیتی ہے کہ میں ان احوال کو چھو نہیں سکتی۔

الغرض انسان نے حواس خمسہ ظاہری میں سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دی، ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی بے بسی اور درماندگی کا اظہار کر کے کہتے ہیں کہ یہ حقائق کوئی آواز نہیں کہ ہم سن کر بتا سکیں، کوئی رنگ نہیں کہ ہم دیکھ کر جواب دے سکیں، مادی اجسام نہیں کہ ہم چھو کر فیصلہ کر سکیں۔ یوں انسانی حواس کی عاجزی اور بے بسی پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اخلاقی وروحانی اور اعتقادی ونظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے، وہ پانچوں حواس کی زد سے ماوراء ہیں، تب انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے کہ اے میرے وجود کے لئے سرمایۂ افتخار چیز! میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق مجھے تمام حواس نے مایوس کر دیا اب تو ہی اس سلسلے میں میری رہنمائی کر، مگر عقل بھی اپنے پانچوں حواس باطنی کی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اے انسان! میں تو خود تیرے حواس ظاہری کی محتاج ہوں، جو چیز حواس خمسہ ظاہری کے ادراک میں نہیں آتی اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کر سکتی ہوں۔ اگر ظاہری حواس خاموش ہیں تو میرے باطنی حواس کو بھی بے بس اور مجبور سمجھ! یوں انسان کے ظاہری اور باطنی تمام حواس قطعی طور پر اپنی تنگ دامنی اور بے بسی کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

(۳) لطائف خمسہ :

ان مذکورہ تمام حواس ظاہری وباطنی کے علاوہ اللہ تعالی نے انسان کو ذریعۂ علم کے طور پر ایک اور باطنی سر چشمہ عطا کر رکھا ہے، جسے وجدان کہتے ہیں، وجدان بعض ایسے حقائق کا ادراک کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے جن میں حواس ظاہری وباطنی ناکام رہ جاتے ہیں۔ اور وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، جنہیں لطائف خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۱) لطیفۂ قلب۔

(۲) لطیفۂ روح۔

(۳) لطیفۂ سر۔

(۴) لطیفۂ خفی۔

(۵) لطیفۂ اخفی۔

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، حقائق سے پردے اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں۔ اور انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے کہ جو حواس وعقل کی زد میں نہیں آسکتے، اس حوالے سے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالی لکھتے ہیں کہ:

”ووراء العقل طور آخر، تنفتح فيه عين اخرى، فيبصر بها الغيب وماسيكون فى المستقبل واموراً آخر، العقل معزول عنها“

ترجمۃ : اور عقل کے بعد اور ایک ذریعہ ہے، جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے، اس کے ذریعے اوجھل اور مخفی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر رہتی ہے۔(۱)

وجدان طبیعی کائنات کے بعض مخفی حقائق کا ادراک کرنے پر قادر ہے لیکن وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی وسعتوں سے ماوراء ہیں، جو خدا کی ذات وصفات سے متعلق ہیں، ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم کے سلسلے میں وجدان بھی حواس ظاہری اور حواس باطنی کی طرح قاصر ہے، انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی، ان میں سے ایک ایک کو پکارا، مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ اور کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیت اور قطعیت نہ دے سکا۔ اب ایسے حالات میں انسان خدا کو پکار اٹھتا ہے:

اے ربّ کائنات! میں خود اپنی ذات، اس کائنات اور تیری ذات کو یقینی طور پر سمجھنا چاہتا ہوں، مگر میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں، جو مجھے مطمئن کر سکے۔ اس لئے اس کائنات میں میرے لئے علم کا کوئی ایسا ذریعہ پیدا کر دے، علم کا کوئی ایسا منبع تخلیق کر دے، جو مجھے ان حقائق کے بارے میں آگہی بخش سکے۔ جہاں تمام حواس ناکام ہو جائیں، وہاں اسے پکارا جا سکے، جہاں انسانی عقل حیرہ ہو جائے

(۱) المنقذ من الضلال: ص:۵۴۔

وہاں اس سے مدد کی درخواست کی جا سکے۔ جہاں انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے وہاں اس سر چشمۂ علم سے فیضان کی بھیک مانگی جائے۔

علم نبوت کی ضرورت :

انسان جب پوری طرح اپنی بے بسی، درماندگی، لاعلمی اور کم مائیگی کا اعتراف کر لیتا ہے تو بارگاہ خداوندی سے ندا آتی ہے کہ اے انسان! تو نے اپنے علم اور اپنے ذرائع کی بے بسی کا اعتراف کر لیا، ہم تجھے یہی سمجھانا چاہتے تھے تو کہیں اپنے حواس وعقل اور کشف و وجدان کی بدولت یہ تصور نہ کر بیٹھے کہ میرا علم درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا علم ابھی کائنات کی حقیقتوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا، اسی لئے قرآن کریم میں روح کی حقیقت پر بحث کے دوران ارشاد فرمایا گیا کہ :

((وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)) (۱)

اے انسان! تجھے جس سر چشمۂ علم کی تلاش تھی وہ ہم نے نظام نبوت ورسالت کی صورت میں اس کائنات میں قائم کر دیا ہے۔ جا دروازۂ نبوت ورسالت میں دستک دے، اسی چوکھٹ سے رہنمائی طلب کر، علم نبوت کے فیضان سے یہ تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ علم نبوت اور ہدایت ربانی نے بالآخر انسان پر وہ عظیم احسان کیا ہے کہ جس کی بدولت اس کے شعوری، علمی اور فکری ارتقاء کا سفر اپنی منزل مقصود تک جا پہنچا۔ یہ سب کچھ ربوبیت الٰہی کا پرتو تھا، جس نے انسان کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی شعوری وفکری وعلمی نشوونما کا بھی سامان مہیا کر دیا، ورنہ وہ ہمیشہ ہمیشہ حقیقت مطلقہ سے لاعلمی وجہالت کا شکار رہتا۔ اسی رب کریم کی شان ربوبیت نے اسے سنبھالا دیا، اور اس کا فکر وشعور اپنے ساحل مراد تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس آخری ہدایت کے بغیر انسانی فکر وشعور حسیّت، عقلیت اور تشکیک کے بھنوروں سے نکل کر بالآخر لاادریت کے دامن اعتراف ناکامی کر کے ستانے لگا تھا، اور اس امر کا برملا اعلان کر رہا تھا کہ انسان حقیقت علیا کو نہیں جان اور حسن مطلق کی جلوہ ریزیوں

(۱) سورۃ الاسراء۔۱۷ : ۸۵ ۔

سے شاد کام نہیں ہو سکتا کہ اسے یکا یک ندا سنائی دی۔

((لا تقنطوا من رحمة الله))

تمہاری جبلی، طبعی، حسّی، عقلی، قلبی، اور وجدانی استعداد نے جواب دیا تو کیا ہوا، رب کریم کی رحمت کا دروازہ تو بند نہیں ہوا، آ ہم تم پر اپنی ہدایت کا دروازہ کھولتے ہیں، اور وہ ہے ''باب نبوت'' جس کی دہلیز پر سر تسلیم خم کرنے سے تجھے وحی الٰہی کے نور علم سے یوں منور اور سرفراز کیا جائے گا کہ تیرے فکر وشعور کی ساری منزلیں قیامت تک اسی روشنی میں طے ہوتی رہیں گی۔ اس فیضان نبوت کے ذریعے تیری تمام مایوسیاں ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائیں گی۔ پھر تیرا فکری ارتقاء اس ''علم بالوحی'' کی روشنی میں ہمیشہ صحیح سمت میں اس طرح جاری رہے گا کہ اس میں کبھی تعطل نہ آ سکے گا۔

انسانی زندگی کا فکری وشعوری ارتقاء کے سلسلے میں رب العالمین نے حواس خمسہ ظاہری، عقل کے حواس خمسہ باطنی اور وجدان کے لطائف خمسہ کو پروان چڑھایا اور انہیں حقیقت تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنایا، تاہم جو حقائق ان کی حدود سے ماوراء ہیں ان کے لئے علم بالوحی کی ضرورت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ان حقائق سے آگہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے انسانیت کو ہدایت بخشی ہے۔

دوسرا باب

حضرت مولانا عبدالسّلام ارکانیؒ کے حالات زندگی

ولادت باسعادت :

سرزمین ارکان کے مایۂ ناز فرزند اور گوہر یک دانہ حضرت العلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی کی ولادت باسعادت جنوبی بوسیدنگ کی معروف بستی علی چنگ میں ہوئی۔تاریخ ولادت کے حوالے سے مختلف اقوال ملتے ہیں،جن میں قرین قیاس روایت ہے کہ آپ کا سن ولادت ۱۸۸٦ء ہے۔یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت کو بعض جاننے والے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی جائے پیدائش گودام پارہ یعنی جنوبی بوسیدنگ والے گودام پارہ ہے،لیکن بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ آپ کی جائے پیدائش علی چنگ ہے۔

خاندانی پس منظر :

حضرت العلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ارکان کے حالیہ دارالحکومت اکیاب کی بستی شابک پارہ میں تھا۔شابک پارہ والی بستی اکیاب کی معروف بستی نئی چاکیہ پارہ سے قریب ہے۔حضرت العلام کا دادا جناب مرحوم عبدالعلی رحمہ اللہ تعالی اس وقت کے بعض ناگزیر حالات کے پیش نظر اپنی اولاد واہل عیال سمیت بوسیدنگ کی معروف ومردم خیز بستی علی چنگ آگئے تھے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت کا دادا جناب مرحوم عبدالعلی صاحب نہایت پاک باز اور دین وعلماء پسند انسان تھے،سخاوت وخلق نوازی کے حوالے سے یکتائے روزگار تھے۔اور جہاں بھی جاتے یا رہتے بستے مساجد اور دینی مدرسوں کی تعمیر کرنے میں نہایت خواہش مند تھے۔انہوں نے اپنی اولاد کو دین سے لولگائے رہنے کی تلقین کی تھی۔

حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالسلام ارکانی کے مختصر خاندانی شجرۃ:

عبدالعلی

شاہ صوفی احمد علیؒ ۔ جبار علی ۔ حکیم علی۔ اکبر علی۔ تین بہنیں

حضرت شاہ صوفی علی احمد صاحب کے پانچ فرزند نرینہ تھے:

(۱) شاہ عبدالسلام ارکانیؒ ۔

(۲) ٹھنڈا میاں۔

(۳) ابوالخیر رواسوگری۔

(۴) لال محمد (غنیتہ باپ)۔

(۵) عبدالکریم رواسوگری۔

حضرت العلامۃ مولانا شاہ صوفی عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اس علاقے کے معززترین خاندانوں میں سے ایک ہے،کسی تذکرہ نگار کے کسی بھی تذکرے سے اس خاندان کے علاوہ یہاں کے دیگر خاندانوں کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے۔جتنی باتیں اس خاندان کے حوالے سے یہاں درج ہیں ان میں سے کچھ تو اپنی عینی مشاہدے اور کچھ اس خاندان کے علاوہ اس علاقے کے بعض بزرگوں سے سنی ہوئی روایات پر مبنی ہیں۔جن سے پتہ چلا کہ پانچ کری سوداگر والا یہ خاندان یک گونہ علم وعمل کے رکھوالے ہونے کے علاوہ سخاوت وفیاضی کے اعتبار سے مشہور رہا ہے،جب کہ شرافت ونجابت کے حوالے سے کافی شہرت کا حامل ہے۔جو راقم سطور کا عینی مشاہدہ بھی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ خاندان ایک زمیندار خاندان ہے۔جو عرصہ دراز سے اس پورے علاقے کا حکمران بھی رہا ہے۔دریائے مایو کے ایک شاخ کے مغربی ومشرقی کناروں پر مشتمل ایک بہت بڑا اور طویل وعریض رقبہ اس خاندان کی ملکیت میں تھا۔اس خاندان کے بہتوں سے راقم سطور کا ذاتی تعلق تھا اور ہے۔جن میں حضرت العلام کا حقیقی پوتا جناب مولوی حافظ جعفرالاسلام صاحب زادہ اللہ تعالی حیاۃ طیبۃً قابل ذکر ہیں۔جن سے حضرت مولانا کے تذکرے کے حوالے سے راقم نے کافی استفادہ کیا ہے۔

حضرت العلام کے والد بزرگوار :

حضرت العلّا م کے والد بزرگوار الحاج شاہ صوفی احمد علی رحمۃ اللہ علیہ ایک اہل دل اور صاحب ورع وتقوی بزرگ انسان تھے اور اپنے والد کی طرح ساتھ ہی ساتھ بڑے خلیق وسخی اور خلق خدا سے نہایت محبت کرنے والے بھی تھے۔ زمیندار تھے مگر گویا پوری زمینداری خلق خدا کی خدمت کے لئے وقف تھی، امانت اور دیانت کے حوالے سے پورے علاقے میں معروف ومشہور تھے۔ زمینداری کے علاوہ تجارت پیشہ بھی تھے۔ ویسے حضرت شاہ صوفی احمد علی کو اس علاقے کے لوگ ''پانچکری سوداگر'' کے نام سے جانتے پہنچانتے تھے، اور بہت کم لوگوں کو یہ پتہ تھا کہ ان کا نام احمد علی تھا، بعد میں ان کا نام ''پانچکری سوداگر'' کے خاندان کے نام سے معروف ہوا اور آج بھی اس خاندان کو اسی نام سے جانا پہنچانا جاتا ہے۔

پانچکری سوداگر حضرت شاہ صوفی احمد علی صاحب کے تین بھائی تھے :

(۱) جبار علی مرحوم۔

(۲) حکیم علی مرحوم۔

(۳) اکبر علی مرحوم۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ پانچکری سوداگر جناب شاہ صوفی احمد علی صاحبؒ اور ان کا ایک بھائی گلتا جر باپ بقیہ دونوں بھائیوں سے ناچاک ہوکر علی چنگ سے منتقل ہوکر بستی گودام پارہ جہاں ان کی زمینداری تھی چلے گئے۔ اور ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو چکے تھے۔ موضع گودام پارہ کا کچھ تذکرہ اگلی سطور میں آئے گا۔ یہاں موضع علی چنگ کا کچھ تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اور وہ بھی اس حوالے سے کہ موضع علی چنگ کو سرزمین ارکان میں ایک مردم خیر علاقہ کی حیثیت سے مانا جاتا ہے۔ یہ علاقہ بزرگوں، علماء، درویش اور قوم کے خداموں کا علاقہ ہے، اس علاقے کو بزرگان دین متین اور اولیاء صالحین کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے ارکان کے دیگر علاقوں پر بڑی برتری حاصل ہے، بالآخر اس علاقہ کو یہ سعادت بھی نصیب ہوچکی ہے کہ اسی علاقے میں قطب الارشاد حضرت العلام شاہ صوفی مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی، اگرچہ گودام پارہ بستی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس نے اس سرزمین کی ایک عظیم المرتبت شخصیت کو ہمیشہ کے لئے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ مگر حضرت کی

ولادت باسعادت کے حوالے سے علی چنگ بستی کو یہی زہے نصیبی ہے کہ اس نے اس سرزمین کے اتنے بڑے گوہر یک دانہ کو پیدا کیا ہے۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ حضرت کو جاننے والوں میں بھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ حضرت العلام کی ولادت باسعادت علی چنگ میں ہوئی۔ عام لوگ حضرت العلام کو ''گودام پاروی حضرت پیر صاحب'' کے نام سے جانتے پہنچانتے ہیں۔ علی چنگ کا مزید تعارف راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت العلام کے والد بزرگوار حضرت شاہ صوفی احمد علی معروف بہ پانچکری سوداگر رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان کے اپنے زمانے کے روشن چراغ تھے۔ عالم دین بھی تھے اور عارف باللہ بھی۔ ان کے متعلق ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے کہ آپ سرزمین ارکان کے کسی نامور صاحب نظر بزرگ کے مجاز بیعت تھے۔ مگر دوسری روایت جو معروف بھی ہے اور قرین قیاس بھی کہ آپ رحمۃ اللہ سلسلۂ عالیہ نظامیہ چشتیہ کے نامور بزرگ حضرت شیخ مولانا کریم بخش صاحبؒ (والد بزرگوار حضرت شاہ صوفی حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ) کے مجاز بیعت تھے۔ ان دونوں روایات میں سے جس طرح عرض کی جاچکی ہے کہ راقم السطور کے نزدیک موخر الذکر روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔ قرائن کے علاوہ موخر الذکر روایت میں نے حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسلام ارکانی کے نامور خلفاء ومریدین کے علاوہ اس علاقے کے دیندار، عالم دوست اور اولیاء شناس لوگوں کی زبانی بھی سنی ہے، روایت کے علاوہ حتمی شہادت اگرچہ دستیاب نہیں ہوسکی، البتہ اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے کہ حضرت العلام جناب الحاج صوفی احمد علی صاحب ایک مجاز بیعت بزرگ ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر صاحب نسبت، اوصاف حمیدہ سے متصف، ملت حنفیہ اسلامیہ کے اشاعت کرنے والے اور اس کی ترویج کے بڑے خواہاں بزرگ ترین انسان تھے۔ علاوہ ازیں آپ شرک وبدعات، رسوم مشرکانہ کی اہانت وتذلیل وبیخ کنی میں خصوصی توجہ رکھنے والے تھے۔ آپ کو دنیاوی وجاہت وشان کے علاوہ دولت باطنیہ سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ روایت ہے کہ وطن عزیز ارکان کے دور دراز علاقوں میں عموماً اور اپنے علاقے میں خصوصاً لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا تھا، ویسے پتہ چلتا

ہے کہ آپ علم وعمل، تقوی شعاری اور عبادت گزاری کے اعتبار سے بھی یگانہ روزگار تھے۔ عمر کی آخری سرحد میں آپ نے جلوت سے خلوت کی طرف کوچ کیا، عزلت وگوشہ نشینی کی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور گودام پارہ کی خاک میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ صوفی احمد علی صاحب رحمۃ اللہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کے بطن سے آٹھ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں صرف حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ مرحومہ کے بطن سے آپ سمیت پانچ بیٹے پیدا ہوئے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) جناب مرحوم عبدالکریم رواسوگری صاحب۔

(۲) جناب مرحوم لعل محمد معروف بہ غنیّۃ باپ۔

(۳) حضرت العلامہ شاہ صوفی عبدالسلام صاحب ارکانیؒ (۱)

(۴) جناب مرحوم ابوالخیر رواسوگری سندی پرانگی۔

(۵) جناب مرحوم ٹھنڈا میاں رواسوگری گودام پاروی۔

گودام پارہ :

جہاں تک حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے مدفن بستی گودام پارہ کا تعلق ہے اس کا مختصر اور اجمالی تعارف اتنا سا ہے کہ بستی گودام پارہ بوسیدنگ شہر سے جنوب میں کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر دریائے مایو کے ایک شاخ کے مغربی کنارے آباد ایک قدیمی مسلم بستی ہے۔ جس کے مغرب میں کوہِ مایو کا دوڑتا ہوا بلند وبالا پہاڑی سلسلہ ہے، اسے دیکھنے میں یوں لگتا ہے کہ دریائے مایو کے اس شاخ مغرب کے کنارے کوہِ مایو کے ڈھلوان میں آباد ہے۔ یہ بستی بھی علی چنگ کی طرح قدیم زمانے سے بزرگوں، درویشوں، خداشناس عالموں اور ملک وملت کی راہوں میں مرمٹنے والے مجاہدوں اور سیاست دانوں کی آماج گاہ رہی ہے۔ اس بستی نے الحمدللہ تعالی بہت سے علماء، خدارسیدہ

(۱) یاد رہے کہ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ مرحومہ پانچکری سوداگر کی چھوٹی بیوی تھی۔

درویشان اور خداماں ملک وملت پیدا کئے ہیں۔ جن کی علمی، فکری اور عملی صلاحیت نے اللہ کی اس زمین کو درخشاں رکھا تھا۔ جن کی روشن اور لازوال کوششوں نے اس سرزمین کے ایک بڑے حصے کو ایک حد تک دین متین سے جوڑ کر رکھا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بستی فوجی اور جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے بھی خاص اہمیت کی حامل رہی ہے، ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا کے دوران مجاہدین اسلام ارکان نے اس بستی سے دشمنوں پر گھات لگا کر حملہ کیا تھا۔ حتی کہ اس وقت کے ارکان کے خونخوار مگھ کمشنر بھیٹریا او چوکائن اور اس کے ساتھی مگھوں کو جہنم رسید کر دیا گیا تھا، جس کی ہلاکت سے ایک طرف سے مسلمانوں کا حوصلہ بلند ہوا تو دوسری طرف مگھوں کی ہمت پست ہوگئی تھی۔ اس کمشنر او چوکائن کی ہلاکت دراصل اس وقت مسلمانان ارکان اور مجاہدین اسلام کی سرخ روئی کا پیش خیمہ تھی۔

بستی سندی پرانگ :

چونکہ بستی گودام پارہ کے قریبی علاقے ہونے اور اسی بستی سے معاشرتی وسماجی اعتبار سے قریب ہونے کی وجہ سے بستی سندی پرانگ کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔ جو یہ ہے کہ بستی گودام پارہ کے شمال میں ایک قدیم مسلم بستی صدیوں سے آباد ہے۔ جسے سندی پرانگ کہا جاتا ہے، اس بستی کے تقریبا آخری جنوبی سرا میں ایک بازار بھی آباد ہے۔ جو ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ اور یہ ندی مذکورہ دونوں بستیوں کی حد فاصل بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس بازار کو سندی پرانگ کے قدیم نامور زمین دار خاندان ''مصری باپ کا خاندان'' اور پانچ کری سوداگر کے خاندان نے مل جل کر بسایا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس بازار کے محاصل ان دونوں خاندان کے وارثین میں تقسیم کئے جاتے تھے۔

اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ بستی سندی پرانگ کی معروف ومشہور دینی درس گاہ ''مدرسہ اشاعت العلوم سندی پرانگ'' کی بنیاد بھی ان دونوں خاندانوں نے مل جل کر رکھی تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سندی پرانگ والے زمین دار خاندان کو اس بات سے انکار ہے کہ مذکورہ دینی درس گاہ کی بنیاد وتاسیس میں پانچکری سوداگر کے خاندان کی بھی شرکت تھی۔

سندی پرانگ والی بستی شریفوں، درویشوں، علماء اور خدا مان ملک وملت کی ایک آماجگاہ ہے۔ دور آخر میں اس درس گاہ نے بہت بڑے نامور اساتذہ اور علماء پیدا کئے ہیں۔ آج کل تو ارکان کے دیگر علاقوں کی طرح اس علاقہ اور مخصوص طور پر سندی پرانگ اور گودام پارہ میں آفتیں آئی ہیں۔ یوں دیگر مساجد ومدارس کی طرح یہ مدرسہ بھی بند پڑا ہوا ہے۔

حضرت مولانا کی دینی تعلیم :

حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تعلیم کی ابتدا بستی گودام پارہ میں حضرت کے خاندانی مکتب سے ناظرۂ قرآن کریم سے ہوئی تھی، یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ آپ نے ناظرۂ قرآن کریم کس بزرگ سے کیا تھا۔ ناظرۂ قرآن کریم کے بعد ایک روایت ہے کہ اس مکتب سے کچھ دینی مبادیات بھی سیکھی تھیں، جب کہ دوسری روایت ہے کہ حضرت نے دینیات کی مبادیات اپنے والد گرامی حضرت شاہ صوفی احمد علی رحمۃ اللہ سے پڑھی تھیں۔ بہرحال تھوڑے عرصے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن خداداد کے جوہر پارے کھلنے لگے، چند سال گزرتے نہ گزرتے آپ کے والد گرامی کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی کو دین کے دقیق مسائل کو سمجھنے اور سنگلاخ وخاردار مضامین تک کو پڑھ کر عبور کرنے کا ملکہ ہو چکا ہے، علاوہ ازیں دین کے دقیق مضامین کے تہ میں پہنچ کر ان سے گوہر پارے نکالنے اور انہیں اپنے طور پر سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے کی قدرت حاصل ہو چکی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرح اس زمانے کے بعض علماء واساتذہ کو بھی یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ حضرت مولانا ایک گوہر یک دانہ ہے، چنانچہ ان علماء واساتذہ نے حضرت کے والد بزرگوار کو یہ صلح دیا تھا کہ اس گوہر یک دانہ کو تعلیم کے لئے ہندوستان بھیج دیا جائے۔ بالآخر اساتذہ اور حضرت کے عزم وہمت کو دیکھ کر والد بزرگوار نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے عزیز بچہ اور طالب علم کو ہندوستان بھیج دینا مناسب ہے، چوں کہ زمین دار تھے، مصارف کے حوالے سے ان کو کوئی اور کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی۔ یوں تھوڑی تیاری کے بعد آپ کو اگلی تعلیم کے لئے ہندوستان بھیج دیا گیا۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخلہ وتکمیل :

چوں کہ اس زمانے میں اور بعد میں بھی کلکتہ کی نامور درس گاہ ''مدرسہ عالیہ کلکتہ'' کی علمی وتعلیمی شہرت بڑی عام تھی۔ سرزمین ہندوپاک وبنگلہ دیش کو عموماً اور سرزمین ارکان کو خصوصاً اس دینی وعلمی درس گاہ سے علم کا بڑا فیض ملا۔ اور بعض حیثیت سے اس زمانے میں اس درس گاہ کو علم وفن کا مرکز سمجھا جاتا تھا، ازہر الہند دارالعلوم دیوبند اور مادر علمی وفکری دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فیضان کی وجہ سے آہستے آہستے اس درس گاہ کی شہرت ماند پڑگئی ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ کلکتہ کی اس درس گاہ سے وقت کے بڑے بڑے علماء اور جید اساتذۂ فن پیدا ہوکر نہ صرف بنگال بلکہ سرزمین اسلام ارکان کو بھی علم کی دولت سے نوازا ہے۔

بہرحال حضرت نے اپنے والد بزرگوار کے اشارے پر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخلہ لیا۔ اس حوالے سے بعض بزرگوں نے یہاں تک بتایا ہے کہ حضرت کے والد گرامی کا فیصلہ تھا کہ آپ مدرسہ عالیہ میں داخلہ لیں، اور ان کا یہ فیصلہ دراصل ایک الہامی فیصلہ تھا، جس پر عمل درآمد کرنا حضرت کے والد گرامی کے لئے ضروری ہوگیا تھا، اور آپ نے اس پر عمل کیا۔

الغرض حضرت مولانا شاہ عبدالسّلام ارکانی کلکتے پہنچے اور سیدھا مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ کے ضابطہ کی تعلیم شروع ہوئی اور یہیں سے علوم متداولہ یا درسیات کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب ساتکانوی مولف ''اسرار الاولیاء'' رقم طراز ہیں کہ :

> ''الحاج شاہ صوفی مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ (مولانا عبدالسلام ارکانی) کے والد ماجد ہیں، جو پانچکری سوداگر کے نام سے مشہور تھے، ضلع اکیاب کے بوسیدنگ آپ کا آبائی وطن ہے۔ (مولانا عبدالسلام نے) ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف میں حاصل کی، آپ بڑے زمین دار کے صاحب زادے تھے، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کلکتہ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ اور آخری سند حاصل کرنے تک وہیں رہے''۔ (۱)

حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت حضرت العلام حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی تھے، جن کا تذکرہ اگلی سطور میں انشاءاللہ آرہا ہے۔

جہاں تک پتہ چلا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ صوفی احمد علی صاحب بذات

---

(۱) مولانا عبدالقدوس ساتکانوی، اسرار الاولیاء، ص: ۱۹۰ .

روحانی تربیت وخلافت :

خوداس وقت کے سرزمین ہند کے عظیم شیخ طریقت حضرت الحاج شاہ صوفی حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے روحانی حالات وکمالات سے واقف تھے،اس واقفیت کی دووجہ تھی۔

(۱) ان میں سے ایک یہ کہ چوں کہ ایک روایت کے مطابق حضرت شاہ احمد علی صاحبؒ حضرت حامد رحمۃ اللہ کے والدگرامی حضرت شاہ صوفی کریم بخش کے مرید یا مجاز بیعت تھے۔تو ظاہر ہے کہ حضرت احمد علی کوخانوادۂ کریم بخش کے روحانی حالات وکمالات سے واقفیت کی دل چسپی تھی۔

(۲) جب کہ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چوں کہ شاہ حامد حسین علوی اعظم گڑھی صاحبؒ کی برما وارکان اور ساتھ ہی ساتھ بنگال میں ان کی شہرت سے قبل بھی مسلسل آمد ورفت رہ چکی تھی، اس نسبت سے اپنے شیخ زادے اور وہ بھی ایک باکمال سے ملاقات ہوئی تو ’’ولی راولی می شناسد‘‘ کے اعتبار سے واقف ہوچکے تھے۔

بہرحال جوکچھ بھی ہوکہ ایک روایت کے مطابق اپنے والدگرامی کے ارشادوہدایت کے مطابق حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے دوران حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کی خدمت میں باضابطہ حاضرہوکر بیعت ونسبت سے سرفراز ہوئے تھے۔

جب کہ ایک اورروایت یہ بھی ہے کہ خودمولانا عبدالسلام ارکانیؒ نے کلکتہ میں اپنے طالب علمی کے دوران ایک شیخ کامل کی تلاش کی اوراپنے ذاتی انتخاب کے بعدحضرت شیخ کی خدمت میں حاضرہوکر بیعت ونسبت سے مشرف ہوئے تھے۔اس حوالے سے راقم سطور کے ناقص خیال میں اول الذکر روایت زیادہ قرین قیاس ہے،اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب لکھتے ہیں:

’’ہندوستان کی کسی جگہ پر حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔اوران کے ہاتھوں آپ شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ کو خلافت مل گئی۔اورحضرت کے خلفائے کرام میں آپ سب سے جلیل القدر ہیں‘‘۔(۱)

(۱) مولانا عبدالقدوس،اسرارالاولیاء، ص: ۱۹۲۔۱۹۳۔

بیعت ونسبت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ اپنے شیخ ومرشد کی خدمت میں وقت وقت پر حاضری دےرہے تھے۔ایک طرف علوم متداولہ کی تکمیل ہورہی تھی،جبکہ دوسری طرف تزکیہ واحسان اورتصوف وسلوک کی راہیں طے کرتے ہوئے اکملیت کی طرف قدم بڑھارہے تھے۔بالآخروہ دن آیا کہ آپ ایک طرف مدرسہ سے محقق عالم،فقیہ وکلامی ومفسر ومحدث بن کر نکلے تو دوسری طرف خانقاہ اعظم گڑھ سے حامل مقام ونسبت وحال اورحامل سوز وساز مرشد ومصلح بنے ظاہر ہوئے تھے۔

بحیثیت طالب علم آپ بڑے ذہین وفطین تھے جبکہ بحیثیت مطلوب علم آپ بڑے تیزوتند شیخ طریقت بھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے ملفوظات جوسامنے آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غیرمعمولی ذہانت اور اعلی استعداد کے ایک جلیل القدر عالم دین،اورصاحب سوز وساز شیخ طریقت اور رہنمائے ملّت انسان تھے۔انشاءاللہ تعالی حضرت مولانا کے بعض ملفوظات اگلی سطور میں درج کئے جائیں گے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت وارادت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنے شیخ کی خدمت میں تقریباً بائیس (۲۲) سال گزارے۔اس دوران آپ نے حددرجہ مجاہدہ کیا،اوربطورخاص تعلیم سے فراغت کے بعد راہ سلوک کوتکمیل کرنے میں آپ زیادہ سے زیادہ منہمک ہوگئے تھے۔اورآپ نے اپنے مرشد وشیخ کی خدمت کواپنا حرز جان بنالیا تھا۔آپ کی ریاضت شاقہ اورمحنت ومجاہدہ کے حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب رقم طراز ہیں کہ:

’’آپ کی ریاضت ومجاہدہ کے بارے میں ایک واقعہ قلم بند کردیناہی کافی معلوم ہوتا ہے،وہ واقعہ یہ ہے کہ ساتکانیہ خاگریہ کے جناب محی الدین انسپکٹر صاحب نے آپ (مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ) سے عرض کیا کہ آپ نے کس قدر ریاضت ومجاہدہ کیاہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے کلکتہ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوا،جماعت پنجم میں تھا کہ حضرت اعظم گڑھی کے ہاتھ میں بیعت کی،اورحضرت قبلہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے،فارغ التحصیل کے بعد زیادہ تر اوقات حضرت قبلہ کے ہاں گزارے تھے۔عشاء کی نماز کے بعد وظائف سے فارغ ہوکرحضرت پیر صاحب قبلہ جب مسجد سے روانہ ہوجاتے توا پنی چادرمبارک مجھ پر ڈال کر جاتے تھے،میں ساری رات مراقبہ، مشاہدہ، ریاضت شاقہ اور اطاعت الٰہی میں گزار دیتا تھا۔صبح کی آذان سے

پہلے حضرت قبلہ تشریف لاتے اور مجھ سے فرماتے کہ ''سلام آذان کا وقت ہوا ہے آذان کہہ دو'' اسی طرح میں نے متواتر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ، سبحان اللہ یہ واقعہ ائمۂ مجتہدین اور اولیاء متقدمین کی یاد تازہ کر دیتا ہے ۔ بے شک اسی کا نام ہی تصوف وطریقت ہے، اللہ پاک اپنی روحانی فیوضات سے ہم سب کو نوازے، آمین ''(۱)

غرض حضرت اعظم گڑھی کی روحانی تربیت کے تہ بتہ توفیق خداوندی نے آپ کی زندگی کو علم وعرفان ، زہد ورع ، تقوی وطہارت کا ایک منبع بنا دیا ۔ آپ کی ذات عالی مرتبت میں روحانی رعنائیاں بخشیں ، اور آپ کو تصوف وسلوک ، تزکیہ واحسان کا رمز شناس اور محرم راز بنا کر رکھ دیا ۔ ایک عارف باکمال کی مسلسل خدمت وصحبت اور تعلیم وتربیت نے آپ کی شخصیت کو مواہب لدنیہ کا ایک ابلتا ہوا چشمہ بنا دیا ۔ بالآخر حضرت شیخ نے پہلے سلسلہ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ پھر کیے بعد دیگرے سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ اور قرنیہ کی اجازت عطا کری۔

شجرۂ طیبہ سلسلہ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ :

۱۔ حضرت رسالت مآب سید المرسلین ، رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ
۳۔ حضرت سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ تعالی عنہ
۴۔ حضرت سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ
۵۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت ابوبکر فارمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت ابو یعقوب یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) مولانا عبدالقدوس سا تکانوی، اسرار الاولیاء، ص : ۱۹۰ ۔

۱۱۔ حضرت مولانا عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۔ حضرت محمود ابوالخیر فضوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۔ حضرت علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۔ حضرت بابا محمد سماسی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۔ حضرت امیر سیّد کلاّل رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ
۱۸۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۔ حضرت مولانا زاہد رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۔ حضرت مولانا درویش رحمۃ اللہ علیہ
۲۱۔ حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
۲۴۔ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۵۔ حضرت سید عبداللہ اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ
۲۶۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ
۲۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۸۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۔ حضرت سیدنا امیر المؤمنین سید احمد بن عرفان الشہید رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۔ حضرت صوفی نور محمد چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱۔ حضرت صوفی فتح علی اویسی رحمۃ اللہ علیہ
۳۲۔ حضرت مولانا غلام سلمانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۔ حضرت سید عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔ حضرت الحاج حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

۳۵۔ حضرت الحاج مولانا شاہ صوفی عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ممکنہ شبہ کا ازالہ :

شاید بعض حضرات یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ طریقت وسلوک میں حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ کوئی بدعتی اور خرافاتی سلسلہ ہے، جس طرح برصغیر پاک و ہند اور بنگلا دیش میں خرافاتی اور نام نہاد سلسلوں کی کوئی کمی نہیں ہے، مگر نہیں دراصل اس سلسلے کا تعلق حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید احمد بن عرفان الشہیدؒ کا سلسلہ ہے، جس طرح حضرات علمائے دیوبند اور علمائے دار العلوم ندوۃ العلماء کا سلسلہ ہے، ٹھیک اسی طرح یہ سلسلہ بھی صحیح عقائد، صحیح مسلک ومشرب پر مبنی ہے۔

جس طرح مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت الامام احمد بن عرفان الشہیدؒ تک درمیان میں پانچ حضرات مشائخ پائے جاتے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت امام سید احمد بن عرفان الشہید رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت الامام مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

(۶) حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۷) مفکر اسلام سید ابوالحسن علی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی سے لے کر حضرت الامام احمد بن عرفان الشہیدؒ تک درمیان میں پانچ مشائخ کرام پائے جاتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت امام احمد بن عرفان الشہید رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) حضرت صوفی نور محمد بن فناہ چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت صوفی فتح علی اویسی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت مولانا غلام سلمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت سید عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶) حضرت الحاج حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷) حضرت الحاج مولانا شاہ صوفی عبدالسّلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ۔

تو ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسّلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ اوپر جا کر سید الامام احمد بن عرفان الشہید سے ملتا ہے، جو عقیدہ ومسلک اور مشرب کے اعتبار سے اہل السنّت والجماعت ہے، جو ہر شک وشبہ سے بالاتر بھی ہے۔

یہاں ایک حسن اتفاق کی بات بتادوں کہ مذکورہ بالا دونوں سلسلوں کا تعلق حضرت سید الامام احمد بن عرفان الشہید سے ہے، حضرت سید صاحبؒ کے دو خلفاء۔

(۱) ایک حضرت مولانا نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) دوسرا حضرت صوفی نور محمد بن فناہ چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ۔

دونوں خلفاء کے اسمائے گرامی نور محمد تھے۔ جن دونوں محمد سے دو سلسلوں کا اجراء ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے برصغیر ہند وپاک کو شریعت وطریقت، سلوک ومعرفت، تزکیہ واحسان کے انوار سے منور کیا تو دوسرے نور محمد نے سرزمین ارکان وبنگال کو روشن وتابان کیا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ سے لے کر حضرت الامام سید احمد بن عرفان الشہید تک کے تمام بزرگوں کی سوانح عمریاں اور تذکرے برصغیر میں ہر کہیں پائے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ سے لے کر حضرت سید الشہید تک کے تذکرے اور سوانح عمریاں بہت کم ملتی ہیں، غالبا نہ ملنے کی برابر بھی، تو اب ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ان درمیانی تمام بزرگوں کی سوانح عمریاں یا تذکرے اگر چہ اجمالی طور پر کیوں نہ ہوں یہاں اسی رسالہ میں درج کردوں، تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ سے اوپر سید احمد بن عرفان الشہید تک کے بزرگان دین متین کون تھے، ان کے حالات کیسے تھے۔

اور تو اور حضرت مولانا مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب

رائی پوری سے لے کر حضرت سید احمد بن عرفان الشہید تک سارے بزرگوں کے حالات ساری تفصیلات کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ تو ناقص الخیال راقم سطور اس بات کو ضروری محسوس کرتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی سے لے کر حضرت سید احمد بن عرفان الشہید تک کے درمیانی بزرگوں کے کچھ حالات وکوائف درج کردے۔ جو حاضر خدمت ہیں۔

حضرت امام سید احمد بن عرفان الشہید بنگال میں :

حضرت امام سید احمد بن عرفان الشہید کے حالات یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اس لئے کہ حضرت شہید کے حالات پر مشتمل برصغیر ہند و پاک میں بہت ساری کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور منظر عام پر بھی آ گئی ہیں ۔ راقم سطور کے نزدیک حضرت شہید پر مولانا غلام رسول مہر صاحب کی تصنیف اور ان کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کی تصنیف ''سیرت سید احمد شہید'' ہی کافی ہے۔ البتہ یہاں صرف اور صرف حضرت سید صاحبؒ کی بنگال آمد اور ان کے قدم کی برکت سے اس پورے علاقے میں شریعت وطریقت کا جو پو پھٹا اس کا اجمالی تذکرہ کردینا ضروری محسوس کرتا ہوں۔

یہ ایک عیاں حقیقت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین شہید بالاکوت سید احمد بن عرفان الشہیدؒ تک جتنے بزرگان دین متین اس سلسلے میں موجود ہیں، ان کی سیرت وکردار، تذکرے اور سوانح عمریاں اس دنیائے علم وعرفان کے لئے چراغ راہ بنی ہوئی ہیں۔ راقم سطور کے ناقص علم کے مطابق اس سلسلے میں سب سے بڑی خدمت مفکر اسلام حضرت مولانا، مرشدنا، امامنا سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، حضرت مولانا کی تصانیف میں سے ''نبی رحمت'' تاریخ دعوت وعزیمت، سیرت سید احمد بن عرفان الشہید نے رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سید احمد بن عرفان الشہید تک کے نامور دعاۃ ومرشدین اور حاملین دعوت وعزیمت کی زندگیوں کو محفوظ کردیا ہے۔ تاریخ دعوت عزیمت کا حصۂ چہارم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ء کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور

ماحول، ان کے عظیم تجدیدی وانقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کے بیان پر مشتمل ہے۔ جس میں خود ان کے اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر، اور ان کی اصلاحی وتجدیدی اور تربیتی خدمات کا مفصل بیان ہے۔ پھر تاریخ دعوت وعزیمت کا حصۂ پنجم حضرت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفاء کے حالات پر مشتمل ہے۔ جو درحقیقت ہند وپاک میں احیاء دین متین، اشاعت کتاب وسنت، اسرار مقاصد شریعت کی توضیح وتنقیح، تربیت وارشاد اور ملت اسلامیۃ ہندیہ کے تحفظ اور ملّی تشخص کی بقا کی عہد آفرین کوششوں کی ایک مفصل روداد ہے۔ اسی طرح سلسلۂ تاریخ دعوت وعزیمت کی ایک حیثیت سے آخری دو کڑیاں یعنی سیرت سید احمد شہید کا حصّہ اول ودوم جو حضرت سید صاحب کی مفصل سوانح عمری ہیں اور جو آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے، غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد اسلامی، تنظیم وتجدید اور احیاء خلافت اسلامیہ کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ سید صاحب تک اس سلسلہ کے بزرگان دین حق کی سوانح عمریاں محفوظ ہو چکی ہیں۔ تو جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ سید صاحب کے بعد آنے والے حضرات مصلحین ومرشدین جن کا تعلق ہمارے ممدوح حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی سے ہے، ان کی حیات بابرکات پر اس عجالہ میں ہی سہی کچھ روشنی ڈالی جائے۔ تاکہ ناظرین کو یقین ہو جائے کہ دراصل حضرت صوفی نور محمد چاٹگامی سے لے حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ اور ان کے اخلاف ومتعلقین، منتسبین واحباب بھی اس سلسلہ دعوت وعزیمت کی ایک ایک کڑیاں ہیں۔ اور یہ خلش باقی نہ رہ جائے کہ یہ حضرات کوئی اور سلاسل کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت مولانا سید احمد بن عرفان الشہید کلکتے آئے تو سلہٹ، چاٹگام، اور آسام کے لوگ کشتیوں پر سوار ہو ہو کر کلکتے پہنچے تھے۔ اور سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر سب نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی، جن کی ہم راہ خواتین بھی تھیں۔ اس حوالے سے مفکر اسلام سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت سید احمد شہید حصہ اوّل میں لکھا ہے کہ :

''جب یہ حال سب اپنے اپنے ملک کا بیان کر چکے تو ان میں جو لوگ رئیس اور سر برآوردہ تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت جس طرح ہو سکے آپ ہمارے ملک میں تشریف لے چلیں، اور ہم لوگوں کو گویا از سرِ نو مسلمان بنائیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ ملک بہت وسیع ہے، اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو تمہارے ملک کا دورہ کرتے، اب جہاز کھلنے کا زمانہ قریب آیا، اب زیادہ ٹھہرنا نہیں ہو سکتا، مگر مولوی امام الدین جو سودارام کے رہنے والے ہیں، اور صوفی نو محمد سلہٹی جو کلکتہ میں رہتے ہیں اور تمہارے قریب الوطن ہیں، ان سے کہہ دیں گے، وہ تمہیں ضرور دین کے مسائل کی تعلیم کریں گے، جس مسئلے کی تم کو ضرورت ہو، ان سے پوچھ لیا کرنا، خواہ خط کے ذریعے، خواہ خود آ کر''۔ (۱)

حضرت صوفی نور محمد چاٹگامیؒ :

حضرت صوفی نور محمد بن محمد فناہ رحمۃ اللہ علیہ ضلع چاٹگام بنگلا دیش (یاد رہے کہ سلہٹ کا پورا علاقہ بھی چاٹگام میں داخل تھا) کے مشرقی حصّے میں واقع میر سرائے مقام کی بستی ''ملی پاش'' کے رہنے والے تھے۔ یوں حضرت کے بعض سوانح نگار نے آپ کو سلہٹی اور بعض نے چاٹگامی لکھا ہے، چوں کہ میر سرائے کا علاقہ اب بھی چاٹگام کا حصّہ ہے، تو اس لئے راقم سطور بھی آپ کو چاٹگامی لکھنا مناسب سمجھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت صوفی صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ سید احمد بن عرفان الشہید حال میں کلکتہ مقیم ہیں، ان کی بیعت سے مشرف ہو جاؤ! چنانچہ آپ کلکتہ پہنچے، اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔

جب بعد میں سید صاحب جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے سرحد پہنچے تو حضرت صوفی صاحب بھی آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، وہاں کے مختلف معرکوں میں سید صاحب کے ساتھ رہے، پشاور کی فتح سے قبل ۱۸۳۰ء میں مایار کی جو لڑائی ہوئی اس میں صوفی صاحب اور آپ کے بھائی حاجی چاند بھی

(۱) سیرت سید احمد شہید حصّۂ اول، ص: ۳۳۴۔

شریک تھے، جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ غالبًا معرکۂ بالاکوٹ کے بعد آپ اپنے وطن بنگال واپس آ گئے۔ اور اپنے علاقے میر سرائے کے قریب بمقام ملی پاش پرگنہ نظام پور میں رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا، اس لئے آپ کو بعض حضرات مورخین نظام پوری بھی لکھتے ہیں۔

معرکۂ بالاکوٹ سے واپسی کے بعد حضرت نے اپنی پوری زندگی کو اصلاح عقائد اور معاشرہ کی فلاح و بہبودی اور خوش حالی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور اسی دینی و اصلاحی کاموں میں ہمہ تن مشغول رہتے ہوئے یکم نومبر ۱۸۸۵ میں انتقال فرمایا، آپ پرگنۂ نظام پوری کی بستی ملی پاس میں آسودۂ خاک ہیں۔

حضرت صوفی نور محمد صاحب حضرت سید صاحب سے بیعت سے پہلے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ آپ کے اول مرشد حضرت شیخ زاہد دلونابی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو ضلع نواکھالی کے علاقے بھنی کے رہنے والے تھے، اور صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت شیخ زاہد رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ مجددیہ کے مشہور زمان بزرگ حضرت صوفی محمد دائم رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ تھے، اور صوفی محمد دائم رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ امانت اللہ (معروف بہ امانت شاہ) کے نامور خلیفہ تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ بھی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد ہندی تک پہنچ جاتا ہے۔

چاٹگام میں مغلیہ تہذیب وروایات کے خوگر، نامور فارسی ادیب، مورخ وشاعر جناب حمید الدین خان صاحب جو حضرت نور محمد چاٹگامی کے مرید خاص تھے کی چند تصنیف ملتی ہیں۔

(۱) احادیث الخواتین۔

(۲) گلزار شہادت

(۳) راہ نجات

احادیث الخواتین کا اور ایک نام ''تاریخ حمیدیہ'' بھی ہے، فارسی زبان میں چاٹگام کی ایک مستند تاریخ ہے، جس میں علاقۂ چاٹگام کے نامور علماء، فضلاء اور بزرگان دین کے مفصل حالات وواقعات درج ہیں۔ جس میں حضرت امام الدین رحمۃ اللہ علیہ (جن کا نام پچھلی سطور میں گزر چکا ہے) کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مورخ کے مرشد حضرت صوفی نور محمد چاٹگامی کے حالات بھی درج ہیں، موصوف ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ :

''بفضل الٰہی آں ہمہ رسوم از آں دیار بہ برکت وہدایت ذوات خیر وحسنات حاجی وغازی، زاہد وعالم وفاضل وعابد ومجاہد مولانا امام الدین مرحوم وخلاصۂ اتقیاء وزبدۂ اصفیاء، غازی وحاجی وفاضل وعالم، واورع وزاہد، حضرت پیر ومرشد صوفی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ الا احد اتباع شان برخاستہ آں اقوام بحلیۂ علم وعمل آراستہ شدند وچہ جائیکہ دراں نواحی کسے بے نماز باشند، بلکہ قضا کردن نماز اجہل ایشاں ہم روانمی دارند، وچوں وقت نماز رسد، بہر کاریکہ باشد فی الفور آں را گزاشتہ طہارت کردہ بنماز مشغول می شوند، حتی کہ درعین وقت بازار استادہ مظہر معنی آیت کریمہ۔ **لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلاة،** الآیہ می شوند، وبکسب تحصیل رنج جزائی وعدۂ صادقہ "**ليجزيهم الله احسن ماعملوا ويزيدهم من فضله والله يرزق من يشاء بغير حساب**'، دیگر امور خیر وضرر درآگاہ ہستند، **والحمدلله على ذلك وهو اعلم**''. (۱)

حضرت مولانا صوفی فتح علی اویسی چاٹگامیؒ

حضرت صوفی نور محمد چاٹگامی رحمہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ حضرت مولانا صوفی فتح علی اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت جنوبی چاٹگام کا مردم خیز علاقہ ''ملک سوانگ'' ساتکانیہ چاٹگام ہے۔ ملک سوانگ درگاہ بارہ اولیاء کی سمت جنوب میں کوارٹر میل کے فاصلے پر شاہراہ ارکان سے دیڑھ میل دور آباد ہے۔

آپ کے ابتدائی حالات زندگی سے تاریخ وسوانح کی کتابیں تقریباً خاموش ہیں۔ البتہ مولانا زین العابدین اختری کے بیان کے مطابق آپ نہایت ذکی الطبع اور ذی استعداد اور فہیم انسان تھے، کم سنی میں ہی قرآن کریم کے حفظ کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کے مطالعے سے فارغ ہو چکے تھے۔ بعد ازاں تفسیر وحدیث، فقہ واصول، عقائد وکلام، منطق وفلسفہ، بلاغت وادب عربی وفارسی کی طرف

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، حمید الدین خان، تاریخ حمیدیہ۔

متوجہ ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیت کے ناطے آپ نے ان تمام علوم پر عبور حاصل کرلیا۔ مولانا رحمۃ اللہ کے مجموعہ کلام کا ایک دیوان دریافت ہو چکا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو فارسی زبان وادب محاورات وامثال، بدائع وصنائع پر اہل زبان کے قادر الکلام شعراء کی طرح عبور حاصل تھا۔ فارسی زبان کے اس عجم میں آپ کا دیوان اسلامی ادب کا ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔

متداول تعلیم سے فراغت کے بعد آپ دنیائے سلوک وتصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے والد گرامی کے دوست حضرت مولانا صوفی نور محمد چاٹگامی کے ہاتھ میں بیعت ہوئے، چنانچہ آپ مدت دراز تک شیخ کی خدمت وصحبت میں رہے، بالآخر اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

خلافت واجازت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ نے کچھ دنوں تک سرکاری ملازمت کی، مگر ۱۸۶۸ء کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوگئے، اور زندگی کے بقیہ اٹھارہ انیس سال مسلمانوں کی تعلیم وتلقین اور اصلاح عقائد کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ وارشاد میں گزار دیئے، آخر کار اللہ تعالی کے اس برگزیدہ بندہ نے ۶۱ سال کی عمر میں ۶ ردسمبر ۱۸۸۶ء میں انتقال فرمایا، اور خاک کلکتہ میں مدفون ہوئے (۱)

آپ ایک جلیل القدر عالم دین، عارف باکمال، داعی ومبلغ اور پابند سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ ساتھ غریبوں، یتیموں، بے کسوں اور محتاجوں کے ملجا وماوی تھے۔ حسن عمل واخلاق کا ایک چلتا پھرتا پیکر تھے، اور مرشد کامل وشیخ طریقت بھی۔

شمش العلماء حضرت مولانا شاہ غلام سلمانی عباسیؒ :

صوفی فتح علی اویسی کے نامور خلیفہ حضرت العلامہ شمش العلماء حضرت مولانا شاہ غلام سلمانی عباسی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت فرفرہ شریف ضلع ہوگلی میں ہوئی، آپ کا نسبی تعلق وہاں کے عباسی شیوخ سے تھا۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا غلام ربانی رحمۃ اللہ علیہ عربی وفارسی کے ادیب، جلیل القدر انشاء پرداز اور متبحر عالم دین تھے، اور انگریزی حکومت میں عہدۂ منصبی پر فائز تھے۔

حضرت مولانا شاہ غلام سلمانی عباسی کی ابتدائی تعلیم فرفرہ شریف ضلع ہوگلی میں ہوئی، اعلی تعلیم کے

(۱) اس تاریخ سے پتہ چلا کہ آپ کی ولادت ۱۸۲۵ء میں ہوئی تھی۔

لئے کلکتہ تشریف لے گئے، اور اس زمانے کی شہرۂ آفاق درس گاہ ''مدرسہ عالیہ کلکتہ'' میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ نے تفسیر وحدیث، فقہ واصول، عقائد وکلام، منطق وحکمت، بلاغت وادب عربی وفارسی کی تعلیم پائی، آپ تاریخ اسلام سے خاص دل چسپی رکھتے تھے۔نہایت ذکی وذہین طالب علم تھے۔آپ نے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر استفادہ کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ محسنیہ ہوگلی میں مدرس مقرر ہوئے، ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرس بنے، بعد میں آپ کے موہوبی کمالات اور خدا داد صلاحیات واستعداد کے اعتراف کرتے ہوئے انگریز سرکار نے ۱۹۱۰ء میں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا، اور ۱۹۱۱ء میں مدرسہ محسنیہ ہوگلی کا اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔

متداول نصاب تعلیم سے فراغت کے بعد ہی آپ کا رجحان تصوف وسلوک کی طرف بڑھا، اور سرزمین بنگال کے اس وقت کے نامور شیخ طریقت وبزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا صوفی فتح علی اویسی کے دربار میں حاضر ہوکر بیعت وارادت سے مشرف ہوئے۔آپ عرصۂ دراز تک اپنے مرشد برحق کی خدمت وصحبت سے محظوظ ہوتے رہے، بالآخر تصوف وسلوک کے مدارج طے کرتے ہوئے خلعت اجازت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ کی بقیہ پوری زندگی درس وتدریس، تبلیغ وارشاد، اصلاح معاشرہ، انسداد بدعات وخرافات میں بسر ہوئی، بالآخر اللہ تعالی کے اس داعی بندہ نے ۱۹۱۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، اورفرفرہ شریف میں آسودۂ خاک ہوئے۔

حضرت شاہ سیّد عبدالباری الحسنی والحسینیؒ:

شمس العلماء حضرت مولانا شاہ غلام سلمانی عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ حضرت شاہ سید عبدالباری صاحب الحسنی والحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش موضع بالگڑی ضلع ہوگلی مغربی بنگال میں ہوئی۔آپ کے اجداد میں حضرت محی الدین یا حضرت موسٰی بحیثیت پیش امام پٹھان فوجیوں کی ہم راہ دہلی سے بنگال تشریف لائے تھے۔بعد میں موضع بالگڑی میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔

حضرت سید صاحب کے دادا جان کا نام سید رمضان علی تھا، جن کے تین صاحب زادے تھے۔

(۱) سید اکبر علی۔

(۲) سید شمشیر علی۔

(۳) سید احمد علی۔

موخر الذکر کے تین صاحب زادے تھے، ان میں سے ایک نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا، جبکہ دوسرے سید عبدالباری تھے، جنہوں نے اپنے علم وعرفان سے اس سرزمین کو منور کیا بلکہ اس سید خاندان کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندگی بخش دی۔

حضرت سید عبدالباریؒ ابھی چھ سال کے بچے تھے کہ آپ کے والد گرامی حضرت احمد علی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کی والدہ نے اپنے شوہر کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے بالگڑی سے ہجرت کی اور ہوگلی کا ایک محلّہ ''بالی'' میں جا بسیں۔

سید عبدالباری صاحبؒ بچپن میں اکثر علالت کے شکار رہتے، ایک طرف عمر کی کمی تو دوسری طرف مسلسل علالت کی وجہ سے گھر کی ساری ذمے داریاں والدہ پر آن پڑیں، والدہ چرخے کاٹتیں اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں، چوں کہ حضرت سید کو والدہ کی مسلسل تکالیف ومشقتوں کا شدید احساس تھا، یوں کچھ بڑے ہوئے تو دوسرے لڑکوں کے ساتھ آپ نے اینٹیں دھونی شروع کردی، یوں والدہ کی کچھ مدد ہوئی، اس طرح حضرت نے ہوگلی میں دوسال گزار دیئے تھے۔

اسی دوران آپ کے اندر دینی تعلیم کا شوق موجزن ہوا تو قرآن کریم کی تعلیم کی نیت سے محلّہ بالی کے مرزا نیاز علی صاحب کے یہاں پہنچے، روزانہ مرزا صاحب کے پاس تشریف لے جاتے اور قرآن کریم کی تعلیم ہوتی رہی۔

قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرکے آپ نے ریلوے سروس میں ملازمت اختیار کی، دفتر میں کلرک مقرر ہوئے، اور ذمے داری کو بحسن خوبی نباہتے رہے تھے۔مگر سید صاحب اس ملازمت سے بعد میں مستعفی ہوگئے تھے۔

دوران ملازمت حضرت سید صاحب کا مزاج وطبیعت بدل سی گئی تھی۔محبت الٰہی اور طلب صادق کا غلبہ چھا گیا، یوں ایک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں ہوگئے تھے۔

حضرت سید صاحب کی طلب وجستجو کو دیکھ کر آپ کے استاد مرزا نیاز علی صاحبؒ نے آپ کو ایک شیخ شاہ

نجیب الاسلام کے پاس لے گیا، مرید تو ہوئے مگر بعد میں ان کو شریعت مطہرہ کے پابند نہ پا کر ارادت سے توبہ کرلی تھی۔

حسن اتفاق سے اس وقت کے ایک صاحب نسبت بزرگ حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے والد گرامی حضرت میاں کریم بخش صاحبؒ جو اس وقت سروے انسپکٹر تھے اور کلکتے کی راہ پر ہوگلی کی مسجد میں ٹھرے ہوئے تھے سے حضرت سید صاحب کی ملاقات ہوگئی، میاں صاحب نے آپ کو پاس انفاس کا طریقہ بتایا جس کے بعد سید صاحب گھر لوٹے، اور قلب بفضل خداوندی جاری ہوگیا، دوسرے روز فرط مسرّت سے لبریز ہوکے حاضری دی اور مستقل ارادت کی خواہش ظاہر کردی، اور میاں صاحب بھی حال سننے کے بعد بہت خوش ہوئے، اس کے بعد سید صاحب نے میاں صاحب کو اپنے مکان میں لایا، یہاں خود بھی مرید ہوئے اور چند لوگوں کو بھی مرید کروایا۔

اس کے بعد ہندوستان کے اور ایک نامور بزرگ حضرت مولانا غلام سلمانی، جن کا مختصر تذکرہ ابھی ابھی گزر چکا ہے سے حضرت سید صاحب کی ملاقات ہوئی، مولانا سلمانی اس وقت طریقۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ میں بڑے شہرت یافتہ بزرگ تھے، ان کی نگاہ جب سید صاحب پر پڑی تو اپنی فراست ایمانی اور قوت روحانی سے سید صاحب کے احوال ومقام کو معلوم کرلیا، پھر آپ کے ذوق وشوق کو اندازہ لگا کر حضرت سید صاحب سے فرمایا کہ ''آپ اللہ اللہ کرتے ہیں، آیئے ہم بھی کچھ بتادیں!''۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سید صاحب حضرت غلام سلمانی کے یہاں آنے جانے لگے، بعد میں آپ نے سید صاحب کو باضابطہ طریقۂ عالیہ مجددیہ کی تعلیم دی، اور ایک مدت تک ریاضت ومجاہدہ کرایا، بالآخر خلافت واجازت سے نوازا۔

حضرت سید صاحب کی خلافت واجازت کے حوالے سے ایک بات یہ بھی مشہور ہے اور بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا بھی ہے کہ سید صاحب نے یکے بعد دیگر تمام سلاسل کے تمام بانیوں سے روحانی طور پر خلافت واجازت پائی تھی۔ جن میں سلسلۂ چشتیہ کے پیشوا حضرت خواجہ معین الدین سنجری ثم اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، غوث پاک حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر بزرگان دین متین ہیں،

غرض مذکورہ طریقہ سے حضرت کو سات سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ مجددیہ، قرنیہ، شاذلیہ، سہروردیہ میں تعلیم اور اجازت ملی۔

اللہ تعالیٰ کے اس مخلص درویش بندہ نے خلافت واجازت عطا ہونے کے بعد بھولے بھٹکوں کو راہ راست پر لانے اور بندگان خدا کے قلوب کو نور عرفان وایقان سے بھر دینے میں اپنی بقیہ زندگی صرف کردی تھی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑے متوازن اور سادگی الفطرت انسان تھے۔ حلم وبردباری، انسانیت کا احترام وعزت، متوسلین ومتبعین سے پیار ومحبت اور اخلاص وللّٰہیت کا مجسم تھے، صاحب نسبت بزرگ تھے، ان سے بعض کرامات بھی ظاہر ہوئیں، بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ وقت کے ایک بہت بڑے قطب مدار اور بلند پایہ کے قطب الارشاد تھے۔ مگر آپ نے عمر طبعی بہت کم پائی اور چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور تاریخ سے معلوم ہوا کہ آپ کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہوا، جب کہ آپ کے شیخ ومرشد حضرت مولانا غلام سلمانی عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال آپ کے انتقال کے بارہ سال بعد ہوا۔

صاحب ''اسرار الاولیاء'' حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب نے حضرت سید صاحب کے نامور مریدوں اور خلفاء کے پندرہ نام اپنی کتاب میں درج کیے ہیں، جہاں پندرھویں نمبر پر حضرت مولانا حافظ حامد حسین صاحب علوی اعظم گڑھی کا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت سید صاحب کے خلفاء میں حضرت حافظ صاحب اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحب اعظم گڑھی سب سے نامور تھے۔ اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب رقم طراز ہیں:

> ''حضرت سید صاحب کے وصال کے وقت مریدین ومعتقدین کی تعداد سب مل کر اٹھائیس تھی، وصال کے قریب نجیبن بوا نے پوچھا کہ آپ کے بعد اس کام کو کون جاری رکھے گا؟ تھوڑی دیر تأمل فرمانے کے بعد حضرت مرشد نا حامد حسین صاحب اور مولوی عبدالصمد کا نام لیا، بواصاحبہ نے فرمایا یہ ابھی کم عمر ہیں، اس پر حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ''میں تو ہوں''۔ (۱)

---

(۱) مولانا عبدالقدوس اسرار الاولیاء۔

جہاں تک راقم سطور کے علم کا تعلق ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے ان مذکورہ بالا سلسلوں کو اللہ تعالی نے حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کی ذات وشخصیت کے ذریعے دوام ورونق بخشا ہے، آپ کی ذات عالی مرتبت کی وجہ سے حضرت سید صاحب کا نام برصغیر ہندو پاک کے علاوہ دیگر علاقوں میں بھی روشن ہوا ہے۔

حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ :

شیخ المشائخ حضرت الحاج شاہ حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی بن حضرت مولانا شاہ میاں کریم بخش صاحب کی ولادت ۱۸۷۱ء یا ۱۸۷۲ء میں اعظم گڑھ کی ایک بستی کو ہنڈہ میں ہوئی، حضرت کا سلسلۂ نسب کاکوری کے علوی خاندان سے ملتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے جید حافظ تھے، آپ نے ہدایۃ النحو تک کی تعلیم پائی۔ البتہ بعد میں مطالعہ کا سلسلہ بہت ہی آگے بڑھا۔

حضرت کے والد ماجد کا خاندانی پیشہ زراعت تھا، لیکن میاں صاحب سروے کے انسپکٹر تھے، یوں آپ کو برصغیر کے مختلف علاقوں میں جانا پڑتا تھا، اس سلسلے میں آپ کو سال میں ایک مرتبہ برما اور ارکان میں بھی جانا پڑتا تھا۔

راقم السطور نے چند بزرگوں سے سنا ہے کہ جب میاں صاحبؒ ارکان پہنچتے تو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کے خاندان کے مہمان خصوصی ہوا کرتے تھے، صرف مہمان خصوصی نہیں بلکہ اس خاندان کے علاوہ علاقے کے دیگر خاندانوں اور لوگوں کے مرشد بھی۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے ابھی ہوش سنبھالا ہی تھا تو دیکھا کہ آپ کے گھر میں ہندوستان سے ایک عظیم شیخ آتے ہیں، اور پورے علاقے کو روشن اور تاباں کردیتے ہیں۔ یوں بچپن میں ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں صاحب کی آمدورفت اور خود آپ کے والد گرامی اور اپنے خاندان کے دیگر بزرگوں کی معرفت اور تذکار سے حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے خاندان اور میاں صاحب کی عنایات خداوندی سے خاصے واقف ہو چکے تھے۔ جس نے بعد میں آپ کو اعظم کی طرف رہنمائی کی اور اس اعظم گڑھی خاندان کے عظیم المرتبت شیخ حضرت حامد

حسین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری کی توفیق ہوگئی۔ جن کی تعلیم وتربیت اور انفاس قدسیہ نے آپ کی ذات کو منور اور تاباں کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے واسطے سے وطن عزیز ارکان اور بنگال کے دیگر علاقوں کو بھی نور عرفانی سے تاباں اور درخشاں کردیا تھا۔

یہ بات پچھلی سطور میں گزر چکی ہے کہ حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے نامور والد حضرت میاں کریم بخش صاحب حضرت سید عبدالباری کے مرشد اوّل تھے، سید صاحب سے میاں صاحب کی مذکورہ ملاقات کے کئے سال بعد پھر دوسری مرتبہ اپنے مرید خاص سے ملاقات ہوئی تو میاں صاحب کو حضرت سید صاحب کے احوال ومقامات کا انکشاف ہوا تھا۔ اور چشم باطنی سے دیکھا کہ حضرت سید صاحب بہت ہی بلند مقام پر فائز ہو چکے ہیں۔ اب میاں صاحب نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ اپنے فرزند ارجمند حافظ حامد حسین کو اس عظیم المرتب زرگر کا حوالہ کردیں۔ تو میاں صاحب نے سروے سے واپسی پر آپ کو اپنے ساتھ اپنا وطن لے آیا، اور ارادے کے مطابق اپنے فرزند ارجمند کو سید صاحب کا حوالہ کردیا، اس حوالے سے صاحب ''اسرار الاولیاء'' مولانا عبدالقدوس صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> ''آپ (حضرت حامد حسین علوی اعظم گڑھی) کے والد صاحب جب اپنے دورہ سے واپس ہوئے تو حضرت سید عبدالباری شاہ رحمہ اللہ کو بھی ساتھ لیتے آئے، اور اس اکسیر گر کے حوالے کبریت احمر یعنی مرشدنا کو کردیا۔ حقیقت شناس نگاہ جب صلاحیت واہلیت پر پڑی تو لعل ویاقوت بنانے کے لئے باطن کو گرما گئی، جگمگاتے ہوئے چہرہ اور دمکتے رنگ نے دوستوں کو متوجہ کیا، مولانا عبدالصمد صاحب مرشدنا کے خاص دوستوں میں با اہل شخص تھے، مرشدنا پروارفتگی اور مرشدنا پر فدائیت دیکھ کر پوچھنے لگے کہ کیا کوئی بڑی حقیقت ہے جو آپ پا رہے ہیں؟ مرشدنا نے بتایا کہ وہ جو ہر ہے، جو میری قسمت سے ہاتھ آیا ہے، اور والد صاحب کا بڑا احسان ہے، جنہوں نے ہم سے ملایا، ورنہ میں کہاں اور کہاں یہ آفتاب۔ میری کیا مجال ہے کہ اس کی شرح کروں''۔ (۱)

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء۔

غرض حضرت سید صاحب نے اپنے مرید خاص کو علم وعرفان کے حوالے سے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ حضرت حامد حسین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مرشد کامل پر فدا تھے۔ اپنے کو حضرت سید صاحب کے سامنے فانی اور نیست سمجھتے تھے، اور حضرت سید صاحب بھی رحمت خداوندی اور عنایات الٰہی کے پورے مظہر تھے، تربیت واصلاح میں سنت رسول انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کا بڑا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔ حضرت کی تعلیم وتربیت کا طریقہ توجہ ونسبت کا ہوتا رہتا تھا، جس میں اخفا وجذب اور ارشاد کا رنگ غالب رہتا تھا، حضرت سید صاحب اپنے مرید وتلمیذ خاص کو مقام ادنیت تک کی تعلیم دی، اور خلعت خلافت عطا کر۔

حضرت حافظ صاحب برما کے سفر میں تھے، ایک روایت کے مطابق رنگون کے کسی علاقے میں معلّمی کی خدمت پر مامور تھے، اس دوران حضرت سید صاحب کی شدید علالت کی خبر پہنچی، اور ایک روایت کے مطابق حضرت سید صاحب کی طرف سے خط پہنچا، جس میں کہا گیا تھا کہ حضرت سید صاحب شدید بخار میں مبتلا ہیں، اور چیچک کے دانے نکل آئے ہیں۔ خبر یا خط پہنچتے ہی آپ معلّمی سے مستعفی ہو گئے اور سیدھے وطن کی راہ لی، مگر قدرت الٰہی کو اور منظور تھا کہ حضرت حافظ صاحب کے پہنچنے سے قبل حضرت سید صاحب کا وصال ہو چکا تھا۔

ابھی حضرت حافظ صاحب حواس باختہ تھے، سراسیمہ اور نیم بے ہوش، ایسی حالت مین نجیبن بوانے حضرت حافظ صاحب سے فرمایا کہ خلافت کا سارا بار آپ پر ڈالا گیا ہے، یہ بات کان پڑتے ہی حضرت پر سکتہ اور سراسیمگی کا مزید عالم طاری ہو گیا تھا۔

حضرت سید صاحب کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت حافظ صاحب کا اپنا دادا پیر حضرت مولانا غلام سلمانی عباسیؒ کے دربار میں بار بار آنا جانا ہوا تھا۔ لیکن مزید تعلیم وتربیت کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ اس لئے کہ حضرت غلام سلمانی جانتے تھے کہ حضرت اعظم گڑھی ایک منتہی انسان بن چکے ہیں، یوں انہوں نے مزید تعلیم وتربیت کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اب حضرت حافظ صاحب اپنے مرشد کی طرف سے عاید کردہ ذمے داری کو نباہنے کے لئے نکلے، پہلے اور سب سے پہلے علاقۂ چاٹگام کو انتخاب کیا، جہاں آپ کے والد گرامی حضرت میاں کریم بخش صاحبؒ کے خاصے مریدان اور متعلقین تھے، یہاں اوّل اوّل تو پذیرائی نہیں ہوئی، مگر بعد میں ایسی پذیرائی ہوئی

کہ ہر کجا آپ کے متعلقین ومریدین کا ہجوم نظر آنے لگا تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب نے اپنی تعلیم کو مقام ادنیت سے بھی بلند کر دیا تھا، روایت ہے کہ آپ نے غالبًا ۱۹۳۹ء میں اس مقام عالی سے بھی بلند مراتب کا سراغ لگایا جو مکتوبات سرہندیؒ میں مذکور ہیں، وہ ہیں :

(۱) رجوع الی الخلق مع اللہ۔

(۲) دعوۃ الحق الی اللہ۔

(۳) اکملیت کی نسبتیں۔

چناں چہ مکتوبات سرہندیؒ دفتر دوم مکتوبات نمبر۴۲ میں اس مضمون کو اس طرح لکھا گیا ہے کہ:

''میری تعلیم کا خلاصہ چار سیروں میں ہے، سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر مع اللہ، سیر عن اللہ باللہ''۔(۱)

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق واوصاف کریمانہ کے متعلق مشہور ہے کہ :

(۱) آپ علمائے اسلام کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

(۲) یتیموں، مسکینوں، بیکسوں، رانڈوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

(۳) سنت رسولؐ کے پابند اور سنت پر فدا تھے۔

(۴) تحمل، بردباری، تواضع، خاکساری، ایثار، ہمدردی اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔

(۵) بڑے معتدل المزاج اور وسیع النظر بزرگ تھے۔

(۶) استقامت وحق گوئی آپ کا شیوہ تھا۔

(۷) مومنین کا اکرام واحترام اور وفود وضیوف کی خدمات میں یکتائے روزگار تھے۔

(۸) بدعات وخرافات کے خلاف سخت موقف رکھتے تھے۔

(۹) کسب حلال کی تلقین وتبلیغ واشاعت کے ہر وقت کوشاں تھے۔

(۱۰) اپنے مریدین کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

غرض آپ نے اپنی پوری زندگی علم وعرفان اور تبلیغ واشاعت دین میں صرف کیا اور بالآخر ۱۹۰۹ میں

---

(۱) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر: ۴۲ ۔

داعی اجل کو لبیک کہا، اللہ تعالیٰ ان کی روح مبارک میں باراں رحمت برسائے۔ آمین۔
اب ضروری ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان خلفاء کے دستیاب شدہ اسمائے گرامی یہاں درج کر دیئے جائیں، جن کا تعلق برصغیر ہندو پاک بشمول ارکان سے ہے۔

خلفائے حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ

۱	ڈاکٹر احمد اللہ خان صاحب، دیو بند ضلع سہارنپور، یوپی۔
۲	سید عبدالجلیل صاحب، شاہ پور ضلع، فتح پور۔
۳	شاہ احسن صاحب، یحییٰ پور، الہ آباد۔
۴	محمد سعید صاحب، یحییٰ پور، الہ آباد۔
۵	صوفی عبدالمجید صاحب، برہریا، ضلع اعظم گڑھ
۶	محمد خلیل خان صاحب، برہریا، ضلع اعظم گڑھ
۷	محی الدی خان جمع دار صاحب، برہریا، ضلع اعظم گڑھ
۸	حافظ محمد ظہور صاحب، جلال پور، ضلع فیض آباد۔
۹	عبدالرؤف صاحب، قصبۂ مئو، ضلع اعظم گڑھ۔
۱۰	ولی محمد میاں صاحب، قصبۂ مئو، ضلع اعظم گڑھ۔
۱۲	مولانا عبدالسمیع صاحب، ہورا، ضلع بلیا۔
۱۳	صوفی عبدالستار صاحب، ہفنیاں، ضلع پورنیا۔
۱۴	الحاج احسان صاحب، کھمیاں، ضلع پورنیا۔
۱۵	مولانا محمد شبلی صاحب، بنداؤں،، ضلع اعظم گڑھ۔
۱۶	الحاج مولانا نذیر احمد صاحب، چنوتی، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۱۷	مولانا حافظ محمد منیر صاحب، حوالی شہر، چاٹگام۔
۱۸	مولانا خلیل احمد صاحب، سنواہ، بانسکھالی، چاٹگام۔

۱۹	مولانا فضل الحق صاحب، چنوتی، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۲۰	مولانا فضل الرحمٰن صاحب، کریہ نگر، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۲۱	مولانا شرف الدین صاحب، انوارہ بانسکھالی، چاٹگام۔
۲۲	مولانا مظفر احمد صاحب، منگڈو، اکیاب، ارکان۔
۲۳	مولانا تراب الدین صاحب، منگڈو، اکیاب، ارکان۔
۲۴	مولانا مطیع الرحمٰن صاحب منی بیل، بوسیدنگ، ارکان۔
۲۵	مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی، گودام پارہ، بوسیدنگ۔
۲۶	مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی، گودام پارہ، بوسیدنگ۔
۲۷	مولانا عبیداللہ صاحب، سندی پرانگ، بوسیدنگ، ارکان۔
۲۸	مولانا ولی بخش صاحب، پندو پرانگ، بوسیدنگ، ارکان۔
۲۹	مولانا نذیر احمد صاحب، بلی بازار، منگڈو، ارکان۔
۳۰	مولانا عبدالجبار بن حمید علی صاحب، مولی پارہ، اکیاب، ارکان
۳۱	الحاج حکیم مولانا قاری منیر احمد صاحب، چنوتی، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۳۲	مولانا جمال الدین صاحب، قطب دیا، چاٹگام۔
۳۳	سید حافظ منظور احمد، یحییٰ پور الہ آباد۔
۳۴	مولانا حکیم محمد عمر صاحب، قصبۂ مئو، اعظم گڑھ۔
۳۵	منشی محمد شفیع صاحب، بمبی، انڈیا۔
۳۶	ماسٹر محمد عیسیٰ صاحب، لوکھیت، کراچی، پاکستان۔
۳۷	مولانا محمد سعید خان صاحب، نانوری اعظم گڑھ۔
۳۸	محی الدین صاحب، ہفنیاں، ضلع پورنیا۔
۳۹	مولانا عبدالمجید صاحب، گارنگیہ، ساتکانیہ، چاٹگام۔

۴۰	مولانا عبدالرشید صاحب، گارنگیہ، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۴۱	مولانا عبدالحکیم صاحب، دوہزاری، چاٹگام۔
۴۲	مولانا امام الدین صاحب، کریہ نگر، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۴۳	قاری وجیہ اللہ صاحب، پوٹی بیلہ، ساتکانیہ، چاٹگام۔
۴۴	مولانا عبدالمعبود صاحب، ساتکانیہ، چاٹگام۔

حضرت سلام اپنے مرشد کی نظر میں :

جہاں تک میں نے بزرگوں سے سنا اور بعض رسالے میں پڑھا کہ حضرت مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کا مقام حضرت حافظ صاحب کی نظر میں ان کے دیگر خلفائے کرام سے بہت بلند تھا، یہ تو شاید کہنا ٹھیک نہیں کہ سب سے بلند تھا، مگر یہ ضرور حقیقت پر مبنی ایک بات ہے کہ حضرت سلام رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی پیارے خلیفہ تھے، اور ممدوح حضرت کے خلفاء میں السابقون الاولون کے درجے پر فائز تھے۔ چنانچہ حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس بات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے، لکھتے ہیں کہ :

مخلصین من !...................سلام مسنون۔

خط آیا، حال معلوم ہوا، کریلا کا بیج پہنچ گیا، ظفر الاسلام سلام کہتے ہیں۔ اگر تم کو کچھ پوچھنا ہو تو اپنے اختیار تمیزی سے کام لیا کرو، مجھ سے مت پوچھو، عبد السلام سے اگر ملاقات ہو تو سلام کہنا، ان کا احترام کرنا ، کیوں کہ وہ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ فقط والسلام۔

حامد حسین علوی اعظم گڑھی۔

غرض حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی حضرت اعظم گڑھی کے خلفاء اور منتسبین میں السابقون الاولون کا درجہ رکھتے تھے، اور بہت ہی پیارے خلیفہ تھے۔

حضرت اعظم گڑھیؒ مولانا عبد السلام ارکانیؒ کی دعوت پر چند مرتبہ ارکان تشریف لائے تھے، اور سینکڑوں بندگان خدا جو حضرت ارکانی صاحب کی طرف منسوب تھے، حضرت اعظم گڑھی کی دیدار سے

مشرّف ہوئے، بعض مقامات میں ایسا بھی ہوا تھا کہ بعض لوگ حضرت اعظم گڑھی سے بیعت کی آرزو مند تھے، مگر ارشاد ہوا تھا کہ مجھ سے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں، عبدالسلام موجود ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ، وہ میرا اور میں اس کا ہوں، یہ بات میں نے ایک سے زیادہ حضرات کی زبانی سنی تھی۔

میرا نظیر بے نظیر ہے :

حضرت مولانا اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک اجل خلیفہ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب چنوتوی تھے، حضرت اعظم گڑھی کے خلفاء اور منتسبین آپ کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے، جن کے متعلق حضرت اعظم گڑھی کا ارشاد ہے کہ ''میرا نذیر بے نظیر ہے'' لیکن وہ بھی حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ کی بڑی قدر کرتے تھے، اور زندگی میں آخری توجہ بھی حضرت سے لی تھی، اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب لکھتے ہیں کہ:

'' آپ (مولانا شاہ نذیر احمد صاحب چنوتویؒ) کے انتقال کے دو تین روز پہلے کا ذکر ہے کہ جب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالسلام ارکانی صاحب قبلہ نماز جنازہ پڑھائیں گے، اس وقت آپ یہاں نہیں تھے، شاید یہ دعوت روحانی طور پر تھی، کرامات اولیاء کا کیا کہنا! کہ آپ کے انتقال کے پہلے یکا یک ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے گھر حاضر ہو گئے، اور آپ کی حال پرسی کے بعد توجہ دی، پھر دریافت کیا کہ کیا حال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بلندی میں ایک عمارت دیکھ رہا ہوں، جو بہت ہی خوب صورت ہے، اور اس کی اطراف میں پھولوں کے باغیچے ہیں۔ اس سے ایک لٹکی ہوئی رسی سی چیز نظر آ رہی ہے، اس پر ارکانی صاحب نے فرمایا یہی توجہ جو میں نے دی ہے، اگر یہ ہمارے پیر صاحب قبلہ دیتے تو معلق شئی کا رنگ سنہرا نظر آتا، اور اوپر میں نظر آنے والی عمارت مولی کا خاص دربار ہے، اللہ اللہ کشف کا یہ عالم، تمام حجابات رفع دفع ہو گئے، اور دنیا بھر کے ذرے ذرے نظروں کے سامنے ہو گئے''۔ (۱)

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء۔ ص:۱۸۳۔۱۸۴۔

حسب وصیت حضرت مولانا ارکانی صاحب نے حضرت نذیر بے نظیر کی نماز جنازہ پڑھائی، اور مولانا نذیر احمد صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے لوگوں سے اپیل کی تھی کہ حضرت عبدالمجید صاحب ساتکانویؒ جو حضرت اعظم گڑھی کے اجل خلفاء میں سے تھے اور جو مولانا عبدالسلام ارکانیؒ اور مولانا نذیر احمد چنوتویؒ کے پیر بھائی تھے کی طرف خاص توجہ رکھیں۔

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب چنوتوی نے اپنے انتقال کے وقت اپنے تمام مریدوں کو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کا سپرد کر دیا تھا، حضرت اعظم گڑھی نے یہ بات سنی تو بہت ہی خوش ہوئے تھے دراصل بندگان خدا کی عجیب وغریب حالت ہوتی ہے۔

اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقے میں حضرت اعظم گڑھی کے جتنے خلفاء تھے، ان میں بھی حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانی کا رتبہ بہت بلند تھا، اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب لکھتے ہیں کہ :

> ''چنوتی کے شاہ نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارفانی سے رحلت کرنے سے پہلے اکیاب گودام پارہ کے قطب الاقطاب جناب شاہ مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ سے گزارش کی تھی کہ جناب شاہ عبدالمجید صاحب کی طرف توجہ رکھیں، حضرت پیر صاحب ادام اللہ فیضہ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ اور ارکانی صاحب کے درمیان جو محبت تھی وہ بے مثال ہے، ان کے ساتھ میرا تعلق گہرا ہے۔ اور وہ زمانے کی بے مثال ہستی ہے۔ حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق میرے پاس یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''عبدالسلام کا احترام کرنا، اگر ملاقات ہو تو میرا اسلام کہنا۔'' (۱)

حضرت مجید حضرت سلام کی عزت کرتے تھے :

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ساتکانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعظم گڑھی کے اجل خلفاء میں سے تھے، لیکن حضرت بھی حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانی کے معترف تھے، باوجودیکہ دونوں حضرات مشائخ حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ کے جلیل القدر خلفاء تھے، لیکن حضرت مولانا عبدالمجید

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص: ۲۰۵-۲۰۶۔

صاحب حضرت سلام کو اپنے پر فضیلت دینے میں خود اپنی عزت وشرافت محسوس کرتے تھے، دونوں بزرگوں کے درمیان حسن برتاؤ، محبت اور ہمدردی کا ایک عالم ہوتا تھا، اس حوالے سے مولانا عبد القدوس صاحب رقم طراز ہیں :

> ''حضرت مولانا عبدالمجید ساتکانویؒ فرماتے تھے کہ جبریل امینؑ اور سید الانبیاء کے درمیان جو نسبت تھی، بعینہ وہی احقر اور مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کے درمیان ہے، اکثر تبلیغی طریقت کے سفر میں دونوں حضرات ساتھ ساتھ رہتے تھے، حضور قبلہ (حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ) کی کم سخنی اور کم گوئی، خوش اخلاق اور حسن برتاؤ اور بلند ہمتی عدیم المثال ہے'' (۱)

مولانا عبدالسلام ارکانی صاحب بھی بڑے عجز ونیاز اور تواضع وانکساری کا مظاہرہ کرتے تھے، اور بلند نگاہ سے دیکھتے تھے، دونوں بزرگوں کی آپس کی محبت، خلوص واحترام ایک یادگار چیز بن گیا تھا، دونوں بڑے خلیق اور شرافت ونجابت کے پیکر تھے۔ مولانا عبدالقدوس صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''ساتکانیہ بڑے ہاتیہ میں جناب الحاج حمید الرحمٰن فقیر صاحب کے یہاں قطب الاقطاب الحاج العلامۃ والفہامۃ شاہ مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلقین اور ہمارے پیر صاحب قبلہ (مولانا عبدالمجید صاحب) کے مریدین کے ساتھ تشریف فرما تھے، اسی وقت گارنگیہ اسلامیہ سینئر مدرسہ کا بانی ہمارے پیر صاحب الحاج شاہ صوفی مولانا عبدالمجید صاحب قبلہ بھی تانجان کے ذریعے فقیر موصوف کے یہاں آرہے تھے، ارکانی صاحب ہمارے پیر صاحب کا قبلہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمائے ہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب مرتبہ بڑھ گیا ہے، چلئے ہم ان کو استقبال کرلائیں، ادھر تانجان اٹھانے والوں نے تانجان کے ذریعے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب کو گھر کے صحن تک لے جانا چاہا، تو پیر صاحب قبلہ نے فرمایا کہ تانجان رکھو! وہاں جناب ارکانی

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص: ۲۰۷۔

صاحب موجود ہیں، پیدل جاؤں گا، سبحان اللہ کیا ہی اخلاق، کیا ہی محبت کا کرشمہ، کیا ہی احترام وتعظیم، اخلاص وحسن برتاؤ کی تعلیم، ہمیں اس واقعہ سے نبی صلی للہ علیہ وسلم کا وہی واقعہ یاد آتا ہے کہ نبی صلی للہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا تھا کہ:

"لاتفضلوانی علی یونس بن متی"

'حضرت ارکانی صاحب کا مقولہ بھی اسی طرح کا ہے، یہ حضرت ارکانی صاحب کی عجز وانکساری ہے، دوسرے وقت ساتکانیہ خانقاہ حامدیہ شریف میں حضرت ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جناب پیر صاحب قبلہ دونوں ایک ہی ساتھ رہنے کے ساتھ کسی دعوت میں تشریف لے جارہے تھے، حضرت ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان (مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کا درجہ ہم سے بڑھ گیا ہے، یہ مقولہ حضرت ارکانی صاحب کی عجز وانکساری اور غایت درجہ اخلاص کا ثبوت ہے، واقعی جہاں اخلاص نہیں وہاں کچھ بھی نہیں ہے" (۱)

گلستان عبدالباری کے دو پھول :

حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو متعلقین یعنی حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی اور عبدالمجید صاحب ساتکانوی کو حضرت سید عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے باغ کے دو پھول تصور کرتے تھے۔ جس کا ثبوت حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے ایک فرمان سے ملتا ہے، حضرت نے چاٹگام کے آخری دورہ کے اواخر میں پتنگا ہوائی اڈہ میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا، حضرت نے قاضی سراج المصطفی کو اپنے پاس بلایا اور اس کے سامنے اپنا اس خیال کا اظہار فرمایا تھا۔ تفصیلات مولانا عبدالقدوس صاحب کے قلم میں پڑھیئے :

''چاٹگام کے پتنگا ہوائی اڈہ میں حضرت اعظم گڑھی کا ارشاد مبارک کہ حضرت مرشد نانے

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص: ۳۳۰۔۳۳۱۔

فرمایا کہ آخری دفعہ جب پیر صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پتنگا ہوائی اڈہ میں سب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت حافظ منیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حوالی شہر والے) کا جگر پارہ جناب مولانا قاضی سراج المصطفی کو بلایا، اور ان کو خطاب کرکے فرمایا کہ سراج المصطفی ! کسی کو فرق نہ سمجھنا، سب ایک ہی سلسلہ کا ہے، تفریق حرام ہے، عبدالسلام ہو یا مجید، جتنے میرے متعلقین ہیں، یہ میرے نہیں بلکہ ہمارے شاہ سید عبدالباری کے ہیں۔ ایسا ہی نہ کوئی سلام کا نہ منیر کا، چاٹگام سے چلے جاتا ہوں، خوش رہو' (۱)

مجدد الف ثانیؒ کے در پر حاضری :

جہاں تک معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ جبھی علاقۂ چاٹگام میں تشریف لاتے تھے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ساتکانویؒ کے قریب رہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے اسفار میں بھی دونوں بزرگوں کو ایک ہی ساتھ رہنے کا بہت موقع ملا تھا، ظاہر ہے کہ چاٹگام اور ارکان برصغیر ہند وپاک کی طرح برطانوی قلمرو کے اندر شامل تھے، آمد ورفت اور چلنے پھر میں آج کل کی طرح کوئی قانونی دشواری نہیں تھی، اس لئے حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ اکثر علاقۂ چاٹگام میں تشریف لاتے تھے۔

حضرت مولانا حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ بھی چاٹگام اور ارکان میں آیا کرتے تھے، اور حضرت کے یہ دونوں اجل خلفاء بھی اعظم گڑھ کی حاضری دیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک دفعہ حضرت سلام اور حضرت مجید رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے مرشد کے دربار میں پہنچے، تو مرشد کی جانب سے حکم ملا کہ دونوں سرہند حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس میں حاضری دینے جائیں، تو دونوں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سرہند پہنچے، اور دربار حضرت مجدد الف ثانی میں حاضری دی، اس واقعہ کی قدرے تفصیلات مولانا عبدالقدوس کی تحریر میں پڑھیئے :

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص: ۲۱۳ ۔

’’ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں حضرات سے ارشاد فرمایا کہ عبد السلام اور مجید دونوں امام ربانی مجدد الف ثانی کے مزار مبارک میں تشریف لے جائیں، حضرت پیر صاحب (مولانا عبد المجید) ادام اللہ فیضہ نے اس واقعہ کو ہمارے روبرو تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح بیان فرمایا کہ ہم لوگ جناب پیر صاحب قبلہ کے ارشاد کے مطابق سفر کے لئے تیاری کررہے تھے، اچانک جناب ارکانی صاحب نے فرمایا کہ دعوت کے بغیر کیوں وہاں جائیں؟ نہیں جائیں گے، کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ دعوت مل گئی ہے۔ چلئے! اس کے بعد ہم سرہند پہنچے، ایک رات وہاں ٹھہرنے کے بعد حضرت ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، مجھے جو ملنا تھا مل گیا، اب میں دوسرے علاقے میں شریعت وطریقت کی تبلیغی کام کے لئے جاؤں گا، ان کے اس مقولہ کو سننے کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو ملا کیا ہے؟ حضرت ارکانی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ’’مجھے پھول کا ایک ہار مل گیا ہے‘‘ حضرت پیر صاحب نے ان سے فرمایا کہ جناب! آپ دوسرے علاقے میں تشریف لے جائیں، میں یہاں رہوں گا، اس کے بعد آپ دوپہر کے وقت امام ربانی کے روضۂ اقدس میں زیارت کرنے کے بعد مراقب ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک روشنی ظاہر ہوئی، اور کچھ دیر کے بعد چلی گئی، حضور فرماتے ہیں کہ روضۂ اقدس کے کرنچ میں دیکھتے ہیں کہ ایک بہشت کی حور بیٹھی ہوئی ہے، جو مسکراتی ہوئی اپنی انگلی سے اشارہ کررہی ہے، مسکراہٹ کے وقت اس کے دانت کی تھوڑی سی چمک ظاہر ہوئی تھی، جس سے سورج کی شعائیں بجھ گئیں، اس کے بعد حضرت قیوم ثانی حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے جناب پیر صاحب کو مٹھائیاں کھلائیں۔ حضرت ارکانی صاحب کے دوسرے علاقے سے پھر سرہند تشریف آوری کے بعد حضرت پیر صاحب قبلہ سے خطاب کرکے فرمایا: آپ کو کیا ملا، حضرت مرشد نانے واقعۂ مذکورہ بیان فرمایا تب ارکانی صاحب نے فرمایا ’’ہم تو آپ ہی کے لئے آئے ہیں‘‘۔ (۱)

---

(۱) مولانا عبد القدوس، اسرار الاولیاء، ص: ۲۱۳۔

حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ :

حضرت مولانا شاہ عبد السلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے دومرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کے شرف سے مشرّف ہوئے تھے، مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضرت نے پہلا حج کس سن میں کیا اور دوسرا حج کس سن میں۔ مگر اس کے بعد تیسرا حج کرنے کی بڑی آرزو تھی، لیکن حیات نے یاری نہ کی اور آپ دنیا سے رخصت لے گئے، چنانچہ حضرت کا حقیقی پوتا حافظ جعفر الاسلام صاحب کا کہنا ہے :

> ’’دادا صاحب حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب ارکانی نے دودومرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینۂ منورہ کی سعادت حاصل کی، مگر سوئے قسمتی سے ہم نے نہ حضرت دادا صاحبؒ سے اور نہ کسی خاندانی بزرگ سے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ حضرت نے کس کس سن میں یہ سعادت حاصل کی تھی۔ مگر یقینی بات ہے کہ دومرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے تھے، البتہ عمر کے آخری سالوں میں اور ایک حج اور زیارت مدینہ منورہ کی آرزو کی تھی، مگر حیات نے یاوری نہ کی اور آپ دنیا سے چلے گئے‘‘۔

حضرت سلامؒ کے وسیع تربیتی حلقے :

حضرت مولانا شاہ عبد السلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعلیمی، تبلیغی اور تربیتی حلقوں کو سرزمین ارکان اور چاٹگام تک محدود نہیں رکھا۔ آپ کا حلقۂ اثر ان دونوں علاقوں کے علاوہ ہندوستان اور برما کے بعض علاقوں تک وسیع تھا۔ برما کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ برما کے دورے پر تو کبھی نہیں گئے تھے، لیکن وہاں سے بعض لوگ آپ کے پاس ضرور آئے تھے، چنانچہ ملک برما میں آپ کے بہت سے متعلقین اور ایک سے زیادہ خلفاء بھی موجود تھے۔ چاٹگام کے علاقے میں حضرت کے ہزاروں مریدان اور بہت سے متعلقین وخلفاء موجود تھے۔ تاحال ایک دو خلفاء زندگی کے آخری مراحل سے گزرر ہے ہیں (۱) اور دعوت وارشاد میں سرگرم عمل ہیں۔

---

(۱) یاد رہے کہ زیرنظر معروضات حضرت مولانا عبد السلام ارکانیؒ پر ۲۰۰۱ء میں لکھے گئے تھے، دراں حالیکہ حضرت مولانا حبیب صاحب سابق پرنسپل مدرسہ حکیمیہ چنونی وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا عبد السلام ارکانی حین حیات تھے، ان کے متعلق اگلی سطور میں کچھ گزارشات آرہی ہیں۔ اب اس مقالہ کی نظر ثانی ۲۰۱۵ء میں کرنے کی توفیق ہوئی، مگر حبیب صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ (مؤلف)

مولانا عبدالقدوس صاحبؒ کے بیان سے پتہ چلا کہ حضرت مولانا اعظم گڑھ سے سرہند تشریف لے گئے تھے، تو وہاں سے دوسرے علاقوں میں تبلیغ وتعلیم کے لئے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ آپ کے حلقۂ ارادت نہ صرف ارکان اور بنگال تک محدود تھا بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی آپ نے اپنے علم وعرفان سے لوگوں کو محظوظ ہونے کا موقع دیا۔

ادھر میں نے اپنے ایک سے زائد بزرگوں سے سن رکھا کہ حضرت ارکانی صاحب کی زیارت کے لئے ہندوستان سے ان کے بہت سے متعلقین آیا کرتے تھے، یہ سلسلہ برما میں جمہوری دور تک جاری رہا تھا، لیکن افسوس بعد میں اس کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا ہے۔

ارکان میں حضرت مولانا کے علاوہ بھی حضرت اعظم گڑھی کے اور چند خلفاء تھے، جب کہ دیگر سلاسل کے بزرگوں کے بھی بہت سے خلفائے کرام پائے جاتے تھے، مگر جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ حضرت کے حین حیات میں حضرت کا مقام اپنے تمام معاصرین پر بہت ہی بلند تھا، ارکان میں حضرت مولانا کے پیر بھائیوں اور مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے درج ذیل خلفائے کرام بھی اپنے فیوض وبرکات اور انوار ہدایات سے بزم عرفان کو منور اور تاباں کر رہے تھے۔

(۱) حضرت مولانا مظفر احمد صاحب منگڈو۔

(۲) حضرت مولانا تراب الدین صاحب منگڈو۔

(۳) حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب منی بیل بوسیدنگ۔

(۴) حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندی پرانگ، بوسیدنگ۔

(۵) حضرت مولانا ولی بخش صاحب پندو پرانگ، بوسیدنگ۔

(۶) حضرت مولانا نذیر احمد صاحب بلی بازار، منگڈو۔

(۷) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مولی پارہ، اکیاب۔

مگر ان تمام پیر بھائیوں کے حلقوں میں بھی آپ کے اثرات بہت ہی نمایاں تھے، یہاں تک پتہ چلا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جس علاقے میں پہنچتے وہاں کے چاند ستارے دھیمے پڑ جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ راقم سطور کور باطن ہے، اسے کیا معلوم قطب اور قطب الاقطاب کا کیا معنی، وہ اس کے مطالب وحقیقت سے بالکل ناواقف اور نابلد ہے، لیکن مولانا کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے

کہ آپ قطب الاقطاب تھے، اس کے معانی ومطالب جو کچھ بھی کیوں نہ ہوں، مولانا کی زندگی اور ان کے حالات سے ظاہر ہے کہ آپ سرزمین ارکان کے افق پر ایک چاند تھے، جب تک اس کا اجالا رہا تو دوسرے ستاروں کا چمکنا تو کجا بلکہ ٹمٹمانا تک ختم ہوگیا تھا۔

انکشاف احوال :

مولانا کے سامنے لوگ جھوٹ بول نہیں سکتے تھے، بسا اوقات جھوٹ بولنے والوں کی زبانیں گنگ ہوجاتی تھیں، خاص طور پر آپ سے نسبت لینے والوں کے احوال آپ پر منکشف ہوجاتے تھے۔ اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> ''ایک مرتبہ اعظم گڑھ میں حضرت دادا پیر (حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی) کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا، حال دریافت کرنے کے لئے آپ (مولانا عبد السلامؒ) کو حکم ملا، آپ نے اس شخص کو بلا کر توجہ دی، اور ملاحظہ فرمایا کہ اس کے قلب میں ایک شخص حائل ہے، اور توجہ اثر نہیں کر رہی ہے، نیت کی تبدیلی کے بعد پیر صاحب قبلہ سے تبایا کہ یہ شخص ایک قاتل کا حامی ہے، اور توجہ اثر نہیں کر رہی ہے'' (۱)

مولانا عبدالقدوس اور ایک واقعہ لکھتے ہیں :

> ''ایک دن اور ایک شخص آیا، حکم کے مطابق اس کو بھی توجہ دی گئی، مگر اثر نہیں ہوا تھا، حقیقت معاملہ یوں بتائی گئی کہ اس نے مذاقاً اپنی سالی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا، جس سے اس کے قلب پر داغ پڑ گیا تھا، اور توجہ کا اثر نہیں ہو رہا، اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے اقرار کیا اور واقعہ کی تصدیق کی''۔ (۲)

حضرت مولانا کے متعلق مذکورہ قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہم نے اپنے بعض بزرگوں سے سنے، الغرض لوگوں کے حالات آپ پر منکشف ہوجاتے تھے، باوجودیکہ آپ اپنے حالات کشفیہ کو چھپانے کی کوشش فرماتے تھے، مگر بسا اوقات پھر بھی ظاہر ہوجاتے تھے، اسی طرح خوارق

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص:۱۹۱۔

(۲) مولانا عبدالقدوس، اسرار الاولیاء، ص:۱۹۱۔

عادات اور کرامات کے حوالے سے بھی بہت سارے واقعات سننے میں آئے، آپ کی کرامات میں سے ایک بات ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ جولوگ آپ پر زبان درازی کرتے اور آپ پر اپنی ناپاک زبانیں رنگانے کی کوشش کرتے، ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی تھیں۔

مجھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے مرید خاص حضرت مرحوم جمال حسین صاحب نائن چونگی نے بتایا کہ:

''سردی کا موسم تھا، حضرت مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بادبانی کشتی پر سوار ہوکر چاٹگام جارہے تھے، اب ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا ارکانی صاحبؒ کشتی پر سوار ایک مجذوب قسم کے آدمی کی طرف شوخین نگاہ سے بار بار دیکھ رہے تھے، کچھ دیر کے بعد حضرت نے اپنے ایک ساتھی مرید خاص سے فرمایا کہ جاؤ اور اس مجذوب نما آدمی کو ایک پیالہ چائے کا دے کے آؤ! حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مرید نے ایک چائے کا بھرا ہوا پیالہ لیا اور جا کے اس مجذوب نما آدمی کو دینا چاہا، اس نے دو ایک مرتبہ انکار کے بعد چائے کا پیالہ ہاتھ لیا اور حضرت مولانا ارکانی صاحبؒ کے پاس آکر حضرت کے جسم پر دے مارا، صرف یہی نہیں بلکہ حضرت کو ملامت کرتے ہوئے ایک جگہ جا کر جا بیٹھا، حضرت مولانا اس کی حرکات سے بے زار ہوئے بغیر سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے، دو ایک گھنٹہ سفر کے بعد کشتی جب منزل کو پہنچی تو وہ مجذوب جلدی جلدی سے کہیں نکل گئے، بعد میں مولانا سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ اللہ تعالی کا ایک مقبول بندہ تھا، گم نامی کے پردے سے باہر آنا نہیں چاہتا تھا، میں نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا تو وہ مجذوب مجھ پر ناراض ہو گئے تھے، چوں کہ وہ ایک برگزیدہ بندہ تھا، اس لئے اس کی اس حرکت پر میں خاموش تھا، اس کے بعد بتایا کہ: ع

ولی را ولی می شناسد''۔

ارکان میں اسلام ہمیشہ رہے گا :

کون نہیں جانتا کہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں پر کیا بیت رہا ہے۔ گذشتہ ستر سالوں سے مگھ

اور برمی اوباشوں نے ان کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ آج کل تو دنیا کی طرف سے اس مسئلہ پر نسلی کشی اور جینوسائڈ کا فتوی تک لگ چکا ہے۔ ان تمام تفصیلات سے قطع نظر مدّعا پر آتا ہوں کہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی بھی تو آخر ایک فرد تھے مسلمانان ارکان کے، اور تو اور انہوں نے اپنے جسم کی آنکھوں سے ۱۹۴۲ء کا واقعہ کرب و بلا بھی تو دیکھا، مظالم کے حوالے سے ان پر بھی طرح طرح کی مصیبتیں آئی تھیں، اور ان کو برداہیں کہ: شت بھی کرنا پڑا تھا، ایسے حالات میں حضرت نے اپنی نور بصیرت جسے فراست یا فراست ایمانی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یہاں کے حالات کے پیش نظر چند پیشگوئیاں کیں۔ جسے ہم المؤمن ینظر بنور اللہ پر محمول کر سکتے ہیں۔ ان پیش گوئیوں میں سے ایک پیش گوئی محترم جناب حافظ جعفر الاسلام صاحب قائد تحریک آزادی حضرت بی اے جعفر مرحوم سے روایت کرتے (۱)

''حضرت شاہ عبدالسّلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ جعفر حبیب یاد رکھنا کہ سرزمین ارکان میں اسلام انشاءاللہ تعالی ہمیشہ باقی رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت یہاں سے اسلام کو ختم نہیں کر سکے گی۔ یہاں ایک دن اسلام کا ڈنکا بجے گا، اسلام کا پرچم ضرور یہاں لہرائے گا''۔

آپ کے تبلیغی وتربیتی حلقے:

یوں تو پوری سرزمین ارکان میں آپ کے مریدان و متعلقین و منتسبین ان گنت تھے، لیکن یہاں حضرت کے چند مخصوص تبلیغی و تعلیمی وتربیتی حلقے بھی تھے، جن میں قاضی آباد منگڈو، بلی بازار، نانچونگ اور اس طرح جنوبی بوسیدنگ میں علی چنگ اور سندی پرانگ قابل ذکر بستیاں ہیں۔ اسی طرح شہر اکیاب کی معروف جامع مسجد بھی ان میں شامل ہے۔

اسی طرح حالیہ بنگلہ دیش کے ارکان سے ملے ہوئے سرحدی علاقہ چاٹگام میں آپ کے ایک سے زائد تبلیغی وتربیتی مراکز تھے، جن میں چنوتی اور ساتکانیہ ناقابل فراموش علاقے ہیں۔ حضرت مولانا نے

---

(۱) قائد تحریک آزادی حضرت جعفر حبیب علی چنگی، بوسیدنگی مرحوم کو حضرت مولانا ارکانی صاحبؒ پر بڑی عقیدت تھی، شاید آپ حضرت کے مرید بھی تھے۔ سنا ہوں کہ قائد صاحب حضرت کی مذکورہ پیش گوئی لوگوں کو بار بار بیان کرتے تھے۔

ساتکانیہ شہر میں ''خانقاہ حامدیہ'' کی بنیاد رکھی جو آج کل بھی ماشاء اللہ آباد ہے، ان علاقوں میں آپ نے اپنے سفروں اور تبلیغی دوروں کے ذریعے ہزاروں بندگان خدا کو علم وعرفان کی روشنی سے منور اور تاباں کیا۔ ویسے ان علاقوں میں آج بھی حضرت کے ہزاروں کی تعداد میں مریدان، منتسبین اور متعلقین پائے جاتے ہیں، چنوتی کے علاقے میں راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آج بھی حضرت کے گن گانے والوں اور نام لینے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، خاص طور پر حضرت مولانا کے نامور خلیفہ حضرت العلامۃ مولانا حبیب احمد چنوتویؒ صاحب کی عرفانی وروحانی جہد مسلسل اور ارشاد وتبلیغ کی وجہ سے آج بھی حضرت مولانا پر جان فدا کرنے والوں کی ایک دنیا آباد ہے۔

چند بڑے علماء کی ایک ساتھ بیعت :

حضرت مولانا عبدالقدوس مظاہری، مولانا عقیل احمد قاسمی اور مولانا عبدالمتین صاحب ہتالوی رحمہم اللہ تعالی سرزمین ارکان کے بڑے اور عظیم علماء میں سے تھے، جن کی علمی لیاقت واستعداد سے ارکان کے تقریبًا ہر صاحب علم ودانش واقف ہیں، جنہوں نے اپنی مظلوم قوم وملّت کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیں، مظالم سہے اور ہجرت تک کی۔ تینوں آپس میں دوست تھے، تینوں حضرات مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علومرتبت سے واقف تھے۔ انہوں نے ایک دن آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ہم حضرت ارکانی صاحب سے بیعت ہونے چلیں اور رخت سفر باندھا اور حضرت کی بستی پہنچ گئے۔ اس حوالے سے محترم مولانا نعیم حسین کیاکتوی مقیم حال مکہ مکرمہ حضرت مولانا سید حسین صاحب مرحوم ومدفون کیلوا ربعۃ عشر جدہ سے روایت کرتے ہیں کہ :

> ''مولانا عبدالقدوس مظاہری، مولانا عقیل احمد قاسمی اور مولانا عبدالمتین صاحب مظاہری ہتالوی حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی سے بیعت ہونے کے لئے گودام پارہ پہنچے، موسم برسات کا تھا، انہوں نے حضرت سے ملاقات کی، حضرت مولانا کو حقہ پیتے دیکھ کر ان کے دل میں کچھ خلش سی پیدا ہوگئی تھی، مگر بعد میں ان کو یقین ہوگیا تھا کہ حضرت ارکانی ایک زندہ وتابندہ بزرگ ترین انسان ہیں، پھر انہوں نے حضرت کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور سبق ونسبت حاصل کر کے واپس لوٹے''۔

بعض کشف وکرامات :

حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف وکرامات وخرق عادات بزرگ تھے۔ حضرت کی کرامات اور خوارق عادات کے حوالے سے سینکڑوں کہانیاں اور واقعات اب بھی لوگوں کی زبانی سنے جاتے ہیں۔ جن میں چند واقعات یہ ہیں :

(۱) غالبًا ۱۹۴۶ء کا واقعہ تھا کہ پورے ارکان میں وبا پھیلی ہوئی تھی، دراں حالیکہ حضرت مولانا اپنی بستی گودام پارہ میں مقیم تھے۔ ہر کجا لوگ پریشان حال، سراسیمہ اور ششدر تھے، اور دعاؤں کے لئے آپ کے یہاں لوگوں کا آنا جانا بڑھ گیا تھا، ایک روز آپ نے لوگوں کو تسلّی اور دلاسا دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! ویسے سراسیمہ مت ہو، انشاء اللہ ہماری بستی غضب الٰہی سے محفوظ رہے گی، اس سلسلے میں تذکرہ کرتے ہوئے راقم السطور کو ایک بزرگ نے بتایا کہ مذکورہ ارشاد کے دوسرے روز حضرت مولانا مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے، تقریبًا رات کا آخری حصہ تھا ہم لوگ حضرت کے پیچھے ذکر وشغل میں مشغول تھے، اچانک اللہ اکبر کی آواز دی اور جلدی جلدی لاٹھی مبارک ہاتھ لئے دوڑتے ہوئے بستی گودام پارہ کی شمالی جانب چل دیئے، اب ہم بھی آپ کے پیچھے ہوئے، دیکھتے ہیں کہ بستی کے بالکل آخری شمالی سرا میں دو خوب صورت لڑکیاں بڑی بنی سنوری دوشیزاؤں کے لباس میں ملبوس بستی میں گھس رہی تھیں، اب حضرت ان دونوں لڑکیوں کے آگے کھڑے ہوگئے، اور ان سے مخاطب ہوکر فرمایا ''تم اس بستی میں داخل نہیں ہوسکتیں''، مگر وہ دونوں بستی میں داخل ہونے کی حد سے زیادہ کوشش کر رہی تھیں، اب مولانا کی طبیعت تیز سی ہوگئی، اور جلال میں آگئے، حتی کہ ان دونوں کو مارتے پیٹتے بستی کی مغربی جانب سے بھگاتے ہوئے بستی کے سمت جنوب میں واقع جو نالہ ہے اس کے پار کردیئے، اب ہم دیکھتے ہیں دونوں لڑکیاں بڑی اداسی اور مایوسی کی حالت میں جنوب کی طرف جانے لگیں، اس کے بعد مولانا تقریبًا آدھے گھنٹے ندی کے پار کھڑے رہے، پھر کسی سے بات چیت کئے بغیر مسجد واپس تشریف لے آئے، اس واقعہ کے دوسرے دن سننے میں آیا کہ مذکورہ ندی کے جنوبی پار میں تھوڑے فاصلے پر مگھو ں کی جو بستی تھی، اس میں وبا پھیل گئی، جس کے نتیجے میں سینکڑوں بے دین ''مگھ'' مرگئے، اور بقیہ مگھ بھاگتے ہوئے جانب مشرق چلے گئے تھے۔ آج تک یہ بستی پھر سے نہ بسی اور ویران دسنسان پڑی ہوئی ہے، اس کی ویرانی راقم السطور کے سامنے تھی، بعد میں حضرت سے مذکورہ دونوں لڑکیوں کے بارے

میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ دونوں دراصل شیاطین تھیں، ہماری بستی میں وبا پھیلانے آرہی تھیں، جبکہ ایک روایت ایسی بھی ملی کہ مولانا نے مذکورہ سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ دراصل دونوں لڑکیاں نہ تھیں بلکہ بذات خود وبا تھیں، دوشیزاؤں کی شکل میں بستی گودام پارہ میں گھسنے کی کوشش کی تھیں، بفضلہٖ تعالی بھاگنے پر مجبور ہوگئی تھیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) میرے حقیقی نانا جان مرحوم جناب مفضل احمد صاحب باغگونوی ثم بوسیدنگی کے علاوہ ایک سے زائد حضرات سے یہ واقعہ سنا کہ ۱۹۵۵ء میں ایک رات مجاہدین کی ایک ٹولی جن میں حضرت کے مقام عالی سے نابلد لوگ بھی تھے حضرت کے مکان میں گھس کر چندے کے مطالبہ کر رہی تھی، ان میں سے دو تین آدمی مکان کے اندر گرجتے ہوئے بڑے غصیلے انداز میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے صاحبزادہ گرامی حضرت ماسٹر نورالاسلام صاحب (۱) کو تلاش کرتے ہوئے گھس آئے، ظاہر ہے حضرت مولانا گھر کے اندر تھے لیکن صاحب زادۂ گرامی مارے خوف کے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ہوا یہ کہ یہ تینوں لوگ گھر کے اندر گھسے مگر ہزاروں کوشش کے باوجود کسی بھی طرح گھر سے نکل نہیں پارہے تھے، ان کی آنکھیں آندھی، کان بہرے اور زبانیں گنگ ہوچکی تھیں، بالآخر پاؤں بھی شل سے ہوگئے تھے، حتی کہ ایسے حالات میں صبح ہوگئی تھی۔ اور بقیہ مجاہدین ان تینوں کو تلاش تو کئے مگر ناکام ہوکر ان کو چھوڑے پہاڑ کی طرف چلے گئے تھے۔ اب ان تینوں کو احساس ہوگیا تھا کہ حضرت سے گستاخی اور بے ادبی کے نتیجے میں ان کے ایسے حالات ہوگئے ہیں، اب تینوں حضرت کے قدم پر گر پڑے، بے ادبی و گستاخی سے معافی مانگی، حضرت نے بھی ان تینوں کو کچھ نصیحت کرتے ہوئے معاف کردیا، یوں ان کی گلوخلاصی ہوگئی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مجاہدین حضرت کے مکان کے قریب سے بھی نہیں گزرتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ جبھی انہیں گودام پارہ آنا پڑتا تھا تو وہ لوگ پہلے آپ سے اجازت چاہتے، اجازت ملتی تو گھستے، ورنہ یہاں آنے اور گھسنے کا خیال دل سے نکال دیتے تھے۔

---

(۱) صاحب زادہ گرامی ماسٹر نورالاسلام صاحب کی ولادت ۱۹۱۴ء میں گودام پارہ میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم خاندان کے مکتب میں پائی، مولانا غلام احمد صاحب سے پڑھے، اردو جماعت چہارم تک پڑھی، جبکہ برمیز جماعت ہفتم تک مگھ بستی کے پکوڑا میں حاصل کئے، بڑے جید الفکر اہل اللہ سے لگاؤ رکھنے والے سخی منش تھے، مستعلقی کیفیت سے زندگی گزارے، مرید تو حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی کے تھے اور راہ سلوک میں اعلی منزل تک پہنچے، مگر خلافت حضرت مولانا کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا نورمحمد صاحب خنڈ لی نے دی، آپ نے ۱۹۸۹ء میں گودام پارہ میں انتقال فرمایا۔

سماع وغنا سے نفرت :

مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سماع، غنا اور مزامیر سے حد درجہ متنفر تھے۔ مولانا کے نامور مرید حضرت مولانا نور محمد صاحب خنڈ لی کیوکتوی کے خلیفہ ومجاز بیعت جناب ماسٹر جمال حسین صاحب مرحوم نانچونگی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے فرمایا کہ "ایک روز کا واقعہ تھا، حضرت مرشدنا ومولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاضی آباد میں ایک صاحب ثروت زمین دار کے گھر میں تشریف فرماتھے، جہاں آپ کے درجنوں مریدان، متعلقین ومنتسبین آپ کے گرد جمع تھے، اچانک ان میں سے حضرت کی نگاہ مبارک صدیق مکرّم جناب حبیب اللہ صاحب قوّال جو حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامیو بیلی مجاز بیعت وخلیفہ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سینڈی پرانگی کے مرید خاص تھے پر پڑی، حضرت نے پوچھا کہ تم حبیب اللہ ہو؟ جواب ملا کہ حضرت! ناچیز کا نام حبیب اللہ ہے، پھر فرمایا کہ تم کیا ارشاد حسین کو قوالی، غنا وسماع سے محظوظ کرتے ہو؟ اب حبیب اللہ صاحب مارے خوف کے خاموش ہوگئے، اب حضرت مولانا کھڑے ہوگئے اور حبیب اللہ صاحب سمیت حضرت مولانا ارشاد حسین پر برسنے لگے اور گرجتے ہوئے فرمایا کہ:

---

(۱) حضرت ماسٹر جمال حسین صاحب نانچونگی کی ولادت تقریباً ۱۹۱۵ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی نانچونگ میں ہوئی، قاضی آباد والی اردو اسکول سے جماعت چہارم تک اردو کی تعلیم پائی، آپ مولانا ارکانی رحمۃ اللہ کے مرید خاص تھے، لیکن خلافت مولانا نور محمد خنڈ لی کیوکتوی سے ملی، بڑے لائق وفائق اور عاشق رسولؐ انسان تھے، جہاں تک میں نے دیکھا اور میرا ذاتی مطالعہ ہے کہ عاشق صادق ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے، شرافت ونجابت کے پیکر بڑے عابد وزاہد انسان تھے، راقم سطور کو حضرت سے بڑا لگاؤ تھا، ان سے علمی، فکری، روحانی استفادہ بھی کیا تھا، شاعروں میں اقبال اور غالب کے شیدائی تھے، جہاں تک دیکھا کہ آپ ایک بڑے پائے کے صاحب دل انسان تھے، صاحب کشف تو تھے ہی ان سے خرق عادات وکرامات بھی ظاہر ہوئیں، حضرت کے ساتھ بچپن اور تعلیمی زندگی کے دوران مختلف سفر کئے گئے، سفر وحضر میں حضرت یاد الٰہی میں محو رہتے تھے، ہر حال میں زبان ذکر الٰہی سے لبریز رہتی تھی، بڑے نرم دل، نرم مزاج بزرگ تھے لوگوں کے ساتھ حسن برتاؤ ان کی زندگی کا گویا شیوہ تھا، اخلاق کے پیکر تھے۔ حضرت نے ۱۹۹۰ء میں انتقال فرمایا اور اپنے گاؤں نانچونگ میں مدفون ہیں۔

"تم جیسے لوگوں کی وجہ سے تصوف وسلوک، تزکیہ واحسان کا طریقہ بدنامی
سے دوچار ہورہا ہے، طریقۂ عالیہ مجددیہ میں سماع، غنا، رقص وسرود، قوالی اور
مزامیر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، تم اس سلسلے میں شریک ہوکر حرام سے کوئی پر
ہیز نہیں کررہے ہو"۔

تقریباً نصف گھنٹے تک گرجتے، برستے حبیب صاحب کو ملامت کررہے تھے۔ اب جلال کا حال جمال میں بدل گیا تو حضرت بیٹھ گئے، اور ارشاد ہوا کہ حبیب اللہ تم مجھے ایک شعر بغیر مزامیر کے ایسا سناؤ جیسا تم ارشاد حسین کو سناتے ہو! اب حبیب اللہ صاحب نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی اور کہا :

شعلۂ آہِ رسا سے دائرہ سارا جل گیا
کعبہ میرا جل گیا، بت خانہ میرا جل گیا

اب مصرع ختم ہونا ہی تھا کہ حضرت پر حال طاری ہوگیا، اور گرجتے ہوئے فرمایا کہ حبیب اللہ نے کیا کہا، حبیب اللہ نے کیا کہا؟ اب حبیب اللہ صاحب بھی چھوڑنے والے کب تھے کہ جلتی آگ پر تیل ڈالتے ہوئے مزید چند اشعار پڑھ دیا :

آمدہ بقتل من آں شوخ ستمگارے
ایں طرفہ تماشائی ناکردہ گنہگارے
خواہی کی شفا باشد بیمار محبت را ÷ اک جرعہ خدارا دے از شربت دیدارے
ازلذت دیدارش خسرو چہ تواں گفتم ÷ بے جانم وبے خوابم نادیدرخ یارے
گرنام ونشانے من پرسندہ بگوقاصد ÷ آوارہ مجنونے رسوا سرِ بازارے

شعر ختم ہوا مگر حضرت کا حال ختم ہونے والا نہ تھا، اسی طرح حضرت تقریباً آدھے گھنٹے گرجے، اور ٹہلتے رہے، بالآخر کچھ سکون ہوا تو حضرت بیٹھ گئے تھے۔

اب مجلس میں چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، پھر حضرت نے حبیب اللہ صاحب کو چند مرتبہ شوخیں نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا کہ حبیب اللہ جیسوں کے لئے شعر بغیر مزامیر کے مباح ہے۔

راقم سطور نے حضرت حبیب اللہ قوال صاحب کے متعلق حضرت ماسٹر جمال حسین صاحب مرحوم نانجونگی سے بہت ساری باتیں سن رکھی تھیں، ۱۹۸۴ء کا واقعہ تھا کہ ایک روز کوانچی بنگ شمالی منگڈو

کا معروف مدرسہ اشرف العلوم میں جانا ہوا، سن رکھا تھا کہ حضرت حبیب اللہ قوال صاحب اسی مدرسہ میں مدرس ہیں، برمیز اور انگریزی کے استاد ہیں، وہاں پہنچا تو تلاش کی گئی، اور آپ مل گئے، رات آپ کا مہمان بنا اور آپ نے مجھے بہت ہی پیار دیا، آپ بڑے دریا دل انسان تھے، صاحب حال، صاحب نسبت وسیع الخیال درویش صفت بزرگ تھے، آپ سے میں نے مذکورہ واقعہ پوچھا تو تفصیل سے بتاتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے اہل اللہ تھے، ان جیسے بزرگ آج ملتے کہاں ہیں؟۔

شعر وشاعری کے متعلق سید العرفاء وقدوۃ الصلحاء حضرت نصر بن محمد بن ابراہیم ابواللیث السمرقندی اپنی معروف تصنیف "بستان العارفین میں فرماتے ہیں کہ "بعض حضرات نے شعر خوانی کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے اس کی اجازت دی ہے"۔

کراہت کی دلیل کے طور پر حضرت سمرقندیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث پیش کی ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی پیٹ کا پیپ اور خون سے بھرجانا اس سے بہتر ہے کہ اس میں شعر بھرا ہوا ہو۔ نیز ارشاد ربانی ہے کہ:

والشعراء یتبعهم الغاوون.

امام شعبی فرماتے ہیں کہ لوگ شعر لکھنے سے پہلے بسم الرحمٰن الرحیم کا لکھنا ناپسند جانتے تھے۔ مسروقؒ سے منقول ہے کہ وہ کوئی بیت اگر بطور مثال بھی ذکر کرتے تو اس کو کاٹ کر الگ الگ کردیتے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میری کتاب میں شعر کا ایک بیت بھی لکھا ہوا مل جائے۔

کثیر بن ہشام کہتے ہیں کہ عبدالکریم سے آیت:

ومن الناس من یشتری لهو الحدیث

کے متعلق سوال ہوا تو فرمانے لگے کہ لہوالحدیث سے مراد گیت (گانا) اور شعر ہے۔

حضرت عطا سے منقول ہے کہ ابلیس نے عرض کیا کہ یا اللہ تو نے مجھے جنت سے آدم کی وجہ سے نکال دیا ہے اب میری قیام گاہ کونسی ہوگی، فرمایا حمام پھر اس نے کہا میری مجلس کیا ہوگی، فرمایا: بازار، میں نے کہا میری قرأت کیا ہوگی، فرمایا شعر، اس نے کہا میرا جال کیا ہوگا، فرمایا عورتیں، کہا میری گفتگو کیا ہوگی، فرمایا غیبت اور جھوٹ۔ کہا میری تحریر؟ فرمایا بدن گوندنے کی نشانات۔ اس کے بعد حضرت سمرقندیؒ

نے شعر کے مباح ہونے کی دلیل میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض شعر سراپا حکمت ہوتے ہیں۔ نیز ہشام بن عروۃ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کسی عورت ایسی نہیں دیکھی جو شعر میں طب میں لغت میں اور فقہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہو۔

بعد ازاں حضرت سمرقندی نے چند روایات بھی نقل کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی آیت کی تفسیر جب سمجھ میں نہ آتی ہو تو اشعار میں غور کر لیا کرو۔ کہ شعر عرب کے دیوان ہیں۔

حضرت ابو درداءؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کے سوا تمام انصار شعر کہہ لیتے ہیں، فرمایا میں بھی کہہ لیتا ہوں، اور کئی شعر پڑھے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہؓ پر رحم فرمائے حضور کا ارشاد ہے کہ کسی کا پیٹ پیپ اور خون سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھر جائے، ان اشعار کے متعلق ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو تھی۔

پھر حضرت سمرقندی فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شعر کے متعلق نہی اس وقت ہے جب کہ اس میں اتنا انہماک ہو جائے کہ قرأت قرآن اور ذکر وغیرہ کی پرواہ نہ رہے۔ اور اگر یہ صورت نہ ہو تو حرج نہیں ہے۔

پھر حضرت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اشعار کے بارے میں اختلاف علماء کے مابین ہوا ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ سے کوئی شعر بھی منقول ثابت نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بطور مثال شعر بھی پڑھ لیتے تھے؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ حضور کے نزدیک سب سے مبغوض کلام شعر تھا۔ ہاں ایک بار آپؐ نے ابن قیس بن طرفہ کے بھائی کا شعر مثال کے طور پر پڑھا تو اس کی ترکیب بدل کر شعر کے آخر حصہ کو اوّل کر دیا وہ شعر یہ ہے:

ستبدی لک الأیام ماکنت جاھلاً ÷ ویاتیک بالاخبار من لم تزود

آپ نے دوسرے مصرعہ کو بدل کر ویاتیک من لم تزود بالأخبار پڑھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شعر یوں نہیں ہے، آپ نے جوابًا ارشاد فرمایا کہ میں شاعر نہیں ہوں، اور نہ

ہی شعر میری شایانِ شان ہے۔

پھر بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شعر کہنا جائز اور ثابت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ نے یوم خندق میں یہ شعر پڑھا۔

اللّٰھم لاعیش الا عیش الآخرۃ ÷ فارحم الانصار والمھاجرۃ

انصار نے اس شعر کا جواب دیا:

نحن الذین بایعوا محمدا . علی الجھاد مابقینا ابدًا

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے کدال ماری اور یہ شعر پڑھا :

بسم اللّٰہ وبہ بدینا . ولو عبدن غیرہ شقینا

پھر براء بن عازب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شعر روایت کرتے ہیں :

انا النبی لاکذب . وانا ابن عبد المطلب

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں چلے جا رہے تھے کہ پاؤں پسل گیا، پتھر سے انگلی زخمی ہو کر خون بہنے لگا، اس پر آپؐ نے یہ شعر پڑھا :

ھل انت الاّ اصبع رمیت . وفی سبیل اللہ مالقیت

اس بحث کے آخر میں حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں روایات تو صحیح ہیں۔ تاہم یہ احتمال باقی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر پڑھنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ بلا قصد موزون ہو کر اشعار کے موافق بن گیا۔ نیز یہ ابیات جو آپ سے منقول ہیں یہ از قسم رجز ہیں اور رجز کو شعر کہا نہیں جاتا، وہ ایک قسم کی مقفی عبارت ہی ہوتی ہے۔ (۱)

تبحر علمی اور شخصیت کی دلاویزی

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی بڑے متبحر عالم دین بلند پائے کے مفسر قرآن و محدث و فقیہ

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بستان العارفین ابو اللیث السمرقندیؒ، ترجمہ مولانا عبدالمجید انور، مع حواشی مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ۔

تھے، رشد وہدایت، تبلیغ وتلقین کے علاوہ رہ رہ کر اور وہ بھی ضرورت کی حد تک فقہ وفتوی میں بھی بطور اصلاح معاشرہ حصّہ لیا کرتے تھے۔

حضرت کے جمیع بیانات میں زبان کی حلاوت وشیرینی، طرز ادا میں انکسار وتواضع کے ساتھ رشد وہدایت کا رنگ غالب اور نمایاں رہتا تھا، بات کرنے کا انداز منفرد اور دل چسپ ہوتا تھا، جس میں حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ صادقہ نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ گویا حبّ رسولؐ میں استغراق، اور اطاعت رسولؐ میں انہماک آپ کی زندگی کا شیوہ بن چکا تھا۔

علمی تبحر، خاندانی وجاہت، شخصیت میں جاذبیت، اور طرز حیات میں اتنی دلکش ودلاویزی ہونے کے باوجود بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت نے نہ اپنے حالات خود قلم بند کئے اور نہ کسی کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ غرض آداب واطوار، زہد وورع، قناعت وتوکل، فہم وفراست، انابت ودیانت علمی لیاقت وعرفانی استعداد اور کتاب وسنت کے ذوق عملی کی حیثیت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں اس پورے علاقے کے گل سرسبد تھے۔

فقہ وفتاوی کے حوالے سے بعض مسائل اور وہ بھی معرکۃ الآراء میں اختلاف کرنے والے حضرات علماء وفقہا کے مابین حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حکم ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولانا مظہر الحق صاحب باغگونوی بوسیدنگی مرحوم جن کا تذکرہ راقم السطور کی مخطوطہ ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے'' کی زینت بنا ہوا ہے، ایک بڑے عالم دین، اور فقیہ تھے، وہ بھی مدرسہ عالیہ کلکتہ کے فارغ التحصیل تھے، ان کا بیان ہے کہ :

> میرے ہم عصروں میں پورے علاقۂ بوسیدنگ میں صرف دو تبحر عالم دین ہیں، ان میں سے ایک حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پوئما لوی، جب کہ دوسرے حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی ہیں، مولانا ارکانی افسوس ہے کہ آج ہمارے مابین نہیں ہیں، اللہ تعالی مولانا سلطان احمد کی حیات میں برکت دے، آمین''۔

مولانا مظہر الحق صاحب جید عالم دین ہونے کے علاوہ بھی کوچہ طریقت کے سالک تھے، مگر کم لوگوں کے معترف تھے، مزاج ایسا تھا کہ ان کے سامنے بڑے بڑوں تک کو نمایاں ہونے نہیں دیتے

تھے، مگر ایسے محتاط آدمی بھی ان مذکورہ دونوں بزرگوں کے معترف تھے، ان کا اعتراف اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی صاحب نہ صرف کوچۂ طریقت کے منتہی تھے بلکہ راہ شریعت کے رمز شناس بھی۔

مولانا کے سامنے وقت کے بڑے بڑے جید علماء، فقہ وفتاوی کے شہسواران بھی زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، اسرار شریعت پر مہارت تامہ اور طریقت وسلوک کی رمز شناسی کے حوالے سے حضرت کی ذات وشخصیت علاقہ بھر میں نمایاں اور معروف تھی، قرآن وسنت کی ایسی ایسی تشریح فرماتے تھے کہ مفسرین ومحدثین آپ کی تشریحات پر متحیّر ہوجاتے تھے، اس حوالے سے مولانا عبدالقدوس صاحب نے بہت خوب لکھا ہے، ان کے بیانات سے چند اقتباسات ناظرین کرام کی خدمت میں حاضر ہیں:

> ''ایک مرتبہ چاندگاؤں (چاٹگام) میں (حضرت مولانا عبدالسلام ارکانیؒ) مدعو ہوئے، وہاں اپنے خلیفہ جناب مفضل الرحمٰن صاحب کی زیارت کی، اور راقم الحروف سے دریافت فرمایا کہ ربنا ظلمنا انفسنا الخ جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا، حالانکہ توبہ کرنے والا ایک ہے، جواب عرض کیا کہ مقام تعلیم ہے، اور اس سے غیر وغیب کے حق میں دعا قبول ہوتی ہے، کیونکہ صیغہ جمع علامت ہے قبولیت دعا کی، اور بھی بہت سی تاویلات پیش کیں، آپ نے فرمایا ایسی تو خیر کتابوں میں تحریر کی گئی ہے، لیکن یہاں اعضاء وجوارح مقصود ہیں، جیسے ہاتھ پاؤں، ناک کان اور آنکھ وغیرہ، یعنی اعضائے جسمانیہ سمیت توبہ کرنا مراد ہے''۔ (۱)

مولانا عبدالقدوس صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد مزید سوال کیا گیا کہ قلب کو قلب کیوں کہا جاتا ہے! حاضرین میں سے کسی

(۱) مولانا عبدالقدوس اسرار الاولیاء، ص: ۱۹۱-۱۹۲۔

نے جواب نہیں دیا، بالآخر اس کے جواب میں آپ نے دونوں ہاتھوں کو دراز کیا اور فرمایا کہ قلب جسم کے بالکل بیچ میں ہے اس لئے اسے قلب کہا جاتا ہے، اس سے آپ کی تبحر علمی اور باریک بینی کا پتہ چلتا ہے'' (۱)

مولانا بحیثیت واعظ ومبلغ :

حضرت ماسٹر جمال حسین صاحب نانچونگی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ :

''حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ رہ رہ کر پند ونصیحت بھی کیا کرتے تھے، مگر بہت کم، ان کے مواعظ حسنہ وعرفانیہ عام لوگوں پر عموماً اور بطور خاص مریدین اور متعلقین کے دلوں پر بجلی کی طرح اثر کر جاتے تھے، دلوں کو گرماتے اور روحوں کو تڑپا دیتے تھے، ان کے مواعظ عرفانیہ کے اثرات مدتوں گزر جانے کے باوجود دلوں میں تازہ رہ جاتے تھے، مواعظ کے مضامین بڑے دل نشین اور لوگوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہوا کرتے تھے، پھر جس وقت جس ماحول میں جو بیماریاں علی العموم پھیلی ہوئی ہوتی تھیں، ان کے خلاف حضرت مولانا کی زبان تند وتیز ہوا کرتی تھی، ہر قسم کی ناروا حرکات اور خلاف شرع کاموں اور غلط معتقدات کے خلاف ان کے یہ مواعظ ہوا کرتے تھے، ان کے علاوہ ایک بات یہ ہوتی تھی کہ متعلقین ومریدان جو محفل میں شریک ہوتے وہ مولانا رحمۃ اللہ کے پند ونصائح سے اپنے مجروح دلوں کے مرہم پاتے، اور اپنے اندر پائی جانے والی روحانی بیماریوں کی دوا پاتے، ساتھ ہی ساتھ ان سے بعض پیچیدہ سوالات کے جوابات بھی پا جاتے تھے، زبان کی حلاوت کے ساتھ ساتھ ان کے مواعظ حسنہ میں بڑی دل کشی بھی ہوتی تھی، عام طور پر مضامین توحید خالص اور اخلاق حمیدہ پر مشتمل ہوتے، لوگوں کو ایمان کی تجدید کرانے اور لوگوں کو دینی، ایمانی اور روحانی ذمے داریوں کا احساس دلاتے تھے۔ آپ کے مواعظ دلوں میں ایمان وایقان بھرتے اور ان سے ایک قسم کی

(۱) مولانا عبدالقدوس اسرار الاولیاء، ص:۱۹۱-۱۹۲۔

روحانی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، افسردہ اور مردہ دلوں میں محبت واخلاص کے ساتھ ایک خاص قسم کی رعنائی اور تازگی پیدا ہو جاتی تھی، امراض باطنی اور روحانی علاج کے لئے آپ کے مواعظ حسنہ اکسیر اعظم کا کام دیتے تھے''۔

مقبولیت ورجوع عام :

حضرت مولانا ارکانی رحمۃ اللہ علیہ بنگال اور ارکان میں اپنے زمانے میں محفل عرفانی وروحانی کے نقوش رفتہ تھے، خصوصی طور پر ملت ارکانیہ اسلامیہ کے روحانی ماحول میں آپ کو انفرادیت کا درجہ حاصل رہا تھا، چاٹگام اور ارکان کے روحانی حلقوں میں حضرت کی مقبولیت ہنوز بھی باقی ہے، جس کا بین ثبوت چنوتی اور ساتکانیہ میں دیکھا جا سکتا ہے، غرض آپ کی جلوتیں مخلوق خدا کی رشد وہدایت میں بسر ہوتیں تو خلوتین اور شبانہ روز محنتیں اپنے خالق کی بندگی اور راز ونیاز کی عبادت گزاری، اذکار واوراد ومشاغل میں صرف ہوتی تھیں، ان ساری چیزوں کے علی الرغم آپ کی شخصیت کا اصلی جوہر اور حقیقی اظہار آپ کی دینی اور روحانی سرگرمیوں میں ہے۔

حضرت مرحوم جمال حسین صاحب نانچونگی نے فرمایا کہ حضرت مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری دور میں خاص طور پر ارکان میں رجوع عام کا دور دورہ ہو گیا تھا، لوگوں کو حضرت مولانا کے ساتھ والہانہ عقیدت ہو گئی تھی۔ حضرت ایک جگہ سے دوسری جگہ تشریف لے جاتے تو سینکڑوں بندگان خدا آپ کے پیچھے ہو جاتے تھے، کبھی کبھار اہل طلب کا ہجوم بھی ہو جاتا تھا، آپ اپنے اصلاحی دوروں اور تبلیغی سفروں میں جہاں کہیں بھی جاتے لوگ والہانہ وعقیدت مندانہ طور پر حضرت کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور جو جمع ہوتے ان کی اکثریت شرف بیعت سے مشرف ہوتی تھی، آپ کا اخلاق ایسا تھا کہ رجوع کرنے والوں کو کبھی بھی محروم نہیں کئے جاتے تھے۔ اور جو بھی قریب آتے، اسے اپنے سینے سے لگا لیتے تھے۔

آخری علالت :

یہاں درج ذیل میں حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرض موت، اور وفات

حسرت آیات کے حوالے سے چند روایات نقل کر دیتا ہوں۔

(۱) چنوتی میں حضرت مولانا کے چند متعلقین نے راقم سطور کو بتایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ انتقال کے کچھ دن پہلے چاٹگام میڈیکل ہسپتال میں زیر علاج رہے، پھر وطن واپس چلے گئے تھے، انتقال کے چند مہینے پہلے حضرت کے اندرونی حالات میں بڑی تبدیلی آئی تھی۔ سرود و مستی کی سی حالت و کیفیت طاری رہتی تھی، بعض احوال ظاہر ہو رہے تھے، زبان مبارک سے ایسے ایسے فقرے نکل رہے تھے جو اپنے جلو میں حقائق و معارف کی ایک ایک دنیا سمائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا کے طرز عمل سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ دنیا و فیہا سے بے زار اور محبوب حقیقی کے لقاء کے مشتاق ہو چکے ہیں۔ بڑے منتظر سے معلوم ہو رہے تھے، چہرۂ مبارک آفتاب و ماہتات کی طرح درخشاں ہو گیا تھا۔ ایک قسم کی محویت و کیفیت کے ساتھ آپ میں حال واستغراق کی شان نمایاں ہو چکی تھی۔

(۲) حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کا حقیقی پوتا مکرمی جناب حافظ جعفرالاسلام بن نورالاسلام صاحب کا بیان ہے کہ:

''حضرت دادا مرحوم مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیشاب کی لائن میں آپریشن ہوا تھا، مرض موت کے حالات میں حضرت مولانا برتن میں پیشاب کرتے تھے، ساگ تناول فرمانے سے پیشاب کے مرض میں اضافہ ہو جاتا تھا، وقت رحلت قریب آیا تو اپنوں کو دیکھتے تو بیزاری کی حالت میں ادھر ادھر کی باتیں بکتے تھے، گویا یہ سارے اپنے حضرت کے دشمن ہو گئے ہیں۔ لال چائے کے عادی تھے تو مرض وفات میں لال چائے کی فرمایش کیا کرتے تھے۔ وفات سے پہلے ایک روز کا واقعہ ہے کہ میری والدہ محترمہ حضرت کے پاس آئی تو فرمانے لگے کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ اتنے لوگ ہمارے یہاں آئے اور تم ان کے سامنے آگئی ہو، تو ظاہر ہو رہا تھا کہ حضرت کے استقبال کے لئے اولیاء کبار حضرت کے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وفات حسرت آیات کی صبح حضرت نے فرمایا کہ ''میرا کپڑا بدل دو'' اور حضرت مولانا پالنگ سے اتر گئے، حضرت کی شدت علالت کی خبر عام ہوئی تو مدرسہ اشاعت العلوم سندی پرانگ میں

ختم تہلیل ہو رہا تھا، حضرت نے آخری وقت میں میرے کاندے پر ہاتھ رکھا اور کچھ فرما رہے تھے، مگر زبان سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب (والد محترم حضرت مولانا حافظ مقبول احمد گودام پاروی) حضرت کے سرہانے پر بیٹھے بیٹھے کلمہ توحید کا ورد کر رہے تھے۔ سکرات سے کچھ وقت پہلے میرے والد مرحوم حضرت نورالاسلام صاحب نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کے بعد تعلیم کس سے حاصل کروں؟ جواب ملا مگر کچھ تامل کے بعد کہ مولانا نوراحمد حٹڈلی اور مولانا حبیب چنوتوی سے میرے بعد تعلیم حاصل کرو، اس کے بعد حضرت والد صاحب نے پوچھا کہ قبر مبارک کہاں دی جائے؟ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میری زمینداری کے احاطے میں جو پہاڑ ہے وہاں دینا، مگر کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ مسجد کے پاس قبر دی جائے اس کے بعد کوئی سوال و جواب نہ ہو سکا، اب وقت سکرات قریب آ گیا تھا، ایسے حالات میں دونوں آنکھوں سے تھوڑے پانی نکلے، آپ کی زبان مبارک سے اللہ اللہ کی حرکت محسوس ہو رہی تھی، ایسی حالت میں حضرت اللہ کو پیارے ہو گئے''۔

(۳) مکرمی جناب جعفرالاسلام بن نورالاسلام نے بتایا کہ:

''دادا جان حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ جب چاٹگام میڈیکل ہسپتال میں زیر علاج تھے، اسی دوران حضرت جعفر حبیب رحمۃ اللہ علیہ (صدر روہنگیا فدائیں محاذ (RPF) حضرت کی عیادت کرنے ہسپتال گئے تھے، آپ نے ڈاکٹروں سے حضرت کے حالات پوچھے تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہم نے جہاں تک ممکن ہو سکا آپ کی تشخیص، معالجہ کیا، لیکن جہاں تک ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت کا ویسا کوئی مرض نہیں ہے، الّا یہ کہ ان کا پورا جسم مبارک اللہ اللہ کا ورد اور ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ یہ مجھے خود حضرت جعفر حبیبؒ نے بتایا ہے''۔

وفات حسرت آیات :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے سن پیدائش کے متعلق کچھ اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سن پیدائش ۱۸۹۱ء ہے اور سن وفات تو معلوم ہے کہ ۱۷/جون ۱۹۶۸ء روز دوشنبہ ہے، اس حساب سے حضرت کی عمر شریف ستہتر سال (۷۷) سال بنتی ہے، لیکن حضرت مولانا کا حقیقی پوتا جناب مکرمی حافظ جعفرالاسلام صاحب کا بیان ہے کہ:

> ’’حضرت دادا جان مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیاسی یا تراسی سال کی عمر پائی، اور ظاہر ہے کہ حضرت کی وفات ۱۹۶۸ء میں ہوئی، اس حساب سے حضرت مولانا کا سن پیدائش ۱۸۸۶ء یا ۱۸۸۵ء بنتا ہے‘‘۔

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات پر خانقاہ حامدیہ ساتکانیہ کی دیوار میں ایک قصیدہ ملا ہے، اور یہ قصیدہ خوبخو حضرت کے مرقد مبارک کے سرہانے پر پتھری لوحہ میں بھی ملا ہے، جو حاضر خدمت ہے:

مکین جنت است ہم راز رضواں
شہ عبد السلام بحر عر فا ں

بسال ہشت وشست وصدنوردو ÷ ہفدہ ۱۷ جون دوشنبہ یقیں داں
سن ہشتادوہشت صدسیزدہ بستم ÷ ربیع الاولین شد وصل جاناں
مبارک شہید انوار عر فا ن ÷ مدار طا لبا نِ قرب رحماں
نور دہ پنج و شش در ازماں ÷ اساس خا نقاہ حا مدی داں
خوشا ایں منزل تدریس قرآں ÷ حماہا اللہ از آفات دوراں
سلامیہ شد نامش کہ نبیاں ÷ شدہ عبد السلام بحر عرفاں
نگاہ کیمیا اندا خت ہر آں ÷ بریں عبد المجید مہر تا ہا ں

خانقاہِ حامدیہ سلامیہ ساتکانیہ :

خانقاہ حامدیہ سلامیہ اور اس کے ملحق مدرسہ فرقانیہ اسلامیہ کی سنگ بنیاد حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی، آپ کے مبارک ہاتھوں سے اس کی بنیاد پڑی تھی، الحمدللہ تعالی یہ خانقاہ اور ملحق مدرسہ بڑے آب وتاب سے چل رہا ہے، جس کے متعلق مولانا عبد القدوس مرحوم لکھتے ہیں کہ:

> ’’ساتکانیہ حامدیہ سلامیہ مجیدیہ خانقاہ شریف جس کا خادم الحاج فقیر صدیق احمد صاحب ہیں۔ یہ پہلے ایک معمولی قسم کا گھر تھا، ایک دن آگ سے جل کر راگ ہوگیا تھا۔ آج وہ پختہ دومنزلہ مسجد کے ساتھ فرقانیہ مدرسہ کی شکل میں قائم ہے۔ اس خانقاہ کی اطراف میں باغ باغیچہ اور یہ دوسرے سب سروسامان سے بھری پڑی ہے، لوگ وہاں نماز پڑھنے اور دعائیں مانگنے میں آرام محسوس کرتے ہیں، ہر سال یہاں ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے، جس میں حضرات علمائے کرام مختلف مضامین پر تقریریں کرتے ہیں، اور حضرات اولیائے کرام حاضر ہوتے ہیں، فقیر موصوف کو حضرت مرشدنا مدظلہ العالی نے اس خانقاہ شریف کا خادم مقرر فرمایا، اور حضرت اول صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے ان کو مبارک باددی، کیوں کہ خانقاہ شریف کے متعلق ان کو مختلف مصیبتیں اٹھانی پڑیں، یہ حضرت پیر صاحب قبلہ اور حضرت ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی ہے، جناب حاجی نورالحق صاحب بھی اس خانقاہ شریف کے پر خلوص خدمت میں مصروف ہیں‘‘۔ (۱)

---

(۱) مولانا عبدالقدوس، اسرارالاولیاء، ص : ۱۹۴۔

اولادو :

حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں، اور چار بیٹیاں دو بیٹے تھے۔سلسلۂ نسب کے آخری حصہ سمیت مختصر طور پر درج ذیل شجرہ میں ان کی اولاد کے اسمائے گرامی حاضر خدمت ہیں:

عبدالعلیؒ

حضرت احمد علیؒ (معروف بہ پانچکری سوداگر)

حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) ماسٹر نورالاسلامؒ ۔
(۲) ماسٹر حمیدالاسلام مرحوم ۔
(۳) محمودہ۔
(۴) سیدہ ۔
(۵) فاطمہ۔
(۶) سالمہ۔

(۱) حضرت محترم ماسٹر نورالاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا کی بڑی بیوی کے بطن سے تھے، بڑے پائے کے بزرگ اور سخی انسان تھے، انہوں نے حضرت مولانا سے طریقت کے منازل طے فرمائے ، اور حضرت کی وفات کے قبل پوچھا کہ آپ کی وفات کے بعد کس بزرگ سے تعلیم حاصل کروں گا؟ جواب ملا تھا کہ ارکان میں مولانا نور محمد خنڈ لی کیوکتوی اور چاٹگام میں مولانا حبیب احمد صاحب چنوتوی سے مزید تعلیم حاصل کرو! چنانچہ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد نورالاسلام صاحبؒ نے حضرت مولانا نور محمد خنڈ لیؒ سے رجوع کیا، بالآخر ان سے خلافت پائی ۔

(۲) جناب مرحوم ماسٹر حمیدالاسلام صاحب حضرت کے دوسرے نرینہ بیٹے تھے، انہوں نے بھی حضرت سے تربیت پائی، اور منازل سلوک طے بھی کئے، بڑے آن بان کے آدمی تھے۔سخی اور خدمت

خلق کے حوالے سے علاقہ بھر میں معروف تھے۔اللہ تعالی ان کو بخش دیں۔ آمین۔

(۳) حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی محترمہ محمودہ کی شادی حضرت مولانا سکندر صاحب رائی شنگ پاروی ثم سندی پرانگی سے ہوئی مولانا راقم سطور کے اساتذہ میں شامل ہیں، بڑے پائے کے عالم دین تھے، تادم حیات مدرسہ اشاعت العلوم سندی پرانگ کے مدرس رہے تھے۔ بڑے آن بان کے بزرگ ترین عالم دین اور درویش صفت انسان تھے۔

(۴) حضرت مولانا کی صاحب زادی محترمہ فاطمہ کا نکاح جناب مظفر احمد رنگیا دنگی، بوسیدنگی سے ہوا، ان کے متعلق زیادہ معلومات نہیں حاصل ہوئیں۔

(۵) حضرت کی صاحب زادی سیدہ کا نکاح جناب مرحوم عبدالحمید صاحب رواسوگرمی سندی پرانگی سے ہوا، عبدالحمید صاحب اس علاقے کے زمیندار، حکمران اور صاحب دولت وثروت انسان تھے، فیاض بھی تھے اور خلق خدا سے محبت کرنے والے بھی۔

(۶) محترمہ سالمہ کا نکاح سرزمین کے ارکان کے دور آخر کے ایک جید عالم دین، حضرت شیخ الحدیث مولانا حسین علی دابری چنگی بوسیدنگی رحمۃ اللہ سے ہوا، حضرت مولانا حسین علی صاحب مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ پارہ کے فارغ التحصیل اور وہاں کے مدرس تھے، آپ نے حضرت مولانا شیخ الحدیث عبد السبحان گراخالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھر پور استفادہ کیا، اور حضرت علام مولانا شیخ الحدیث سید الامین منگنماوی سے بھی، بعد میں حضرت مولانا حسین علی صاحب جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ آئے، وہاں کے مہتمم اور شیخ الحدیث بھی رہے، چند مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے، ان سے راقم سطور کی چند مرتبہ ملاقات تھیں، جن میں ایک مرتبہ ڈھاکہ بنگلادیش میں حضرت مولانا مظفر احمد (خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) اور حضرت العلامہ مولانا سید الامین صاحب کی معیت میں رہی، بعد ازاں سرزمین مقدس مکہ المکرّمۃ میں چند مرتبہ اور ملاقاتیں رہیں، مولانا بڑے پائے کے عالم دین، محدث، مفسر، فقیہ، کلامی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے پاکیزہ صفت انسان اور عابد وزاہد تھے، علم النحو والصرف میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے ۲۰۰۷ء میں انتقال فرمایا اللہ تعالی ان کے مرتبہ کو بلند کرے۔ آمین۔

چند نامور خلفائے کرام :

پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ ارکان اور بنگال کے علاوہ برصغیر ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ایک سے زیادہ تبلیغی سفر کر چکے تھے، بعض حضرات کا بیان ہے کہ حضرت کے ایک سے زیادہ خلفاء ہندوستان میں بھی تھے، مگر اس حوالہ سے حتمی طور پر کوئی پتہ نہ چل سکا۔

ارکان کے حالیہ دارالحکومت اکیاب اور منگڈو، بوسیدنگ، راسیدنگ کیا کتو کے علاوہ چاٹگام کے علاقوں میں آپ کے بے شمار مریدین، منتسبین اور متعلقین آج بھی ماشاءاللہ پائے جاتے ہیں، جہاں تک آپ کے خلفاء کا تعلق ہے، ارکان میں نور محمد صاحب خنڈلی کیوکتویؒ چاٹگام میں حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ، حضرت مولانا محمد حضر صاحب پکویؒ اور حضرت مولانا شفیق احمد صاحب چنوتویؒ بڑے شہرت کے حامل بزرگان دین تھے۔ کہتے ہیں کہ ان حضرات کے علاوہ بھی حضرت مولانا کے چند خلفاء تھے، مگر سر دست ان پر مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں ۔ حضرت کے خلفاء میں حضرت مولانا نور محمد صاحب خنڈلیؒ اور حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ نے آپ کے سلسلہ کو بہت رونق بخشا، اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں کے مراتب بلند کریں۔ آمین۔

حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ :

حضرت العلامہ مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ سابق پرنسپل مدرسہ حکیمیہ عالیہ چنوتی ایک عالم، فاضل، فقیہ، کامل بزرگ ترین انسان تھے، آپ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل اور نامور خلیفہ تھے۔ حضرت سے راقم السطور کی چند مرتبہ ملاقات کی توفیق ہوئی ، آپ کو ایک صاحب دل، صاحب نظر، داعی و مرشد برحق پایا، تبلیغ دین اور ارشاد کے حوالے سے آپ کی مساعی جمیلہ انشاءاللہ زندہ و جاوید رہے گی، آپ صاحب ثروت تھے مگر سخی و کریم، اسی طرح شرافت ونجابت کے حوالے سے آپ سلف صالحین کے ایک زندہ نمونہ تھے۔

راقم سطور نے حضرت مولانا حبیب صاحب کے سامنے اپنی دیرینہ آرزو ظاہر کی تھی کہ وہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ پر قلم اٹھانا چاہتا ہے، تو حضرت نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا

، یوں اس نے بڑی کوشش اور پیہم تگ ودو کے بعد حضرت مولانا ارکانی صاحبؒ پر ایک مقالہ زیر قرطاس کیا اور حضرت مولانا کے سامنے پیش کیا، تو حضرت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھایا اور اسے چوما، اور راقم کو دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ رات کو میں اس پر نظر ڈالوں گا۔ پھر اگلے دن مقالہ پر بعض ہلکے سے ملاحظات کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ آپ کو حضرت ارکانی صاحب پر تفصیل سے لکھنے کی توفیق دے، اور تم اسے تیار کرلو، انشاءاللہ طباعت کی ساری ذمے داری میری ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ یہ نوبت نہیں آئی، اور حضرت مولانا اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب خنڈلیؒ :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کے جلیل القدر خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا نومحمد صاحب خنڈل کیوکتوی کی پیدائش خنڈل کیوکتو (ارکان) میں ہوئی۔ خاندانی طور پر صاحب ثروت بزرگ تھے۔ اللہ تعالی نے باطنی نعمت کے ساتھ ظاہری دولت بھی عطا کی، بڑے سخی وشریف انسان تھے۔

مولانا ایک جلیل القدر عالم دین اور وقت کے شیخ کامل تھے، مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی سے بیعت کی، اور طویل مجاہدہ اور خدمت شیخ کے بعد خلافت سے نوازے گئے۔

جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے کہ مولانا حضرت ارکانی صاحب کے ان دو خلفاء میں سے ایک تھے، جنہیں مولانا ارکانی کے انتقال کے بعد جانشین مانا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک مولانا حبیب احمد چنوتویؒ تھے اور دوسرا حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ تھے۔

حضرت مولانا ارکانی صاحب مولانا نور محمد صاحب کے گھر خنڈل میں چند مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔ جہاں بہت سارے لوگ حضرت کے خلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ مولانا ارکانی کے زمانے سے مولانا نور محمد صاحب کے فتوحات شروع ہوئے تھے۔ بعد میں اس میں بڑی وسعت ہوئی، ارکان اور برما خصوصًا رنگون کے علاقوں میں ان کی بڑی شہرت رہی تھی۔

حضرت حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ اور آخر کار مدینۃ الرسولؐ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہیں۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا نور محمد خنڈلی صاحب سرزمین ارکان کے عظیم قومی

وتاریخی شاعر حضرت شاہ صوفی علاول رحمۃ اللہ کے خاندان کے چشم وچراغ تھے۔اس حوالے سے تفصیلات راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے'' میں لکھی گئی ہیں۔

حضرت کے چند نامور خلفاء :

کہتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی کے ارکان اور بنگال میں چالیس سے زائد خلفائے کرام ہیں، جن میں سے چند بزرگ یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا شفیق احمد صاحب چنوتوی۔

(۲) حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب بانسکھالوی۔

(۳) حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قطب دیاوی۔

(۴) حضرت مولانا بدیع الرحمٰن صاحب ارکانی ثم نہلوی۔

(۵) حضرت مولانا سیف الدین صاحب صدیقی چنوتوی۔

(۶) حضرت مولانا محمد خضر صاحب پکوی، چکریا۔

(۷) حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتوی۔

(۸) حضرت مولانا نور محمد صاحب ختڈ لی ارکانی۔

(۹) حضرت مولانا رشید احمد صاحب، ساک فورا، بوال خالوی۔

(۱۰) حضرت مولانا مفضل الرحمٰن صاحب چاند گاؤں، چاٹگامی۔

(۱۱) حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب چنوتوی۔

(۱۲) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب نائکان چری۔

(۱۳) صوفی صدیق احمد صاحب، ساتکانوی۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب، تیزگاؤں، ڈھاکہ۔

تیسرا باب

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اوراد واشغال

لفظ نقشبند کی وجہ تسمیہ :

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی لکھتے ہیں کہ:

''اس عاجز کو بخارا جانے کا موقع ملا تو وہاں کے ایک بڑے شیخ سے عاجز نے سوال کیا کہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ علیہ، لیکن ان کا نام ''نقشبند'' کے طور پر مشہور ہوگیا تھا۔ ہمارا سلسلہ اس سے پہلے صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے چلا تھا تو صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا، مگر خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بعد نقشبند کا نام ہی مشہور ہوگیا۔ تو ان کو نقشبند کیوں کہتے ہیں؟ بعض کتابوں میں تو لکھا ہوا ہے کہ وہ کپڑے کے اوپر پرنٹ (Print) کرتے تھے۔ جیسے آج کل پھول بوٹے ہوتے ہیں، اس زمانے میں ٹھپے ہوتے تھے، تو وہ رنگ کے ٹھپے لگاتے رہتے تھے، تو اس کی وجہ سے ان کو نقشبند کہا گیا، لیکن جب ان سے عاجز نے یہ سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا، فرمانے لگے کہ ایسے نہیں تھا، بلکہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اسم جلالہ اللہ کی شکل بنایا کرتے تھے۔ اگر آپ عاجز کی انگلیوں پر غور کریں تو ا، ل، ل، اور ہ، اس طرح اللہ کے نام کی شکل بن جاتی ہیں۔ تو آپ اس طرح انگلیوں سے اللہ کے نام کی شکل بنا کر اپنے ہاتھ سالک کے قلب پر رکھ کر اس کو توجہ دیتے تھے، ''اللہ'' زور سے کہتے تھے۔

کان ینقش اسم اللّٰہ علی قلوب السالکین

اللہ کا نام سالکین کے قلوب پر نقش کر دیتے تھے تو سالک کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے دل پر کسی نے اللہ کا نام لکھ دیا ہے۔اس لئے ان کا نام نقشبند پڑ گیا، کہ وہ اللہ کے نام کا نقش دل میں بند دیا کرتے تھے،اس لئے یہ سلسلہ نقشبندیہ مشہور ہو گیا ہے''۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اذکار واشغال

استخارہ کا بیان :

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت لینا یا نہ لینا موقوف ہوتا ہے استخارہ کی اجازت ملنے یا نہ ملنے پر،استخارہ کے ذریعے اجازت مل گئی تو بیعت لی جاتی ہے،بصورت دیگر مرید کی قسمت دوسری جگہ یعنی دوسرے کسی شیخ کے یہاں معلّق بتادی جاتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلۂ عالیہ میں مرید و پیر کے مابین توحید مطلق کا ہونا نہایت ضروری ہے۔اور توحید مطلق کا معنی یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے متعلق یقین رکھے کہ دنیا میں ان کے علاوہ مجھے اپنے مطلوب تک کوئی پہنچا نہیں سکتا۔اگر چہ اس زمانے میں ان کے علاوہ بھی بہت سے مشائخ کیوں نہ پائے جائیں،اور شیوخ اوصاف کاملہ سے متصف بھی ہوں۔مگر میری منزل مقصود پر پہنچنا یا نہ پہنچنا صرف اور صرف ان ایک شیخ کے انفاس عالیہ پر مدار اور موقوف ہے۔اور استخارہ کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرّہ فرماتے ہیں۔

''استخارہ ہر امر میں مسنون ومبارک ہے،لیکن ضروری نہیں ہے،ممکن ہے کہ استخارہ کے بعد جو خواب یا واقعہ بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے،بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہئے،اگر اس امر کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کے کرنے کی دلالت کرتا ہے۔اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے،اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ کرے،تا کہ توجہ کی زیادتی مفہوم ہو جائے،استخارہ کی تکرار کی نہایت سات مرتبہ ہے۔

اور اگر استخارہ کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان مفہوم ہو تو منع پر دلالت ہے،اس صورت میں بھی استخارہ مکرر کرے تو گنجائش ہے،بلکہ تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے۔اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔(۱)

اس طریقۂ عالیہ میں استخارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد تازہ وضو کر کے صدق نیت سے استغفر اللہ الذی لاالٰہ الّاھو الحی القیوم وأتوب الیہ ایک سو مرتبہ پڑھے،اور اپنے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے توبہ کرے،اور خیال کرے کہ میں پھر سے مسلمان ہوا ہوں،اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ اس نیت سے پڑھے کہ میں اپنے فیاض ازل سے تمنا کرتا ہوں کہ مرشد برحق کے وسیلے سے مجھے شریعت محمدی صلوات اللہ وسلامہ کے پابند بنادے۔پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی جبکہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے۔پھر بارگاہ الٰہی میں روئے،اور سلام پھرنے کے بعد ایک سو مرتبہ کلمۂ تمجید پڑھے اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں کریں۔اس کے بعد اگر کوئی خواب نظر آئے تو اپنے مرشد کو بیان کرے۔

مرشد کو چاہئے کہ اپنے مرید کو اسم ذات بواسطۂ لطائف ستہ اس طرح تعلیم دے کہ زبان تالو سے لگا کر آنکھیں بند کر کے بس خیالی زبان سے قلب صنوبری یعنی گوشت کے لوتھرا سے یہ کہے کہ خدا کے اسم کو اس کی ذات کا غیر تصور نہ کرے،اور حتی الوسع ہر حال میں یہ خیال بحال رہے۔اور یاد رہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے ذکر کا تعلق لطائف جبکہ مراقبہ کا تعلق دوائر سے ہے۔

شغل اسم ذات کا طریقہ :

ناف کے نیچے سے سانس کو کھینچ کر جس لطیفہ کا شغل مطلوب ہو اس پر ٹھہرائے۔اور جس قدر ممکن ہو اسم ذات میں اس کے معنی اور اس کے مقام کے نور بشمول واسطہ کے منہمک ہو جائے،یاد رہے کہ اس شغل کے دوران اسم کو ذات کا غیر نہ سمجھا جائے۔

سلطان الاذکار کا طریقہ :

مرید سر سے پاؤں تک اپنے جسم کے تمام بالوں کی طرف متوجہ ہو کر اسم ذات کا تصور کرے۔ساتھ

(۱) عنایت عارف۔کشف المعارف ص:۳۳۸ بحوالۂ مکتوبات امام ربانیؒ۔

ہی ساتھ مرشد کامل بھی اپنے مرید کے تمام بالوں پر اپنی توجہ کریں، تاکہ ذکر کا اثر اپنے مرید پر جلدی سے ہو سکے، مرید اس شغل میں اسی قدر منہمک ہو کہ جسم کا ہر بال ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔

ذکر جاروب کا طریقہ :

ذکر جاروب دراصل لطائف ستہ پر جاروب کشی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسم ذات کے تصور کے ساتھ سانس کو پوری قوت سے جس لطیفہ کی جاروب کشی مقصود ہو اس پر کھینچے، پھر ھو کی ضرب اسی لطیفہ پر لگائے، مثلاً لطیفۂ قلب کی جاروب کشی ہے تو اسم ذات کے تصور کے ساتھ سانس کو قلب سے کھینچ کر روح کے مقام پر لاتے ہوئے ھو کی ضرب قلب پر لگائے۔ یہی طریقہ ہر لطیفہ کی جاروب کشی میں ہونا چاہئے۔

جب چھ لطیفوں کے مشق سے مرید فارغ ہو جائے گا اور ان جاروب کشیوں پر اسے کمال حاصل ہو جائے گا تو مرشد کو چاہئے کہ اپنے مرید کی توجہ ایک بارگی کے ساتھ تمام لطائف پر مبذول کرائے۔ اور خود مرشد کامل بھی ان پر توجہ کریں، تاکہ تمام لطائف بآسانی جاری ہو جائیں۔ اور تجلّیات ظاہر ہونے لگیں۔ دراصل لطائف کے حوالے سے یہ ایک سیر ہے، جسے اصطلاح تصوف میں سیر لطائف کہا جاتا ہے۔

لطیفۂ قلب میں نفی واثبات صغیر کا طریقہ:

ایک پرسکون جگہ میں یک سوئی سے بیٹھے، پھر سلسلۂ طریقت کے تمام مشائخ پر ایصال ثواب کرے۔ اس کے بعد آنکھیں اور ہونٹ بند کرتے ہوئے سانس کو ناف کے نیچے سے نکالے اور قلب روکے، پھر لا کو ناف کے نیچے سے نکال کر گلے تک لے جائے، پھر اله کو گلے سے لطیفۂ روح تک لاکر دل پر الا اللہ اسی طرح لگائے کہ اس کا اثر باقی تمام لطائف پر پہنچ جائے، اس دوران کلی طور پر غیر اللہ کی نفی اور ذات خدا کے اثبات کا تصور کرے، پہلے ایک سانس میں مذکورہ طریقہ سے ایک بار کرے۔ پھر بتدریج ترقی دیتے ہوئے اکیس مرتبہ تک ایک سانس میں ادا کرے، البتہ اس ورد میں طاق عدد کا ضرور خیال رکھے، اور یاد رہے کہ اس ذکر کے دوران نفی میں وجود انسانی کی بالکل نفی اور حالت اثبات میں ذاتِ الٰہی کا ظہور ہونا چاہئے۔

مراقبۂ توحید افعالی کا طریقہ :

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک اپنے تمام افعال سمیت تمام موجودات کے افعال کو خدا تعالی کے افعال کا

مظہر سمجھے، چنانچہ جب تمام موجودات اور اس ساری کائنات کا فاعل حقیقی اللہ تعالی کو سمجھنے کے ساتھ غیر اللہ کی فاعلیت کا خیال دل سے کلی طور پر ختم ہو جائے گا، تو سالک اس خیال میں دیر تک منہمک رہے، تاکہ اسے فنائے افعال کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اور تجلّی افعال اس میں متجلّی ہو جائے۔

شغل نفی واثبات کا طریقہ :

ارواح مشائخ کرام پر ایصال ثواب کے بعد اپنی آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے چپکائے، پھر سانس کو ناف کے نیچے سے کھینچ کرام الدفاع تک لے جائے، پھر وہاں سے اله کو لطیفۂ روح کی طرف لاکر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائے، لا اله سے غیر اللہ کی نفی اور الّا اللہ سے ذات باری تعالی (جو بے کیف ہے) کے ثابت کرنے کا خیال کرے۔ اس شغل میں مبتدی لا معبود الا اللہ۔ اور متوسطہ لا مقصود الا اللہ، پھر منتہی حضرات لا موجود الا اللہ کا تصور کریں۔

مراقبۂ توحید صفاتی کا طریقہ :

سالک مراقب اپنے بشمول تمام موجودات کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس سمجھے، اور اس میں مستغرق ہو جائے، حتی کہ حدیث کنت له سمعه وبصره کا پورا مصداق بن جائے، اس دھیان میں دیر تک منہمک و مستغرق رہے، تاکہ حدیث تخلقوا باخلاق الله کے ظہور سے مشرف ہو سکے، اور تجلّی صفاتی سے سالک متجلّی ہو جائے۔

مراقبۂ توحید ذاتی کا طریقہ :

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ قلب حقیقی جو سراسر نور ہی سے عبارت ہے کو دیکھ کر سالک مراقب اپنے بشمول ساری کائنات اور تمام موجودات کو خدا تعالی کی ذات کا مظہر سمجھے، اس ایک ذات کے سوا نہ کسی کو دیکھے اور نہ کسی کا خیال کرے۔ اس توجہ سے کبھی غفلت بھی ہو جائے تو اس مقصد کی طرف پھر سے متوجہ ہو جائے۔ سوائے ذات باری کے سامنے اپنے کو بھی اور تمام غیر اللہ کو بھی کالعدم جانے۔

مراقبۂ ذکر قواریر کا طریقہ :

سالک مراقب حقیقت جامع کو آفتاب کی طرح جبکہ تمام کے تمام موجودات کو شیشے کی طرح خیال کرے۔ اور تصور کرے کہ یہ سارے شیشے ہیں آفتاب کے مقابل میں۔ جو اس کے نور سے منور اور اس کی روشنی سے تاباں ہیں۔ اور ان میں اس نور کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

چند مصطلحات نقشبندیہ :

ذیل میں طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی چند ضروری مصطلحات درج کی جارہی ہیں، جن پر گویا اس طریقہ کی بنیاد ہے۔ تاکہ سالک طریقت ان سے مستفید ہوسکے۔

(۱) ہوش دردم :

اس کو کہا جاتا ہے کہ سالک ہمیشہ اپنے آپ سے باخبر اور ہشیار رہے، تاکہ غفلت کی حالت میں ایک سانس بھی نہ نکلنے پائے، یاد رہے کہ یہ ہوش دردم حالت تفرقہ کو دفع کرتا ہے۔

(۲) نظر برقدم :

سالک طریقت ہرآن اور ہر جگہ اپنی آمدورفت میں اپنے پاؤں پر نظر رکھے، تاکہ اس کی نظر پراگندہ نہ ہوجائے، اور جمعیت خاص حاصل ہو۔

(۳) سفر در وطن:

یعنی سالک طریقت انسانی طبیعت میں سفر کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام صفات ذمیمہ اچھی اخلاق میں بدل جائیں دراصل یہی ہے تخلقوا باخلاق کا صحیح مطلب۔

(۴) خلوت در انجمن:

سالک طریقت کا ظاہر خلق خدا کے ساتھ اور اس کا باطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے، یعنی ہر حال میں اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

(۵) یادکرد :

اس سے ذکر لسانی اور ذکر قلبی دونوں مراد ہے، یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد رہے، اور کسی بھی حالت میں ذکر الٰہی سے غفلت کا غلبہ نہ ہوپائے۔

(۶) بازگشت :

جتنی مرتبہ کلمۂ طیبہ زبان سے نکالے، اتنی مرتبہ دل سے دعا کرے کہ باری الٰہی تو اور تیری رضامندی میرا مقصد اور میں نے تیری خاطر دنیا ومافیہا کو چھوڑا ہے۔

(۷) نگہداشت :

مراقبۂ قلبی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی سالک طریقت اپنے دل کو خدا تعالیٰ کے غیر کے

خیال سے سراسر پاک رکھے۔

(۸) یادداشت :

ہر حالت میں ہر وقت بندہ کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

(۹) وقوف زمانی :

بندہ ہر حالت میں اپنے سے باخبر رہتے ہوئے اطاعت، شکر، گناہوں سے توبہ اور استغفار کا خیال رکھے۔

(۱۰) وقوف عددی :

نفی واثبات میں طاق عدد کے خیال رکھنے کو کہا جاتا ہے۔

(۱۱) وقوف قلبی :

کہ ذاکر خدا تعالیٰ سے باخبر اور واقف رہنے کو کہا جاتا ہے، یعنی خدا تعالیٰ کے حضور میں دل کو اس طرح حاضر رکھنا کہ غیر اللہ کا کوئی تعلق اور تصور ہی دل میں نہ آسکے۔

عام اذکار و اوراد طریقۂ عالیہ مجددیہ :

طریقۂ عالیہ مجددیہ کے کچھ اذکار و اوراد ہیں جنہیں ہر سالک طریقۂ عالیہ مجددیہ کو چاہئے اس کا تعلق مبتدی ہو یا منتہی روزانہ ہر فرض نماز کے بعد ادا کرنا پڑتا ہے، جو درج ذیل ہیں۔

بعد نماز مغرب :

بعد نماز مغرب ادا کئے جانے والے اذکار کو اس طریقہ کی اصطلاح میں فاتحہ شریف کہا جاتا ہے، فاتحہ شریف پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرے کہ ''اے اللہ حضرت شاہ سید عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے فاتحہ شریف کی محبت کا فیض میرے قلب میں آئے'' اس کے بعد سورۂ فاتحہ تین مرتبہ، سورۂ اخلاص تین مرتبہ اور درود شریف جو درج ذیل ہے دس مرتبہ پڑھے:

اللّٰھم صل علیٰ سیّدنا محمد وسیلتی الیک و آلہ وسلّم

اوران کے ثواب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ سید عبدالباریؒ اور حضرت حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ اور طریقت کے تمام اولیاءِ کرام کی ارواح مبارکہ پر بخش دے، اس کے بعد درج ذیل دعا پڑھے :

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم،

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد.

اس کے بعد حسب ذیل نیت کرکے مراقبہ میں بیٹھ جائے: ''اے اللہ میں اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور میرے قلب ذات پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور آنکھیں بند کرکے قلب کی طرف خیال کرے، اور اس کے اندر جو حرکات وسکنات محسوس ہوگا اسے اللہ اللہ خیال کرے، اور جتنا بھی ممکن ہو سکے مراقبہ کرے۔

بعد نماز عشاء :

سالک بڑے ادب واحترام کے ساتھ بعد نماز عشاء بیٹھ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو اپنی آنکھوں کے سامنے خیال کرے، اور دل ہی دل میں نیت کرے کہ ''میں اپنے قلب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی طرف متوجہ کرتا ہوں، اے اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا فیض میرے قلب میں لاوے'' اس کے بعد مذکورہ درود شریف پانچ سو یا سات سو مرتبہ پڑھے۔

بعد نماز فجر ختم شریف :

سالک نماز فجر کے بعد بیٹھے اور یہ نیت کرے کہ ''حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سینۂ مبارک سے ختم شریف کی محبت کا فیض میرے قلب میں آئے، اس کے بعد مذکورہ درود شریف سو مرتبہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پانچ سو مرتبہ پھر درود شریف سو مرتبہ پڑھے، پھر ان تمام کے ثواب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کی روح پاک پر پہنچا دے، اس کے بعد بولے کہ اے اللہ مجھ غلام کو ان کے فیوض وبرکات کے ذریعے کامل ومکمل فرمادے۔ آمین۔

بعد نماز ظہر تلاوت کلام اللہ شریف :

سالک بعد نماز ظہر تلاوت کلام اللہ کے لئے بیٹھے اور یہ نیت کرے کہ: اے اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرآن کریم کے فیوض حاصل کئے، وہی فیوض میرے قلب میں آئے، بعد تلاوت اس طرح مناجات کرے: اے اللہ اس قرآن پاک کی برکات اور صلاۃ وسلام نازل فرمائیں تمام پیغمبروں پر، اور تمام اولیاء کرام کے مدارج ومراتب کو بلند فرمائیں، اور مومن ومومنات کی خطائیں معاف فرمائیں، اور میرے اوپر تمہاری رحمت ومحبت بخش دیں، اس کے بعد پڑھے:

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم، افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد.

بعد نماز تہجد اذکار واوراد :

سالک بعد نماز تہجد سورۂ حشر کی آخری آیتیں ورد کرے، پہلے **ھو اللہ الذی لاالہ الاھو** سے آخری سورہ تک پڑھے، بعد ازاں دوبارہ شروع کرے، اول لاالہ الا ھو کو سو مرتبہ ورد کرے، پھر دوسرے لاالہ الا ھو کو سو مرتبہ، پھر سورہ کو ختم کرے، اس کے بعد اسی طرح دوبارہ شروع کرے، اس طرح سے لاالہ الاھو کا ورد چار سو مرتبہ ہوجائے گا۔

چوتھا باب

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق

مراقبہ کرنے کا طریقہ :

سالک طریقت کا جب پہلا سبق شروع ہوجاتا ہے تو اس پر منحصر ہے کہ خوب محنت ومشقت سے کام لے۔ جتنی زیادہ محنت اتنی سلوک وطریقت میں ترقیاں ملتی ہیں۔ یہ محنت دو طرح سے ہوسکتی ہے، ان میں سے پہلی محنت تو یہ ہے کہ سالک چھوٹے بڑے گناہوں سے بچے، اور دوسری محنت یہ ہے کہ سالک ذکر ومراقبہ، اتباع سنت ونفلی عبادات، توجہ الی اللہ، دعا ومناجات، نیک محفلوں میں جانا وغیرہ مشاغل میں رہے۔ ان دونوں محنتوں کی وجہ سے سالک طریقت کے قلب کی روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور دل منور وتاباں ہوجاتا ہے۔ اور دل جاری ہوکر اللہ اللہ کا درد شروع کردیتا ہے۔

نقشبندیہ مجددیہ کے مشائخ کرام مریدوں کو مراقبے کا طریقہ یہی سمجھاتے ہیں کہ سالک ظاہری آنکھوں کو بند کرلے۔ اگرچہ یہ بند کرنا کوئی شرط نہیں ہے۔ اس لئے مشائخ کرام کھلی آنکھوں سے بھی ذکر کرلیتے ہیں۔ ان کو تھوڑی بھی آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن چوں کہ سالک مبتدی ہوتا ہے تو توجہ مرکوز کرنے کے لئے آنکھ بند کرے تو اس سے بہتری ہوتی ہے۔ ورنہ آس پاس کی چیزیں ان کو پراگندہ کردینے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ آنکھوں کو بند کرلے، البتہ جس طرح عرض کی گئے ہے کہ یہ کوئی شرط بھی نہیں ہوتی ہے، اسی طرح سر پر کپڑا اڈالنا بھی شرط نہیں ہے۔

البتہ ایک روایت ایسی بھی ملی ہے کہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب نوراللہ مرقدہ اپنے شیخ کی خدمت میں کوئی چوبیس سال گزارے ہیں۔ جہاں ان کو ریاضت ومجاہدہ کرایا گیا ہے۔ عشاء کے بعد حضرت مولانا عبدالسلام

صاحب مسجد میں مراقبہ کے لئے بیٹھ جاتے اور ان کے مرشد حضرت العلام حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے سر پر اپنی چادر مبارک ڈال جاتے، دیسے پوری رات حضرت مراقبہ ومشاہدہ میں گزار دیتے تھے، فجر سے پہلے حضرت شیخ تشریف لاتے اور فرماتے کہ سلام! آذان کا وقت ہوگیا کہ چلو آذان پڑھو۔

جہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ کرام مریدین کو آنکھیں بند کرنے اور مراقبہ کی حالت میں کبھی کبھی سروں پر کپڑا اڈالنے کو مفید سمجھتے تھے۔ جس سے یک سوئی بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کی دلیل بھی حدیث پاک سے لی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تھی تو اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے پر کپڑے ڈال لیا کرتے تھے۔ حضرت سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب واقعۂ افک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کے گھر تشریف لائے اور گفتگو فرمارہے تھے تو اس وقت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت آئی، تو آپ نے چہرۂ انور پر کپڑا اڈالا۔ فرماتی ہیں کہ جب آپ نے وہ کپڑا اٹھایا تو میں نے پیشانی کے اوپر پسینے کے وہ قطرے دیکھے جو خاص وحی کی حالت میں ہوا کرتے تھے۔ گویا وحی کے وقت اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یک سوئی کی خاطر چہرۂ انور پر کپڑا اڈال لیا کرتے تھے۔

تو سالک بھی اگر اس پر عمل کرے تو کوئی بدعت کا شبہ نہیں ہوسکتا، اور اسی طرح بیٹھ کر مراقبہ کرنا بھی لازم نہیں بلکہ بہتر ہے، کوئی لیٹ کر بھی مراقبہ کرسکتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ لیٹ کر مراقبہ کرنے سے نیند والی فنا کا غلبہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے مشائخ کرام بیٹھ کر مراقبہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اچھی دلیل پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین کی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر خاموش رہتے تھے۔

یوں محسوس ہوتا کہ کندھوں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہیں۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی دیر خاموشی کوئی غفلت کی خاموشی نہیں ہوسکتی۔ جب کہ حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ تعالیٰ فی کل احیانہ . (۱)

---

(۱) صحیح بخاری، ۱:۸۳۔

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحے اللہ کا ذکر کرتے تھے‘‘ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالی کا ذکر کرتے تھے دوسری لمبی دیر خاموش رہتے تھے، اگر ان دونوں کو ملایا جائے تو طریقت وسلوک میں اسی کا نام مراقبہ ہے۔

اسی وجہ سے تسلّی کے ساتھ سکون سے بیٹھ کر سالک مراقب اپنے دل کے اوپر اپنی توجہ مرکوز کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے اندر الٹے سیدھے ہر قسم کے خیالات بسا اوقات آتے رہتے ہیں، یوں ان تمام خیالات کو دل سے نکال کر دل میں اللہ کا خیال ڈالنا ضروری ہے۔ جس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ مراقبہ میں بیٹھتے ہی ایک مرتبہ یہ نیت کرلیں کہ اللہ تعالی کی رحمت آرہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر اور وہاں سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب پر پھر وہاں سے یہ رحمتیں نورانی مشائخ کی طرح مشائخ کے قلوب سے ہوتے ہوئے میرے شیخ کے قلب سے گزر کر میرے قلب میں آرہی ہیں۔ اور خیال کرے ان رحمتوں کی بدولت میرے دل کی سیاہی اور ظلمت دور ہو رہی ہے، اور میرا دل اللہ اللہ بول رہا ہے۔ مگر زبان سے لفظ اللہ نہ پڑھے، زبان تالو سے لگی ہوئی ہو، سانس معمول پر چل رہی ہو، جسم کو حرکت بھی نہیں دینی، اور سکون کے ساتھ ایک دھیان رکھنا ہے۔

یاد رہے کہ شروع شروع میں نہ سالک کا دل کہے اور نہ وہ سنے گا۔ جبکہ الٹے سیدھے خیالات خوب آئیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس طرح کے لئے سیدھے خیالات روحانی کیفیات کی اطلاع ہوتے ہیں، ان سے کچھ نوجوان سالکین تنگ ہو جاتے ہیں، ویسے تو عام حالات میں یہ خیالات نہیں آیا کرتے جبھی سالک مراقبہ میں بیٹھ جاتا ہے تبھی یہ خیالات پے در پے آتے رہتے ہیں، اس وجہ سے سالک کو چاہئے کہ اپنے دھیان کو جمانے کی کوشش کرے، جہاں اب تک دل لگا ہوا تھا وہی چیز تو سامنے آئے گی، اس لئے اس دل کو دھونے کی شدید ضرورت ہے۔

اس سبق کی کامیابی مراقبہ میں بیٹھنے میں ہے، زیادہ سے زیادہ مراقبہ میں بیٹھنا ہی اصل نکتہ ہے، جو بیٹھ سکے گا وہ ایک نہ ایک دن مراد پالے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله . (۱)

---

(۱) سورۃ الزمر : ۲۳۔

’’جن کے دل اور بدن نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں‘‘ تو تلین جلود کا مرتبہ پہلے ہے، یعنی بیٹھنا پڑے گا، کمر بھی تھکے گی، گردن بھی تھکے گی، شیطان کا وسوسہ بھی پے در پے آئے گا۔ شیطان لعین آکر کہے گا کہ گھنٹے گزر گئے جبکہ گزرے صرف پانچ منٹ ہوں گے۔

حضرات مشائخ کرام نے مراقبہ کے اوپر خوب سے خوب تر محنت کی ہے، دراصل اللہ تعالی اپنے بندے کو ذکر میں بیٹھے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ بندے کی طلب کا اظہار اس ڈھنگ سے ہوتا ہے، دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ دروازے پر کوئی گدا اگر صحیح سے آکر بیٹھ جائے تو مالک و داتا اس کو خیرات دے ہی دیتا ہے۔ اس لئے در مولی پر مراقبہ کے طریقے سے بیٹھنا پڑتا ہے۔

اکثر سالکین کو اس باب میں غلطی ہو جاتی ہے کہ مراقبہ میں بیٹھتے نہیں، ذکر واذکار بھی کرتے، درود شریف بھی پڑھتے، استغفار بھی کرتے، تلاوت بھی روزانہ ہوتی بس ایک صرف مراقبہ نہیں ہوتا، سلوک وطریقت میں یاد رہے کہ مراقبہ ہی اصل چیز ہے، اگر مراقبہ نہ ہوا تو صرف اوراد واذکار کا ثواب تو ضرور ملے گا مگر قرب نہیں ملے گا، اس باب میں ثواب کا ملنا الگ چیز ہے اور قرب کا ملنا الگ چیز۔ جس کی مثال دنیا کی عام نوکریوں میں ملاحظہ کیجئے کہ نوکریوں میں تنخواہ کا بڑھنا ایک چیز ہے جبکہ رتبہ کا بڑھ جانا دوسری چیز۔ اسی لئے:

آپ کو درود شریف پڑھنے سے خوب ثواب ملے گا۔

قرآن پاک کی تلاوت کیجئے خوب اجر ملے گا۔

استغفار پڑھیے خوب خوب ثواب ملے گا۔

لیکن یاد رہے کہ روحانی ترقی ذکر ومراقبہ سے ہوتی ہے، اگر سالک طریقت مراقبہ نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی روحانی ترقی نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا حال پہلے جیسا تھا ویسا ہی رہ جائے گا۔ اس لئے مراقبہ میں جتنا بیٹھے گا اتنی برکتیں آئیں گی، اور اللہ تعالی کی رحمت وعنایت سے اس کی روحانی حالت میں ترقی ہوتی چلی جائے گی، وقت کے ساتھ ساتھ الٹے سیدھے خیالات کم ہوتے جائیں گے، اور ایک سوئی آئے دن بڑھتی چلی جائے گی، حتی کہ ایک ایسی کیفیت آئے گی کہ سالک طریقت جبھی سر جھکائے گا وہ یاد الٰہی میں ڈوب جائے گا، اور آگے چل کر سالک کے مراقبے میں ایک جمعیت آئے گی۔

اس حوالے سے مشائخ کرام نے دو لفظ استعمال کئے، ان میں سے ایک کا نام ''تفرقہ'' جبکہ دوسرے کا نام ''جمعیت'' ہے، مراقبے میں جو پریشان خیالات آتے ہیں اسے تفرقہ کیا جاتا ہے، جب کہ اس کے مخالف لفظ کا نام جمعیت ہے۔تفرقہ کی کیفیت ہر سالک طریقت کو شروع میں پیش آتی ہے، مگر دل جمعی کے ساتھ بیٹھے رہنے سے اس کی یہ کیفیت جمعیت میں بدل جاتی ہے۔اور جب جمعیت ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالی کی طرف سے ایک ایسا ادراک مل جاتا ہے کہ پھر گھنٹوں بیٹھنے سے سالک کا دل نہیں بھرتا۔

پینتیس اسباق :

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے کل پینتیس اسباق ہیں، اس سلسلہ میں بیعت ہوتے وقت سالک طریقت کو معمولات بتائے جاتے ہیں، یہ بات یاد رہے کہ معمولات الگ چیز ہیں، جبکہ اسباق الگ چیز ہیں، جو پانچ معمولات بتائے جاتے ہیں ان میں سے چار اور دو ہیں اور ایک سبق ہے، اور اس سبق کو لطیفۂ قلب کا مراقبہ کہا جاتا ہے۔بقیہ معمولات اوراد و وظائف ہیں، یہ اوراد و وظائف ساری عمر وہی رہتے ہیں جبکہ مراقبہ کا سبق بدلتا رہتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کے زمانے میں سولہ اسباق تھے، مگر امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس اسباق کر دیئے ہیں جنہیں حضرت نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے، حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ کے سولہ اسباق تو ویسے ہی رہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اوپر اسباق کو باقاعدہ ترتیب دے کر دائرۂ لاتعین تک پینتیس اسباق بنا دیئے ہیں۔گویا یہ پینتیس اسباق اس سلسلۂ عالیہ کا نصاب ہیں۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات بھی پینتیس اسباق پر مشتمل تھیں، نہ جانے کتنے بزرگوں نے حضرت سے فیض پا کر ان مقامات کو طے کیا ہے، راقم سطور نے حضرت مولانا کے خلفاء سے سنا کہ حضرت مولانا خود بھی ان سارے اسباق کو ختم کر کے منتہی ہوئے، اور بہتوں کو منتہی بنائے تھے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند کرے۔

لطائف پر اسم ذات کے ذکر کرنے کا طریقہ:

طریقۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ میں لطائف عالم امر کے پانچ اسباق ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) قلب

(۲) روح

(۳) سر

(۴) خفی

(۵) اخفی

اس کے بعد عالم خلق کے دو سبق ہیں۔

(۱) لطیفہ نفس

(۲) لطیفۂ قالبیہ

گویا ان ساتوں اسباق پر یا دوسرے الفاظ میں ساتوں لطیفوں پر کام کرنے سے انسان سات سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہے، یعنی محبوب کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔اور یاد رہے کہ لطیفۂ نفس اور لطیفۂ قالبیہ کو سلطان الأذکار کہا جاتا ہے۔لطائف پر اسم ذات کرنے کا طریقہ حضرت شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ کے مکتوبات سے پڑھیئے :

> ''اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو چاہئے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگالے، اور پوری توجہ کے ساتھ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو جائے (یعنی جہاں پر حضرت شیخ نے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کیا تھا اس جگہ پر لطیفۂ قلب ہوتا ہے، چوں کہ اس کی خاص شکل ہوتی ہے، تو اسے قلب صنوبری کہہ دیا گیا ہے) جو کہ بائیں پہلو میں واقع ہے، اور یہ قلب صنوبری قلب حقیقی کا آشیانہ ہے، جو کہ عالم امر سے ہے اور اس کو حقیقت جامعہ بھی کہتے ہیں۔(ہمارا اصل قلب تو عالم امر کی چیز ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسانوں کے دل ''بین اصبعین من اصابع الرحمن'' (۱) اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اب دو انگلیوں کے درمیان دل سے مراد یہ لوتھڑا نہیں ہے، وہ

(۱) مسند احمد :۲/۱۷۳۔

قلب تو حقیقی قلب ہے، اس لوتھرا کو اس کا سایہ سمجھنا چاہئے۔ اس کا ظل سمجھنا چاہئے، یا اس کا آشیانہ سمجھنا چاہئے، ہمارے سینے میں گوشت کا لوتھرا ہے۔ اصل قلب اس کے اندر روح کی مانند ہے، جو حقیقی چیز ہے) اور لفظ مبارک ''اللہ'' کو دل میں خیال کے طور پر گزارے، اور دل کی زبان سے اس بزرگ لفظ کو دل کی صورت کا تصور کئے بغیر کہے (یعنی دل کی صورت کا تصور نہیں کرنا کہ دل صنوبری شکل کا ہے، بس بغیر کسی ایسے دھیان کے اللہ کا ذکر کرے) اور سانس کو نہ روکے اور ذکر کہنے میں زبان کو کسی طرح کا دخل نہ دے، سانس حسب معمول آتا رہے، اور لفظ مبارک ''اللہ'' سے بے مثل ذات مراد لے، اور اس کی کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھے، تا کہ ذات کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آجاتے، اور تنزیہ سے تشبیہ کی طرف مائل نہ ہوجائے (کیا عجیب بات لکھی ہے کہ اللہ تعالی کی صفات کا اس وقت دھیان نہ کرے، کیوں کہ اس وقت تو ذات کا دھیان ہوتا ہے، اور ذات صفات سے بلند ہوتا ہے، اس لئے فقط ذات کا تصور کر کے اللہ کا نام دل سے گزاریں، اس کو مراقبہ کہا جاتا ہے''۔(۱)

سالک پہلے لطیفۂ قلب پر یہی سبق کرتا ہے، جب شیخ دوسرا سبق دے دیتا ہے تو لطیفۂ روح پر مراقبہ کرتا ہے، اسی طریقے سے پھر سر، پھر خفی، پھر اخفی پھر نفس اور قالبہ۔ یہ سات لطائف جن پر ذکر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، لیکن یاد رہے کہ پہلے کے بعد دوسرا سبق، اسی طرح فنا وبقا بھی پہلے کے بعد دوسرے کی، پھر تیسرے کی آتی ہے۔

یاد رہے کہ سالک کو اس کام کے لئے پہلے بیٹھنا پڑتا ہے، اور بہ تکلف ذکر کرنا پڑتا ہے، بعد میں بے تکلف ہوجاتا ہے، پھر اس کو حضوری دائمی ہوجاتی ہے۔

سات قدم :

چوں کہ ظاہر ہے کہ عالم امر اور عالم خلق کے سات لطائف ہیں، تو سلسلہ کے مشائخ سے مروی ہے کہ

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب: ۱۱۳۔

اللہ رب العزت تک پہنچنے کے سات قدم ہے۔ چوں کہ سات لطائف ہیں تو ہر لطیفہ اگر ایک قدم ہوا تو کل سات قدم ہوئے۔ پھر اگلی سیر اسماء وصفات، شیونات اور ذات میں ہوتی ہے، یہ اس سیر کے پہلے کے اسباق ہیں، ان سات قدم پر حضرت امام ربانی نے بہت خوب صورت بات لکھی ہے :

''میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں، انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق کل سات قدم ہے، دو قدم عالم خلق میں ہیں جو کہ قالب یعنی بدن عنصری اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں، اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں، جو کہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں، خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی''۔(۱)

مشکوۃ شریف میں مروی ہے کہ :

'' اِنّ للہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة ''

''بے شک اللہ تعالی کے لئے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں''

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور امام سیوطی نے اس کو ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے، تو حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ستر ہزار پردے نور اور ظلمات کے ہیں۔ جن کو پھاڑنا پڑتا ہے۔

شش جہات :

طریقت کے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ قلب کی دو جہتیں ہوتی ہیں، جب کہ حضرت خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شش جہات ہوتی ہیں، تو اب اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ پہلے مشائخ چوں کہ نفس کی اصلاح کے ذریعے سلوک طے کراتے تھے، تو وہ فرماتے تھے کہ قلب روح اور نفس کے درمیان کی چیز ہے، ان کے نزدیک لہذا قلب کی دو جہتیں ہوئیں، ایک جہت اس

(۱) مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوبات: ۵۸۔

کی روح والی اور ایک جہت اس کی نفس والی ہے، لیکن ہمارے اس سلسلہ میں چوں کہ سات لطائف ہیں، ان میں سے ایک قلب ہوا اور باقی چھ ہوئے، تو شش جہات کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر لطیفہ کا قلب کے ساتھ ایک تعلق ہے، لہذا ہمارے اس سلسلہ کے مشائخ کے نزدیک قلب شش جہات ہے۔ جتنے لطائف ہیں، آخر اس کا تعلق قلب سے بنتا ہے۔ (۱)

پھر یاد رہے کہ ہر لطیفہ کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی، چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

> ''بلکہ عالم خلق اور عالم امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفے کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی، جس طرح عنصر خاک ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اور یہ باطن جو کہ عالم خلق و عالم امر سے تعلق رکھتا ہے، روز بروز اعمال صالحہ کے توسل سے بلکہ محض خداوند جل سلطانہ کی بخشش سے اس باطن سے جو کہ اسم قیوم کے ساتھ وابستہ ہے، آہستہ آہستہ ملحق ہو جاتا ہے۔ یہاں تک اس باطن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، اور سوائے ظاہر صرف کے جو کچھ بھی ہے پوشیدہ ہو جاتا ہے'' (۲)

یعنی سالک کا باطن اللہ رب العزت کے اسم قیوم کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، چوں کہ قیوم نے ہی تو پوری دنیا کو اپنی جگہ پہ تھاما ہوا ہے، پس باطن کا تعلق وہاں عالم امر میں جڑ جاتا ہے، مگر ظاہر یہاں عالم خلق میں موجود ہوتا ہے۔

تعلق لطائف عالم امر و عالم خلق:

عالم خلق کے لطائف کے ساتھ عالم امر کے لطائف کا گہرا تعلق ہے، وہ اس طرح کہ عالم امر کے پانچ لطائف یعنی قلب، روح، سر، خفی و اخفی ہیں۔ پھر عالم خلق کے دو لطائف نفس اور قالبیہ ہیں، پھر قالبیہ میں چار عناصر ہیں، آگ، ہوا، پانی اور مٹی، یہ چاروں مجموعہ مل کر لطیفۂ قالبیہ ہے، اگر ہر عنصر کو الگ الگ کر دیں تو نفس کے ساتھ ملا کر پانچ بن جاتے ہیں۔ لہذا پانچ عالم امر کے لطائف اور پانچ

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مبدا و معاد ۱۲، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔
(۲) مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب: ۹۳

عالم خلق کے لطائف ہیں، اور ان کا آپس میں اے دوسرے کے ساتھ تعلق ہے، وہ اس طرح کہ:

(۱) قلب کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔
(۲) روح کا تعلق ہوا کے ساتھ ہے۔
(۳) سر کا تعلق پانی کے ساتھ ہے۔
(۴) خفی کا تعلق آگ سے ہے۔
(۵) اخفی کا تعلق خاک سے ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ''عالم خلق کے یہ لطائف خمسہ عالم امر کے لطائف کی اصل ہیں۔ لطیفہ نفس کا معاملہ لطیفۂ قلب کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ باد (ہوا) کا معاملہ لطیفۂ قلب کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ آب (پانی) کا معاملہ لطیفۂ سر کے معاملے کے اصل ہے۔ اور لطیفۂ نار (آگ) کا معاملہ لطیفۂ خفی کی اصل ہے۔ اور لطیفۂ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفۂ اخفی کے معاملے کی اصل ہے'' (۱)

لطائف کے مختلف رنگ:

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ''صوفیہ کے قول پر قلب کا نور زرد، اور روح کا نور سرخ، اور سر کا نور سفید، اور خفی کا نور سیاہ اور اخفی کا نور سبز ہے'' (۲)

یوں ہر لطیفے کے اوپر الگ رنگ کا نور اترتا ہے۔

(۱) لطیفۂ قلب پر جو نور اترتا ہے اس کا رنگ زرد ہے۔
(۲) لطیفۂ روح پر جو نور اترتا ہے اس کا رنگ سرخ ہے۔
(۳) لطیفۂ سر پر جو نور اترتا ہے اس کا رنگ سفید ہے۔
(۴) لطیفۂ خفی پر جو نور اترتا ہے اس کا رنگ سبز ہے۔

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب: ٤۔
(۲) مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب: ۵۳۔

یادرہے کہ یہ مختلف انوار مشائخ کرام نے کشف کی نظر سے دیکھے اور انہوں نے ان کو قلم بند کیا، ویسے اب کسی کو نظر آئے تو بھی ٹھیک ہے اور کچھ بھی نظر نہ آئے تو بھی ٹھیک ہے، اتنا ہی کافی ہے کہ نور لطیفے کے اوپر اتر جائے۔ دراصل بات یہ ہے کہ انوارات کے رنگوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے، کہ کون سا رنگ ہے، سالک کو رنگوں سے کیا واسطہ؟ مقصود تو فوائد کا ہے، رنگ چاہے جو بھی ہو۔

سیر اصول لطائف :

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عالم امر کے پانچ لطائف ہیں، جن کے اصل عالم خلق میں ہے، جب سیر ہوتی تو اپنے اصل میں سیر ہوتی ہے، اس حوالے سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ''میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کی سیر کی ابتدا ''قلب'' سے ہے جو کہ عالم امر سے ہے، اور قلب کی سیر سے گزر کر مراتب روح ہیں جو اس سے اوپر ہیں، اور اسی طرح خفی واخفی کا حال ہے۔ ان لطائف پنجگانہ منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ علیحدہ علوم ومعارف حاصل کرنے کے بعد اور ان احوال ومواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص (احوال) ہیں ان کے متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ (لطائف) کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہے، سیر واقع ہوتی ہے، کیوں کہ جو کچھ بھی عالم صغیر میں ہے، اس کی اصل عالم کبیر میں موجود ہے''۔(۱)

یہاں عالم صغیر سے مراد انسان ہے، اور عالم کبیر سے مراد یہ ساری کائنات ہے۔ عالم صغیر میں عالم امر کے پانچ لطائف ہیں، جو ہمارے سینے میں ہے، اور ان کی اصل ہوا، پانی، آگ اور مٹی ہے، وہ باہر کی کائنات یعنی عالم کبیر میں ہے، اس لئے فرمایا کہ عالم صغیر کی سیر پہلی ہوتی ہے اس کے بعد عالم کبیر کی ہوتی ہے۔

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۵۷۔

احوال کا پیش آنا :

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں :

> ''ایک یہ بھی کیفیت ہے کہ بسا اوقات سالک کے اوپر تھوڑے وقت کے لئے کچھ کیفیات آتی ہیں، پھر وہ غائب ہو جاتی ہیں، مستقل نہیں رہتیں، مبدأ ومعاد میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ مختلف لطائف ہیں اور ان کی فنا چلتی ہے، تو کبھی انسان کے اوپر کوئی کیفیت آتی ہے، کبھی کوئی کیفیت آتی ہے، اس لئے وہ کیفیت جس لطیفہ کی فنا کی ہوتی ہے، سب میں وہی رنگ آجاتا ہے۔ باقی لطائف میں بھی وہی کیفیتیں کچھ وقت کے لئے آجاتی ہیں، مگر اس کے بعد پھر وہ اگلے لطیفے کی فنا ملنے کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ اس لئے کیفیتیں آتی ہیں اور زائل ہو جاتی ہیں''۔(۱)

توحید وجودی وتوحید شہودی :

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

> ''توحید وجودی حالات کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے یعنی لطیفۂ قلب کی سیر میں، اور توحید شہودی لطیفۂ نفس کی سیر میں''۔ (۲)

پھر حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ ایک بڑی گہری سی بات ہے مگر اتنا ہی بتانا کافی ہے کہ چوں کہ پہلے لطیفہ قلب میں مشائخ کو بہت کمال حاصل ہوتا تھا تو ان پر ایسی کیفیت ہوتی تھی، جہاں میں ہر طرف اللہ ہی کی نشانیاں نظر آتی تھیں، حتی کہ درختوں کے پتوں سے ان کو ذکر سنائی دیتا تھا، اللہ کا نام ہر جگہ لکھا نظر آتا تھا، میر درد کا شعر ہے :

(۱) ذوالفقار احمد نقشبندی، مدارج السلوک، ص: ۸۲۔۸۳۔

(۲) ذوالفقار احمد نقشبندی، مدارج السلوک، ص: ۸۴۔

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا ÷ تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تو انہوں نے توحید وجودی کہہ دیا، لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں ''ہمہ اوست'' کہ سب وہی ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے، اصل ہے ''ہمہ از اوست'' کہ سب اسی کی طرف سے ہے''۔(۱)

جبس دم اور تہلیل لسانی :

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے پہلے سات اسباق جن کے متعلق سطور بالا میں تفصیلات گزر چکی ہیں، وہ سات اسباق یہ ہیں۔

(۱) قلب

(۲) روح

(۳) سر

(۴) خفی

(۵) اخفی

(۶) نفس

(۷) قالبیہ

ان میں سے پانچ کا تعلق عالم امر سے ہے اور دو کا تعلق عالم خلق سے ہے، ان اسباق پر کام کرنے سے روحانی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے، ان میں ہر ہر لطیفے کے اندر اسم ذات ''اللہ'' کا ذکر کرنا ہوتا ہے، چنانچہ ان تمام سات لطائف پر ذکر کرنے کا طریقہ ایک جیسا ہے، ان پانچ عالم امر کے لطائف کے ساتھ پانچ بیماریاں ملی ہوئی ہیں۔ جب کسی لطیفہ پر سبق کیا جاتا ہے تو اس کے متعلقہ بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ چوں ذکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دلوں کے لئے شفاء ہے، تو اس لئے پانچ لطائف پر ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) لطیفۂ قلب : لطیفہ قلب کے ساتھ شہوت کا تعلق ہے، جس سے مراد اشتہا ہے، جو پیٹ کی بھی

(۱) ذوالفقار احمد نقشبندی، مدارج السلوک، ص: ۸۴۔۸۵ ۔

ہوسکتی ہے، کھانے پینے کی بھی اور جنسی بھی، اشتہا کا لفظ عام ہے، تو اس لطیفہ پر ذکر کرنے سے شہوت کم ہو جاتی ہے، اور یاد رہے کہ اس سے مراد شہوت یا اشتہا کا زائل ہو جانا نہیں ہے، بلکہ اس کا مراد ہوس کا کم ہو جانا ہے، انسان کے اندر سے وہ ہوس زائل ہوتی ہے جو انسان کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے، چنانچہ لطیفۂ قلب پر ذکر کرنے سے مذکورہ تینوں شہوتیں کم ہو جاتی ہیں، اور انسان کی شہوت کنٹرول میں آجاتی ہے۔

(۲) لطیفۂ روح : دوسرا سبق لطیفۂ روح کا ہے، اس کے ساتھ غضب اور غصے کا تعلق ہے، جس کا ہونا ضروری تو ہے لیکن جائز حد تک، جائز حد تک غصہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، ورنہ انسان کو اپنی عزت وآبرو کا بھی پرواہ نہیں ہوتا، یہ جائز حد تک رہے بلکہ بندہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کر سکے، اس کے برخلاف اگر انسان کی طبیعت ایسی ہو کہ ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجائے، منہ بنا رہے، باتوں باتوں پر لوگوں پر غصے نکالتے رہے تو یہ ایک بڑی بیماری ہے۔ تو لطیفۂ روح پر سبق کرنے سے یہ بیماری بھی قابو میں آجاتی ہے، اور غصہ پہلے کی نسبت کم ہو جاتی ہے، اور اگر غصہ ہوتا بھی ہے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) لطیفۂ سر : لطیفۂ سر کے ساتھ بخل کا تعلق ہے، اس میں انسان مراقبہ کرتا ہے تو اس کے اندر سے بخل ختم ہو جاتا ہے، پھر اللہ کے راستے پر انسان خوب دل کھول کر خرچ کرتا ہے، اور اللہ جل شانہ اس کو سخاوت والا دل دیتا ہے۔

(۴) لطیفۂ خفی : لطیفہ خفی اس کے ساتھ حرص اور حسد کا تعلق ہے، جب انسان اس لطیفہ پر ذکر کرتا ہے تو اس کے اندر سے حرص وحسد نکل جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہوتی ہے کہ انسان کے دل سے حسد نکل جائے، یاد رہے کی حسد کی بیماری صرف اور صرف برے لوگوں میں نہیں ہوتی بلکہ دین دار لوگوں میں بھی ہوا کرتی ہے، چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ:

لو لا الحسد فی العلماء لصاروا بمنزلة الانبیاء

''اگر علماء میں حسد نہ ہوتا تو شاید انبیاء کے درجے تک پہنچ جاتے''

(۵) لطیفۂ اخفی : لطیفہ اخفی کے ساتھ عجب، وتکبر کا تعلق ہے، جب سالک اس پر ذکر کرتا ہے تو اس کی طبیعت سے ریا، عجب، دکھاوا، تکبر وپندار نکل جاتا ہے، اب وہ جو کرتا ہے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے

لئے کرتا ہے۔اب کبر ونخوت سے نجات مل جانا تو انسان کے لئے ایک بڑی نعمت ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر

''جس کے دل میں ذرے کے برابر بھی تکبر ہو وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوسکتا''

کلمۂ طیبہ کے فوائد :

مشائخ کرام سے روایت ہے کہ اگر لطائف کے اسباق کرنے کے باوجود کچھ روحانی بیماریوں کے اثرات سالک کے دل میں رہ جائیں تو اس کو کلمہ طیبہ: ''**لاالہ الاّ اللہ محمدرسول اللہ**'' کی دوائیں کھلائیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس کلمہ کا نام جلاء القلوب ہے، یعنی دلوں کو جلا دینے والا، منور کرنے والا ہے۔

لطائف پر مراقبے کے بعد ذکر کا طریقہ پہلے کی نسبت دوسرا ہو جاتا ہے، پہلے اسم ذات کا ذکر تھا، یعنی سلوک کا آٹھواں سبق تہلیل کا ہو جاتا ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

عن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ ﷺ من قال لاالہ الاّ اللہ مخلصًا دخل الجنة.

''جو شخص اخلاص کے ساتھ **لاالہ الا اللہ** کہے وہ جنت میں داخل ہوگا''

قیل وما اخلاصها

''کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے''

قال ان تحجزه عن محارم اللہ (۱)

'' فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے''اب اس حدیث پاک سے دلیل مل گئی ہے کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو پہلے اللہ کا ذکر کریں، گناہوں کے زیادہ اثرات کم ہو جائیں گے، اگر کچھ اثرات رہ بھی جائیں تو کلمۂ طیبہ کا ذکر کریں، یہاں حدیث مبارکہ سے دلیل ملی ہے کہ کلمۂ طیبہ روحانی بیماریوں کے لئے شفاء بن جاتا ہے۔

---

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر : ۵۰۷۴۔مجمع الزوائد : ۱/۳۱۔

تہلیل کی مقدار :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

'' جامع الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔اور صوفیاء کے لئے کم از کم پچیس ہزار روزانہ''۔ (۱)

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ :

'' حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں لطائف کے اسباق میں تھا تو ہر لطیفہ پر روزانہ (۸۰) ہزار مرتبہ اللہ اللہ کے نام کی ضرب لگاتا تھا۔اللہ اکبر کبیرا! دیکھو ان مشائخ نے کتنا ڈٹ کر ذکر کیا''۔(۲)

(آٹھواں ونواں سبق)

تہلیل کے طریقے :

تہلیل کے دو طریقے ہیں، یہ دونوں طریقے دراصل سلوک وطریقت آٹھواں اور نواں سبق ہیں۔

(۱) **پہلا طریقہ** : سانس روک کر ایک سانس میں لقور سے اس کو اکیس مرتبہ کرنا، اس کو تہلیل خفی کہتے ہیں۔یہ حبس دم کے ساتھ ہے، اور جس طرح عرض کی گئی ہے کہ یہ سلوک کا آٹھواں سبق ہے۔

(۲) **دوسرا طریقہ** : اس کو زبان سے کرنا ہے، جسے تہلیل لسانی کہتے ہیں، اور جس طرح عرض کی گئی ہے کہ یہ سلوک کا نواں سبق ہے، یاد رہے کہ چوں کہ دونوں سبق لاالہ الا اللہ کے ہیں اس لئے دونوں اسباق اکٹھے بھی دیئے جاتے ہیں۔حضرات مشائخ کرام نے کئی مرتبہ لوگوں کو دونوں اسباق اکٹھے بھی دیئے ہیں۔اور فرماتے تھے کہ دونوں کے اثرات ایک جیسے ہیں، پہلا حبس دم کے ساتھ اور دوسرا زبان کے ساتھ۔

---

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی، مدارج السلوک، ص:۱۰۳۔

(۲) ایضاً ص:۱۰۴۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ :

> ''اہل اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ باطن کو منور کرنے میں اس کلمۂ مبارک سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے، صاحب استعداد سالک اس کلمہ کے پہلے جزو (لاالـه الا الـلـه) کے ساتھ مطلوب حقیقی ماسوا کی نفی کرتا ہے، اوراس کے دوسرے جزو (الا الله) کے ساتھ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ تمام سلوک کا خلاصہ ہے''۔(۱)

نفی واثبات :

نفی واثبات کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب وغریب نکتہ لکھا ہے کہ :

> ''جاننا چاہئے کہ کلمۂ نفی کو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پورا کیا، اورشرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسانہیں چھوڑا، جس کو آپ نے بند نہ کر دیا ہو، اسے لئے آپ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے امام قرار پائے، اور پیشوا بن گئے۔ کیوں کہ اس دنیا میں کمال کی انتہا اسی نفی کے اتمام کے ساتھ وابستہ ہے، اور کلمۂ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات آخرت کی زندگی پر موقوف ہے''۔ (۲)

کلمہ طیبہ میں ''لا الہ'' سے مقام نفی مقصود ہے، یعنی انسان اپنی ذات کی، ساری مخلوقات کی، اپنے ارادوں کی، اپنی تمناؤں کی، سارے اسباب کی کامل نفی کرے۔ البتہ اثبات کا کمال آخرت میں ہوگا، آخرت میں جب رویت باری تعالی نصیب ہوگی تب اثبات "الاالـلّٰـه" کا کمال نصیب ہوگا۔ البتہ یہاں بھی ایک نکتہ ملحوظ رہے کہ حضرت سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں معراج پر تشریف لے گئے تھے، اوراثبات کے فیوضات لے کر آئے، تو" الاالـــــلّٰـــــــــــه" کی تکمیل حضرت رسو

---

(۱)　مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب :۱۴۵۔

(۲)　مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب :۹۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، یہاں ایک بات کہی جاتی ہے کہ کلمۂ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے کامل ومکمل ہوگیا، اسی وجہ سے یہ معنی بھی ہوگئے ہیں کہ تجلّی ذات کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں اس دنیا میں بھی ثابت کرتے ہیں، اور دوسروں کے لئے آخرت کے وعدوں پر موقوف کرتے ہیں، اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی سارے انبیاء علیہ السلام کو تجلی کا وعدہ آخرت میں اور اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تجلی اسی دنیا میں ملی معراج کے ذریعے سے۔

تو اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اسباق کی ترتیب میں پہلے لطائف پر اللہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے، جس میں ماسوی کی نفی تو ہو جاتی ہے، لیکن ذکر کے اثرات طبیعت میں ہوتے ہیں، چوں کہ اثبات کا جو کرتا ہے، اللہ، اللہ، اللہ اب کسی طرف دھیان نہیں، لیکن اللہ کی طرف تو دھیان ہے، تو یہ ایک کیفیت ہے، تو یہاں پر جاکر حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ :

> ''ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ اگرچہ تم نے ماسوی کی نفی کردی، لیکن جو اپنے اندر اللہ کے ذکر کا احساس ہے، یہ بھی تو ماسوی ہے، یہ (احساس) اللہ تو نہیں ہے نا؟ لہذا اس کی بھی نفی کرو! لہذا تہلیل کا سبق اس کے بعد لائے، تاکہ انسان کے من میں جھاڑو پھر جائے، ہر کیفیت ختم ہو جائے''۔ (۱)

چنانچہ سلوک کا آٹھواں اور نواں سبق تہلیل یعنی نفی کا سبق ہے، لا کی تلوار چلا کر اس میں احساس تک کی نفی کردی جاتی ہے۔ یہاں ایک بات ملحوظ رہے، جو حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے سنئے کہ: حضرت سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ :

> ''کلمہ طیبہ نفی واثبات کے تکرار کے وقت کلمۂ مبارک محمد رسول اللہ کو بھی اس کے ساتھ ملائے یا نہ ملائے اگر ملائے بھی تو کتنی مرتبہ کے بعد ملائے؟ جواب :

---

(۱)　مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی، مجددی، مدارج السلوک :۱۱۸۔۱۱۹۔

(کسی) مرتبہ کا کوئی تعین نہیں ہے، ہر دس یا بیس یا ہر پچاس یا سو کے بعد ملائیں، اوراس کلمہ کے تکرار سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کریں، تا کہ اپنے ارادوں سے پوری طرح خالی ہوجائیں، اور واحد حقیقی اور مطلب تحقیقی کے سوا کچھ مقصود نہ رکھیں، اپنی مراد تلاش کرنا بندگی کے مقام کے لائق نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ جو تیرا مقصود ہے، وہ تیرا معبود ہے‘‘۔ (۱)

دراصل کلمۂ طیبہ کا ذکر بقاوفنا کے دروازے کھلتا ہے، اسی لئے حضرات مشائخ کرام نے سلوک میں پہلے اسم ذات ’’اللہ‘‘ کے سبق رکھے، اس کے بعد کلمہ کے اسباق، تا کہ تمام گناہوں سے جان چھوٹ جائے، چوں کہ یہ ماسوا کی کامل نفی کردیتا ہے لہٰذا اس سے بندے کے اوپر فنا کے دروازے کھل جاتے ہیں، یوں تہلیل کے بعد کا سبق گویا فنا کا سبق ہے، جسے مراقبہ احدیت کہا جاتا ہے۔

طریقۂ نفی واثبات اوراس کی تعداد :

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں نفی اثبات کے طریقے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

’’اس کا طریقہ یہ ہے کی زبان کو تالو سے لگائے اور سانس کو ناف کے نیچے روکے اور کلمۂ الہ کو وسط سر سے دائیں کندھے پر لائے اور الا اللہ کو دائیں کندھے سے دلِ صنوبری پر جو بائیں پہلو میں واقع ہے لائے، اس مجموعہ کا نقش لائے معکوس کی طرح ہوجاتا ہے اور اس کلمات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا خیال کے ساتھ ہونا چاہئے، اور اعضاء اور سانس کو حرکت نہ دے، اور سانس ناف کے نیچے رکا رہے، اور سانس کو جب تک روک سکے اس کلمہ کو کہتا رہے، لیکن ہر سانس میں طاق عدد کہے، جفت نہ کہے، اسی لئے اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں، اور جب سانس میں تنگی محسوس ہو تو اس کو چھوڑ دے، اس کے بعد پھر سانس روکے، اور سابقہ

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب :۱۴۲۔

طریقوں کے مطابق ذکر مذکور کہے، پھر اسی طرح کرے پھر اسی طرح کرے (اور) پھر اسی طرح کرے‘‘۔(۱)

حضرت نے اس کے بعد فرمایا کہ :

’’اور ذکر نفی و اثبات کی تعداد اور وقت معین نہیں ہے، جس وقت چاہے کرے، اور جب تک سانس ساتھ دے کہتا رہے، خواہ کسی عدد تک پہنچے، لیکن طاق کہے جفت نہ کہے، اور اسی وجہ سے اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں، اور اگر کسی وقت حبس دم نہ کرسکے تو حبس دم کے بغیر کہے، کیوں کہ حبس دم لازمی شرط نہیں ہے‘‘۔ (۲)

دسواں سبق

مراقبۂ احدیت :

اس سلسلۂ طریقت میں سلوک کا پہلا حصّہ وہ سات اسباق ہیں جو اللہ جل جلالہ کے نام کے ذکر سے طے ہوتے ہیں، جسے زبان سے نہیں کیا جاتا بلکہ دھیان میں سنا جاتا ہے، گویا سالک کا دل پڑھ رہا ہے زبان نہیں۔ دل جو پڑھ رہا ہے اسے گویا وہ سن بھی رہا ہو۔ اللہ تعالی کی شان دیکھئے کہ اس طرح ذکر کرنے سے سالک کو یہ کیفیت واضح محسوس ہونا شروع ہوجاتی ہے، دوسرے الفاظ میں اسے اللہ اللہ کا ادراک بھی کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد سلوک کے دوسرے حصّے میں تہلیل کے اسباق ہیں، جس میں لا الہ الا اللہ پڑھنے سے ترقی ہوتی ہے۔ جس سے سالک طریقت کا دل منور ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ سالک کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ یہ کلمہ سینے میں نور بھر دیتا ہے، تہلیل کے سبق سے سالک طریقت کے بہت سے روحانی مقامات طے ہوجاتے ہیں، پھر ان تمام اسباق کے بعد سالک طریقت کے اگلا سبق ہوتا ہے، ترتیب کے اعتبار سے جو دسواں سبق ہے، جس کا نام مراقبۂ احدیت ہے، بات یہ ہے کہ یہ سبق در اصل سالک کے لئے ایک تیسرا

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب :۱۱۳۔

(۲) مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب :۴۳۔

طریقۂ ذکر ہے، جسے فکر بھی کہتے ہیں۔

اردو زبان میں فکر سوچ کو کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ ذکر الگ چیز ہے اور فکر ایک الگ چیز، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ تو اس سبق میں سالک صرف اپنے دل میں ایک سوچ لئے بیٹھ جاتا ہے، جو اس کے پورے جسم پہ اثر انداز ہوتی ہے، سالک اپنے دل میں فیض آنے کی نیت لئے بیٹھ جائے تو اس کی اس نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ معاملہ ہوگا، حضرات مشائخ کرام نے مندرجہ حدیث قدسی سے اس کی دلیل لی ہے کہ :

انا عند ظن عبدی بی . (۱)

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں''

تو جب سالک طریقت اپنے دل میں یہ گمان لے کر بیٹھ جاتا ہے کہ میرے دل میں انوار آرہے ہیں، دل میں سما رہے ہیں، دل کی ظلمت واندھیاری ڈھل رہی ہے، اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے تو حدیث کے مطابق کہ **وانما لکل امرئ مانوی .** (۲) ''اور بندہ کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے'' کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہی معاملہ فرمائیں گے۔

تو تہلیل کے بعد سے ہے، اس میں صرف فیض وارد ہونے کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ جس کی نیت اس طرح ہے کہ: فکر کا پہلا سبق جو اس طریقہ میں ہوتا ہے، اس کا نام مراقبہ احدیت ہے:

''میرے لطیفۂ قلب پر اس ذات والا صفات سے فیض آرہا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کی جامع ہے، اور جملہ عیوب ونقائص سے منزّہ و پاک ہے، اور اسم مبارک اللہ کا مسمّٰی ہے اور مورد فیض میرا لطیفۂ قلب ہے''۔

جب سالک طریقت نے یہ نیت کی اور مراقبہ میں بیٹھ گیا تو اس کے ذریعے سے اس کی روحانی ترقی شروع ہوجاتی ہے، اور جو لوگ اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب کے متعلق سوچتے ہیں تو اس سے اللہ جل شانہ کی معرفت میں قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی مخلوقات پر غور وفکر کرتے ہیں، اسے قرآن حکیم میں اولوا لالباب کہا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ابن ماجۃ: ۳۸۲۲۔

(۲) بخاری: ۱/۱۔

نے اللہ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ وہ وراء الوراء ہے، سوچ سے بالکل بالاتر ہے، سوچ کی مجال نہیں کہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو سما سکے، یوں انسان کی عقل اللہ کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو! اس سے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ واقعی اس کائنات کو ایک پیدا کرنے والا بھی ہے۔

سالک اس دسویں سبق میں ذکر نہیں کرتا، ذکر تو ساتویں سبق میں ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد تہلیل آٹھواں اور نواں سبق میں تھی، اس کے بعد فکر کے مراقبے ہیں، تو مراقبۂ احدیت میں فقط ابتدا میں نیت کرنی ہوتی ہے، اور خاموش بیٹھنا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت وانوار برستے ہیں، بندہ جیسی نیت کرے ویسی برکتیں آتی ہیں، ذات سے فیض آتا، صفات سے آتا اور شیونات سے آتا ہے، اور اتنا فیض ملتا ہے کہ سالک کو ذکر میں استغراق حاصل ہوجاتا ہے، اس سے فنائیت کی کیفیات آتی ہیں، اور ذکر اس کے قلب پر اتنا غالب ہوجاتا ہے کہ سالک ذکر میں فنا ہوجاتا ہے، جسے سلوک کی اصطلاح میں فناء فی اللہ کہا جاتا ہے، دراصل راہ سلوک کا یہ ایک نمایاں موڑ ہے، اس مراقبۂ احدیت میں صرف ذات کو مقصود وملحوظ رکھا جاتا ہے صفات کو نہیں۔

مراقبۂ احدیت تک سالک کی سیر دائرۂ امکان تک ہوتی ہے، اس کے بعد سلوک کا رخ ہی دوسرا ہوجاتا ہے، گویا ذکر اسم ذات اور تہلیل کا ذکر لطائف کے اندر استعداد پیدا کرنے کے لئے تھا جبکہ فکر کا مراقبہ اصل مقصود تھا۔ مراقبۂ احدیت کے بعد سب فکر کے مراقبے ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ :

دائم الفکر متواصل الخزن. (۱)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غم زدہ اور فکر مند رہا کرتے تھے۔ اس سے یہی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس غم وفکر سے اتنے انوار وبرکات کی بارش ہوتی تھی کہ آپ ان انوار وبرکات کے حصول میں مستغرق ہوجاتے تھے۔ اس لئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

(۱) شمائل ترمذی : ۲۲۵۔

لی مع اللہ وقت . (۱)

''میرا اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے''

جب سالک طریقت کو مراقبۂ احدیت تک کی کیفیات مل جاتی ہیں تو اس کو بھٹکنے اور پھسلنے کے امکانات نہیں رہتے، اور وہ اللہ تعالی کی حفاظت میں آجاتا ہے۔

اسباقِ مشاربات :

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں سالک طریقت کی روحانی ترقی کی ابتدا عالم امر سے ہوتی ہے، اور سالک پانچ لطائف پر سبق کرتا ہے، یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔

پھر اس کے بعد آفاق میں سیر ہوتی ہے، جس کے دو لطائف ہیں یعنی نفس اور قالب، پھر اس کے بعد تہلیل کے اسباق ہیں، جب سالک ان سب پر محنت کرتا ہے تو اس کو فنا نصیب ہوتی ہے، البتہ یاد رہے کہ یہ فنا اعتبارات میں ہوتی ہے جو ابتدائی درجہ کی فنا ہے۔

فنا کی ابتدائی کیفیت کسبی ہوتی ہے، جب سالک محنت کرتا، مجاہدہ کرتا، روتا دھوتا ہے تو یہ ملتی ہے، اس کے بعد اللہ تعالی کو پیار آجاتا ہے تو پھر کامل فنائیت ملتی ہے۔ اور یاد رہے کہ فنائے کامل کا معاملہ اللہ تعالی کی عنایت سے وابستہ ہے۔

بندہ کا ذمہ رونا دھونا اور محنت ومشقت کرنا ہے، یہ ساری مبادیات کسبی ہیں، جب یہ پہلا قدم سالک کو حاصل ہوجاتا ہے تو اس سے غفلت چلی جاتی ہے، اور اس کی زندگی نیکی وتقوی شعاری میں گزر رہی ہوتی ہے۔ طریقت وسلوک کی اصطلاح میں اس مرحلہ کو ''دائرۂ امکان'' کہا جاتا ہے، یعنی آفاق وانفس کو دائرہ امکان کہا جاتا ہے۔

اب اس سے اوپر سالک کو مختلف طرح کے کمالات ملتے ہیں، حضرات انبیاء ورسل جتنے ہیں ان سب کو اور اس پوری کائنات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے فیض ملا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالی کی کامل تجلیات اتریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ لطائف سے مختلف اولوالعزم انبیاء نے فیض حاصل کیا ہے، اور یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شان جامع کا فیض اترا ہے۔

---

(۱) کشف الخفاء :۲۱۵۹۔

جیسے روشنی رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے ایسے ان سے آگے مختلف رنگوں کا فیض حضرات انبیاء علیہم السلام کو ملا ہے، چنانچہ :

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو تجلیات افعال کا فیض لطیفۂ قلب کے ذریعہ سے ملا۔

(۲) حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو صفات ثبوتیہ کا فیض لطیفۂ روح کے ذریعہ سے ملا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیونات ذاتیہ کا فیض لطیفۂ سر کے ذریعہ سے ملا۔

(۴) حضرت عیسی علیہ السلام کو صفات سلبیہ کا فیض لطیفۂ خفی کے ذریعہ سے ملا۔

اولوالعزم انبیاء کو بھی فیض حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملا، آپ کے مختلف لطائف سے ان کے مختلف لطائف میں پہنچا، اب دنیا کے کسی بھی سالک کو جو فیض ملتا ہے تو وہ مختلف لطائف پہ ملتا ہے، مثلا =

(۱) قلب پہ ملے گا تو تجلیات افعال کا فیض ملے گا۔

(۲) روح پہ ملے گا تو صفات ثبوتیہ کا فیض ملے گا۔

(۳) لطیفۂ سر پہ ملے گا تو شیوفات ذاتیہ کا فیض ملے گا۔

(۴) لطیفۂ خفی پہ ملے گا تو صفات سلبیہ کا فیض ملے گا۔

(۵) اور لطیفۂ اخفی جو حضرت سیدنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، تو شانِ جامع کا فیض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ جامع سے ملے گا۔

ان ساری چیزوں کا مطلب یہ ہوا کہ سالک کو جو پانچ ولایتیں ملتی ہیں یعنی :

(۱) لطیفۂ قلب کی ولایت۔

(۲) لطیفۂ روح کی ولایت

(۳) لطیفۂ سر کی ولایت

(۴) لطیفۂ خفی کی ولایت

(۵) لطیفۂ اخفی کی ولایت

جو مختلف انبیاء کرام کے زیر قدم ہیں۔ وہ اس لئے کہ انبیاء کو چوں کہ اس صفت سے فیض ملا اور آج سالک طریقت کو بھی اس صفت ہی سے فیض مل رہا ہے تو سالک ان کے پیچھے چلا اور ان کے قدم پر آیا، تو بعض حضرات نے اس کا نام ''مشرب'' بھی رکھ دیا ہے، مشرب اس کو کہا جاتا ہے کہ جس سے پانی پیا جائے، جبکہ مشروب پینے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ہر سالک طریقت کے مذکورہ پانچ لطائف میں سے کوئی ایک لطیفہ نمایاں ہوجاتا ہے اور جیسا لطیفہ نمایاں ہوگا تو اس کی عادات وحالات اس طرح کے ہوں گے۔ چاہے اس کو پتہ چلے یا نہ چلے، طریقت کی اصطلاح میں سالک کے حالات کے مطابق اس کا مشرب کا حال بھی لکھ دیا گیا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک ابراہیمی المشربی ہے، فلاں موسوی المشربی ہے، فلاں عیسوی المشربی اور فلاں محمدی المشربی ہے، بس سالک طریقت کا ایک اپنا مشرب ہوتا ہے۔ البتہ اس سے پہلے یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ آیا لطائف پہ ہوتا کیا ہے؟

(گیارھواں سبق)

تجلیات افعالیہ کا فیض :

مراقبات مشاربات کا پہلا سبق جو اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا گیارھواں سبق ہے لطیفۂ قلب ہے، جس کی یہ نیت ہے:

''یاالٰہی ! تجلیات افعالیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ قلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفۂ قلب میں القا فرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ قلب میں القا فرماوے''۔

جب سالک پر تجلیات افعالیہ کا فیض آتا ہے اس پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ہیں، یعنی فعال لما یرید کا راز اس پر کھل جاتا ہے۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے، ظاہر میں ایسا لگتا ہے کہ بندہ یہ کام وہ کام کر رہا ہے مگر درحقیقت اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ومنشا ہوتی ہے، یوں جبھی سالک ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہوا دیکھتا ہے تو وہ اپنے ارادوں کی نفی کردیتا ہے، اور اس کی نظر میں مخلوق سے امیدیں کھٹ جاتی ہیں، اور ساری اس کی امیدیں

اللہ تعالیٰ سے لگ جاتی ہیں۔ اور اس کی اس کیفیت کو ''تبتل'' کہا جاتا ہے جیسے کہ فرمان الٰہی ہے :

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا. (۱)

''اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو اور سب سے کٹ کے اس کی طرف متوجہ رہو''۔

اس سبق پر پہنچ کر مدح وذم برابر ہوجاتی ہے، کوئی تعریف کرتا ہے تو سالک پھولتا نہیں، اگر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے کہا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے کہوا رہا ہے، اسی طرح اگر کوئی برا کہتا ہے تو وہ سالک غصہ کرتا نہیں، اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے یہ نکلوا رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سالک جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے دنیا کا نفع اور نقصان بھی برابر ہوجاتا ہے۔ غرض تجلیات افعالیہ کا سبق کرنے سے سالک سراپا تسلیم ہوجاتا اور سوچتا ہے کہ مالک اس کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے وہ مالک سے ہر حال میں راضی ہے۔

(بارھواں سبق)

تجلیات صفات ثبوتیہ کا فیض :

تجلیات افعالیہ کے بعد والے سبق جو اس طریقۂ عالیہ کا بارھواں سبق ہے اس کو تجلیات صفات ثبوتیہ کا سبق کہا جاتا ہے، جو لطیفۂ روح کا سبق ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح کے ہیں۔

(۱) ایک ثبوتیہ کہلاتی ہیں۔

(۲) دوسری سلبیہ کہلاتی ہیں۔

صفات ثبوتیہ آٹھ ہیں، مثلاً حیوۃ، علم، قدرت، سمع، بصر ارادہ وغیرہ، اس کا فیض سیدنا ابراہیم اور سیدنا نوح علیہم السلام کو ملا تھا، اس میں یہ نیت کی جاتی ہے۔

''یاالٰہی: تجلیات صفات ثبوتیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ روح سے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے لطیفۂ روح پر القا فرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ روح میں بھی القا فرمادے''۔

---

(۱) سورۃ المزمل : ۸ ۔

اس سبق میں سالک کی نظر سے اپنی صفات زائل ہو جاتی ہیں، اور جب اس مقام میں سالک لطیفۂ روح کی فنائیت حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اوپر صفات باری تعالیٰ کا اثر آجاتا ہے، اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی صفات میں گم ہو جاتی ہے، اس کے اندر وہ صفات آجاتی ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ :

تخلقوا باخلاق الله .

اور جب یہ صفات آجائیں تو سالک قرب کا مقام پالیتا ہے، اور اسے وہ درجہ ملتا ہے جس کے متعلق فرماتے ہیں :
ولایزال عبدی یتقرب الی النوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر فیه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سئالنی اعطینه . (۱)

''پھر میں وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں وہ اسے عطا کرتا ہوں'' اس مقام میں کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ÷ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(تیرھواں سبق)

تجلیات شیونات ذاتیہ کا فیض :

تجلیات صفات ثبوتیہ کے بعد لطیفۂ سر پر تجلیات شیونات ذاتیہ کا سبق ہے، اس طریقۂ عالیہ میں یہ تیرھواں سبق ہے، سالک اس میں یہ نیت کرتا ہے :

''یاالٰہی! تجلیات شیونات ذاتیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ سر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ سر میں القا فرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ سر میں بھی القا فرمادے''۔

یہاں ایک نکتہ سمجھ لیجئے کہ تین الفاظ ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کی ذات دوسرا اس کی صفات اور تیسرا

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی، مجددی۔ مدارج السلوک، ص:۱۶۳۔

اس کے شیونات، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذلت کو ہم کانتے ہیں، پھر دوسرا اس کی صفات ہیں، جن کے متعلق حضرات مشائخ کرام کا کہنا ہے کہ ''لاھو ولا غیرہٗ'' پھر تیسرا شیونات ہیں، جو شان کی جمع ہے، شان کو سمجھانے کے حوالے سے حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ :

''اس کو ذرا اس مثال سے سمجھاتے ہیں کہ ایک عورت کی ذات ہوتی ہے دوسری اس کی صفات ہوتی ہیں۔ مثلاً ایمان والی ہے، نیکوکار ہے، پردہ دار ہے، پڑھی لکھی ہے، ذہین ہے، اچھے خاندان سے ہے، یہ سب اس کی صفات ہیں۔ تیسرا اس کی شیونات ہوتی ہیں، شان کے معنی اس عورت کے ناز و انداز ہیں، چناں چہ بعض لوگ نقش نین کے لحاظ سے تو بڑے خوب صورت ہوتے ہیں، مگر ان میں کشش نہیں ہوتی، ان کے انداز ناز نخرہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگوں کو اللہ یہ نعمت دے دیتا ہے۔ تو اس ناز کو عربی میں شان کہتے ہیں''۔ (۱)

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نے بس مثال سے شان خدا کو سمجھایا ہے، ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ جب دنیا میں ایک عورت کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو رب کریم کی صفات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں، اس طرح رب کریم کے شیونات کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے، اسی لئے تو قرآن کریم میں ارشاد باری ہے کہ : **کل یوم هو فی شان** ''ہر دن اس کی ایک نئی شان ہے''۔

محبوب کے ہر روز نئے جلوے ہیں تو محبّ کے دل میں محبت کا ایک نیا دلولہ ہے، اللہ تعالیٰ کے جلووں کی کوئی انتہا نہیں تو عاشق صادق کے ولولوں کی بھی انتہا نہیں۔ ایک عاشق صادق کو ہزار سال کی عمر بھی ملے تو بھی وہ تھکے گا نہیں، روز ایک نئی مستی کا عالم ہوگا، روز نیا لطف ہوگا، روز اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک نیا جذبہ ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جلووں کو سلوک وطریقت کی اصطلاح میں شیونات کہتے ہیں۔

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی، مجددی۔ مدارج السلوک، ص:۱۶۳۔

شیونات ذاتیہ کا فیض حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملا، اور یہ مقام مشاہدہ کہلاتا ہے، اس مقام میں سالک اپنے آپ کو گم پاتا ہے، اور اسے محبوب ہی کی شان نظر آتی ہیں۔ اسی سبق پر اکثر سالکین کی کیفیت حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل شعر کا مصداق بن جاتی ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ÷ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(چودھواں سبق)

تجلیات صفات سلبیہ کا فیض :

تجلیات شیونات ذاتیہ کے بعد طریقت میں تجلیات صفات سلبیہ کا سبق ہے، اور ترتیب کے اعتبار سے یہ چودھواں سبق بھی ہے، اس میں لطیفۂ خفی پر مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہے کہ:

''یاالٰہی! تجلیات صفات سلبیہ کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ کے لطیفۂ خفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ خفی میں القافرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ خفی میں بھی القافرمادے''۔

تو اس مقام میں سالک کو صفات سلبیہ کا فیض حاصل ہوتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ اس فیض کی وجہ سے سالک کے اندر سے بشری صفات سلب ہو جاتی ہیں، اور اس میں ملکوتی صفات آجاتی ہیں۔ اس مقام پر بعض بڑوں نے، یطعمنی ویسقینی، یعنی رب ہی مجھے کھلاتا ہے اور رب ہی مجھے پلاتا ہے، چنانچہ بسا اوقات سالک طریقت کی بھوک ہی ختم ہو جاتی ہے، اسی مقام پر اکثر مشائخ کرام کی بھوک کم ہو جاتی تھی، ان کا کھانا پینا بالکل کم ہو جاتا تھا۔ ساری راتیں عبادت کرتے نہیں تھکتے تھے، ان کے اندر روحانی قوت آجاتی تھی۔

اس مقام پر سالک کو سلبی توجہ ملتی ہے، وہ کسی کمال کا انتساب اپنی ذات پر نہیں کرتا۔ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرّہ کہ سالک اپنے آپ کو فاسق، فاجر اور فرنگ سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔

(پندرھواں سبق)

تجلیات جامع کا فیض

تجلیات صفات سلبیہ کے بعد سالک کو تجلیات جامع کا سبق ملتا ہے، اس طریقۂ عالیہ میں ترتیب کے اعتبار سے یہ پندرھواں سبق ہے، جس کی نیت یہ ہے:

''یاالٰہی! شان جامع کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ اخفی مبارک میں القافرمایا تھا، پیران کبار کے طفیل میرے لطیفۂ اخفی میں بھی القافرمادے''۔

صفات شیونات اور ذات سب کے مجموعہ کو شانِ جامع کہا جاتا ہے، یہ تجلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی، چناں چہ اس سبق کے ملنے پر جن کا یہ لطیفہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے، وہ اس سے وافر فیض پاتے ہیں۔ ان کے اندر محبوبیت آتی ہے، ایسے اخلاق عظیمہ آجاتے ہیں کہ انسان

وانّک لعلی خُلقٍ عظیم (۱)

''بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں'' کا نمونہ بن جاتا ہے، اور تصوف کا جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر سے اخلاق ذمیمہ ختم ہو جائیں اور اس کی جگہ اخلاق حمیدہ آجائیں۔ اور اس سبق پر پہنچنے تک بندے کے مقامات عشرہ طے ہو جاتے ہیں، اس کے اندر رحیمیت آجاتی ہے، طبیعت رحیم وکریم ہو جاتی ہے، جیسے حدیث پاک میں ہے۔

الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (۲)

حضرت سید الاوّلین والآخرین، شافع المذنبین رحمۃ للعالمین کی غلامی کے صدقے سے پھر ان کی اتباع کے کمال کی وجہ سے بندے کو اس میں سے حصہ نصیب ہوتا ہے، اس کے دل میں امت کا غم آجاتا ہے اور مخلوقات خداوندی پر رحم آجاتا ہے۔

تو مذکورہ بالا پانچ سبق کو اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں مراقبات مشاربات کھلاتے ہیں۔ اور سالک طریقت کو جب مشاربات میں فنا حاصل ہوتی ہے، یعنی :

(۱) لطیفۂ قلب کو تجلیات افعالیہ میں فنا۔

---

(۱) سورۃ القلم : ۴ ۔

(۲) ترمذی شریف :۱۱۲۴۔

(۲) لطیفۂ روح کو صفات ثبوتیہ میں فنا۔

(۳) لطیفۂ سر کو شیونات ذاتیہ میں فنا۔

(۴) لطیفۂ خفی کو صفات سلبیہ میں فنا۔

(۵) لطیفۂ اخفی کو شان جامع میں فنا۔

تو ظاہر ہے کہ یہاں تک جتنا تھا وہ دائرۂ ولایت صغری میں تھا، گویا سالک کو دائرۂ ولایت صغری میں فنا حاصل ہوجاتی ہے، اب یہاں فنائیت کے حوالے سے مختصر سی باتیں درج کرتے ہیں۔

(۱) لطیفۂ قلب میں جب تجلیات افعالیہ میں فنا حاصل ہوتی ہے تو سالک اللہ تعالی کی یاد میں مستغرق ہوجاتا ہے۔

(۲) فنائے روح کی علامت یہ ہے کہ تجلیات صفاتیہ کا ظہور ہوں، یعنی سالک کی صفات معدوم ہوجائیں اور اس کی جگہ صفات حق ظاہر ہوجائیں۔

(۳) فنائے سر کی علامت یہ ہے کہ سالک کی ذات، حق تعالی کی ذات میں فنا ہوجاتی ہے۔

(۴) فنائے خفی کی علامت ظاہر کے مظاہر سے الگ ہونا ہے، یعنی حق باطل سے ممتاز ہوجاتا ہے، اور وحدت کثرت سے ممتاز ہوجاتی ہے۔

(۵) فنائے اخفی کی علامت یہ ہے کہ سالک خدا کے اخلاق کو اختیار کرلیتا ہے، یعنی تمام رزائل اخلاق حسنہ میں بدل جاتے ہیں۔ اس مقام پر سالک وانک لعلی خلق عظیم کے مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے۔

(سولہواں سبق)

مراقبۂ معیّت / مقام احسان :

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے سولہویں سبق کو مراقبہ معیت کہتے ہیں۔ لطیفۂ اخفی تک پندرہ اسباق ہوچکے تھے۔ یہاں دوبارہ لطائف پر مراقبات کرنے کے بعد مراقبۂ معیت ہے، مگر فرق یہ ہے کہ پہلے سات اسباق میں اعتبارات کی سیر تھی، پھر مشارات میں ظلال کی سیر تھی، اب مراقبۂ معیت کے بعد اسماء

وصفات میں سیر ہوتی ہے، مراقبۂ معیت میں انسان کو معیت الٰہی کا استحضار حاصل ہوتا ہے، **وھو معکم اینما کنتم** (۱) ''وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو'' لیکن اس کا استحضار ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ اب سولہویں سبق کی یہ خوبی ہے کہ اس سبق پر پہنچ کر سالک کو اللہ تعالی کی معیت کا ہر وقت استحضار رہتا ہے، جس کا دوسرا نام احسان ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

أن تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (۲)

اس مقام پر سالک کی ہر وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے، یوں عمومی طور پر مقام احسان کی کیفیت سالک کو مراقبۂ معیت پہ حاصل ہوجاتی ہے۔ عمومی طور پر مشائخ کرام اس سولہویں سبق پر سالک کو ولایت کی استعداد دیکھتے ہوئے اجازت وخلافت کی خوش خبری دے دیتے ہیں۔

مراقبۂ معیت میں سالک طریقت کو اپنی ذات اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ اللہ تعالی کی معیت سمجھ میں آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معیت ہر ذرے کے ساتھ کیسے؟ اسے علماء علمی طور پر جانتے ہیں، جبکہ مشائخ کرام اس کو ذوقی انداز سے سمجھتے ہیں۔ مراقبۂ معیت کے سبق کی نیت یوں کریں گے کہ :

''اس ذات پاک سے جو میرے ساتھ اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ، جس کی صحیح کیفیت حق تعالی ہی جانتا ہے میرے لطیفۂ قلب پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشاء ومبدا ولایت صغری کا دائرہ ہے، جو اولیاء عظام کی ولایت اور اسماء وصفات مقدسۂ الٰہی کا ظل ہے''۔

اس مقام میں **لاالہ الا اللہ** کا زبانی ذکر اس طرح کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف ہو اور قلب کی توجہ اللہ تعالی کی طرف، معنی کی رعایت کے ساتھ بہت فائدہ دیتا ہے۔

ولایت کبری ولایت علیا کے اسباق :

قارئین کرام جان چکے ہوں گے کہ مراقبۂ معیت تک طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے سولہ اسباق ہیں، اب اس کے آگے ولایت کبری کی سیر ہوتی ہے، جو انبیاء کرام کی ولایت ہے، گویا جہاں اولیاء کی ولایت ختم ہوجاتی ہے وہاں سے انبیاء کی ولایت شروع ہوتی ہے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ولایت صغری کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کی اتباع کی برکت سے ولایت کبری کا

---

(۱) سورۃ الحدید : ۴۔

(۲) صحیح البخاری : ۱/۲۔

بھی فیض کچھ ملتا ہے، عام سالک طریقت کا بس کہاں کہ ولایت کبریٰ کے مقامات کو جانے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے صدقے اسی دسترخوان کا کھانا پھر اللہ پاک سالک کو عطا کر دیتے ہیں۔

ولایت کبریٰ کے تین دائرے اور ایک قوس ہے، اس حوالے سے حضرت شاہ ابوسعید علیہ الرحمۃ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں :

"جاننا چاہیئے کہ ولایت کبریٰ کے دائرے میں تین دائرے اور ایک قوس یعنی نصف دائرہ ہے"۔

پھر فرماتے ہیں کہ :

"ولایت کبریٰ کے تین دائروں میں سے پہلے دائرے میں اقربیت کی سیر اور توحید شہودی ظاہر ہوتی ہے، اس دائرے کے نیچے کا نصف حصہ اسماء وصفات زائدہ پر مشتمل ہے اور اوپر کا نصف حق سبحانہ کے شیونات ذاتیہ پر مشتمل ہے، اس دائرے تک عالم امر کے لطائف خمسہ کا عروج ہوتا ہے، اور اس دائرے کا مورد فیض لطیفۂ نفس ہے، جس میں لطائف مذکورہ بھی شریک ہیں۔ اس دائرے میں مراقبۂ قربت یعنی آیت شریفہ ونحن اقرب من حبل الورید (سورۃ ق:۸۵) کا تصور کرتے ہیں"۔

اگرچہ انسان کو ولایت کبریٰ پر نفس مطمئنہ مل گئی لیکن باقی تین عناصر یعنی آگ، پانی، ہوا پھر بھی کمال تک نہیں پہنچتے۔ ان کو کامل کرنے کے لئے اس سے اوپر ایک ولایت ہے، جس کو ولایت ملاءِ اعلیٰ کہتے ہیں، جو کہ فرشتوں کی ولایت ہے اس میں باقی تین عناصر کو بھی کمال مل جاتا ہے۔

(ستارھواں سبق)

اقربیت کی سیر :

ترتیب اسباق کے لحاظ سے اس طریقۂ عالیہ میں یہ ستارھواں سبق ہے، اس سبق کے حوالے سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

"جاننا چاہیئے کہ وہ سیر جو افاق وانفس کی سیر کے بعد میسّر ہوتی ہے وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی اقربیت میں ہوتی ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کا فعل بھی ہم سے ہماری نسبت زیادہ نزدیک ہے، اور اسی طرح حق تعالیٰ کی صفت بھی اس کے فعل کی طرح ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے، اور حق تعالیٰ کی ذات بھی ہم سے اور حق تعالیٰ کے فعل وصفت سے ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے، ان مرتبوں کی سیر اقربیت کی سیر ہے"۔ (۱)

پھر فرماتے ہیں کہ :

"اس مقام میں تجلی فعل، تجلی صفت اور تجلی ذات متحقق اور ثابت ہو جاتی ہے، اور وہم کا غلبہ اور دائرۂ خیال سے اس جگہ نجات حاصل ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہم وخیال کے غلبہ کو آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر حکومت وتصرف میسّر نہیں ہے، کیوں کہ وہم کی حد ظل کی انتہا تک ہے، جس مقام پر ظل کا وجود نہ ہو وہاں وہم بھی نہیں ہوتا"۔ (۲)

(اٹھارھواں، انیسواں وبیسواں سبق)

محبت کی سیر :

ولایت کبریٰ کے پہلے دائرہ میں اقربیت کی سیر ہوتی ہے، اس کے بعد دوسرے، تیسرے اور قوس کی سیر محبت میں ہوتی ہے، دراصل مراقبۂ محبت کے تین اسباق ہیں، ترتیب کے لحاظ سے اٹھارویں، انیسوی اور بیسوی ہیں۔ اور ظاہر میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے کسی کی معیت ملتی ہے، اس کے بعد قربت، پھر اس کے بعد کسی کو محبت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا ذوالفقار احمد دامت برکاتہم حضرت شاہ ابوسعید کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

---

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر دوم، مکتوب :۳۰ ۔

(۲) مکتوبات مجددیہ، دفتر دوم، مکتوب :۳۰ ۔

> ''سالک کو جب دائرۂ اقربیت (یعنی پہلے دائرہ) سے عروج ہوگا تو اس کی سیر اصل کی دائرہ میں ہوگی یعنی دوسرے دائرے میں، اور دائرہ اصل سے اصل کی اصل کے دائرے میں ترقی ہوگی یعنی تیسرے دائرے میں اور اصل کی اصل سے تیسری اصل میں یعنی قوس کی طرف سیر ہوگی، اور اسی پہلے دائرے کے نصف تحتانی ونصف فوقانی میں استہلاک واضمحلال پورا حاصل ہوجاتا ہے''۔(۱)

مراقبۂ محبت میں آیت **یحبھم ویحبونہ** (۲) یعنی وہ دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں، اس کے مفہوم کا خیال رکھا جاتا ہے، اور ان دائروں میں مورد فیض وہی نفس ہے، جس سے سالک کا انا مراد ہے۔

یاد رہے کہ ان دائروں میں مراقبہ کرتے وقت سالک طریقت خود کو اپنے خیال میں اس دائرے کے اندر داخل کردیتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اصل اسماء وصفات کے دائرے سے میرے ''انا'' پر محبت کا فیض وارد ہورہا ہے، اور اسی طرح قوس (دائرۂ اصل الاصل) سے جو کہ اصل ثابت ہے اس لطیفہ پر محبت کا فیض آرہا ہے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ ان دائروں میں تہلیل لسانی بلحاظ معنی بھی مفید ہوتا ہے۔

اس دائرہ میں سبق کرنے سے ولایت کبری کے انوار ملتے ہیں، اور سالک کو اسلام کے متعلق شرح صدر ہوتا ہے، اور اسلام کی حقیقی روح سے واقفیت ہوتی ہے، اور اس کی طبیعت شریعت اسلامیہ کے مطابق ڈھل جاتی ہے، مکروہات شرعیہ مکروہات طبیعیہ بن جاتی ہیں، چوں کہ یہ انبیاء کرام کی ولایت ہے، جہاں نفس مطمئنہ ہی ہوگا، یوں سالک طریقت کو بھی اس مقام میں نفس مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے،

کہتے ہیں کہ شرح صدر کی پہنچان وجدانی طریقہ سے ہوتی ہے، شرح صدر کی وجہ سے قضاء وقدر کے جملہ احکامات سے چوں وچرا اور اعتراضات اٹھ جاتے ہیں، اور عروج کرکے تسلیم ورضا کے مقام کو سالک پہنچ جاتا ہے۔

---

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی، مدرج السلوک، ص :۲۱۱۔

(۲) سورۃ المائدہ :۵۴۔

(اکیسویں سبق

مراقبۂ اسم الظاہر :

اسم الظاہر کا یہ سبق بحیثیت ترتیب اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکیسویں سبق ہے، ادھر مراقبۂ معیت کے بعد دوائر اور قوس کے اسباق ولایت کبری کے اسباق تھے، جس میں اقربیت کا ایک سبق اور محبت کے تین اسباق تھے، اب اسم الظاہر کا سبق ہے، اور یاد رہے کہ ولایت صغری اور ولایت کبری کا تعلق اسم الظاہر سے ہے، اور اسم ظاہر اللہ جل سبحانہ کا ایک اسم ہے، اور کائنات میں ہر چیزوں کا ظہور اسم ظاہر کی برکت سے ہے۔ چنانچہ ولایت صغری اور ولایت کبری اسم ظاہر کے دائرے میں ہے، تو اس سبق میں اسم ظاہر کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :

> ''جاننا چاہئے کہ اسم کے ظلال میں اصول اور اس کے مراقب میں سیر کو ولایت صغری سے تعبیر کرتے ہیں، جو کہ اولیاء کی ولایت ہے، اور اسماء وصفات کے اصول میں سیر ولایت کبری کے ساتھ وابستہ ہے، جو کہ انبیاء کرام کی ولایت ہے، اور یہ دونوں ولایتیں اسم الظاہر سے تعلق رکھتے ہیں''۔ (۱)

اسم ظاہر میں مراقبہ کرنے کے بعد اس کے نیچے ولایت صغریٰ ولایت کبریٰ کی ساری کیفیتیں جیسے شرح صدر، قضا وقدر پر یقین کامل وغیرہ حاصل ہوجاتا ہے، سالک کے اندر سے انا ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد اسم باطن کا مراقبہ ہے۔

(بائسواں سبق)

مراقبۂ اسم الباطن :

ترتیب کے لحاظ سے اس سلسلۂ عالیہ کا یہ بائسویں سبق ہے، گذشتہ سبق اسم ظاہر میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہوتی، لیکن اسم الباطن میں اس کے پردے میں ذات ہوتی ہے، بڑا باریک فرق ہے، چنانچہ اس کو آسان لفظوں میں ایسا سمجھا جائے کہ اسم ظاہر میں سیر علم میں ہوتی ہے، اور اسم باطن میں سیر علیم میں ہوتی ہے، اس حوالے سے حضرت خواجہ محمد معصوم فرماتے ہیں کہ :

---

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب :۴۷۔

''اور اسم (یعنی اسم الظاہر) سے گزرنے کے بعد اسم الباطن ہے جو کہ ملاءِ اعلی (فرشتوں کی ولایت ہے، اور اسم الظاہر واسم الباطن کا فرق حضرت قطب المحققین ہمارے مرشدنا قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مکتوبات قدسی آیات میں مذکور ہے، مختصر یہ ہے کہ اسم الظاہر ایک اسم ہے کہ جس میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہے، اور اسم الباطن میں اسم کے پردہ میں ذات ملحوظ ہے''۔ (۱)

پھر حضرت فرماتے ہیں کہ:

''اسم الباطن سے گزرنے کے بعد عروج کی جانب میں انبیاء اور مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کے مراتب کے فرق کے مطابق کمالات نبوت پیش آتے ہیں۔ اور ان کمالات کا حاصل ہونا اصالتاً تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے ہے اور طبعیت ووراثت کے طور پر جسے چاہیں نوازیں''۔ (۲)

عام دستور کے مطابق ولایت ملاءِ اعلیٰ جس کو ولایت علیاء بھی کہا جاتا ہے، ولایت انبیاء سے اوپر ہے، لیکن ولایت علیاء کو ولایت انبیاء پر اگر چہ فوقیت ہے مگر افضلیت نہیں۔ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ بعض امور میں فرشتوں کو بشر پر فوقیت ضرور ہے لیکن کثرت ثواب کے لحاظ سے بشر کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ لہذا بشر کو ان مقامات سے ترقی نصیب ہے، مگر فرشتوں کی ولایت کا مقام متعین ہے، ان کی ولایت ایک درجہ کی ولایت ہے، جس سے اوپر ان کی ترقی نہیں ہے، اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے کہ اس ترقی کا مادہ اس نے خاک میں رکھا ہے۔ نفس مطمئنہ، شرح صدر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وغلامی کی برکت سے سالک فرشتوں کی ولایت کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

پہلی ولایت صغری پھر ولایت کبری وعلیا کی دو ولایتیں ہیں، ان دونوں ولایتوں کے حصول کے لئے بہتریں معاون تہلیل لسانی ہے۔ تہلیل لسانی کے ذریعے ان ولایتوں میں تعاون ہوتا ہے، اس حوالے سے حضرت شاہ ابوسعید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب: ۴۷۔

(۲) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب: ۴۷۔

''اس دائرے میں مورد فیض ان تین عناصر (آب، آتش، باد) کی ولایت ہے، اس میں تہلیل لسانی (کلمۂ توحید کا زبان سے ذکر کرنے) اور طویل قیام وقرأت والی نفلوں سے ترقی ہوتی ہے''۔ (۱)

چوں کہ یہ فرشتوں کی ولایت ہے، اس لئے عنصر خاک پر اس میں فیض نہیں آتا، بلکہ عنصر خاک کے علاوہ باقی تین عناصر یعنی آگ، پانی، ہوا پر فیض آتا ہے۔ جب اسم الباطن کی مکمل سیر ہوجاتی ہے اور سالک اگلے اسباق جیسے کمالات نبوت وغیرہ پر عروج کرتا ہے تو عنصر خاک کا کام پھر سے شروع ہوجاتا ہے۔

ولایت علیا میں کمالات ھوالباطن کی سیر ہوتی ہے، اسی سیر سے تجلی ذات کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمۃ مقامات مظہری میں فرماتے ہیں کہ:

''اس ولایت سے اوپر ملائکہ کی ولایت ہے۔ جسے ولایت علیاء کہتے ہیں، یہاں ''ھوالباطن'' کی سیر ہوتی ہے، اس ولایت کے حاصل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ تجلی ذات کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے بلندتر نبوت رسالت کے کمالات ہیں''۔

(تئیسواں سبق)

دائرۂ کمالات نبوّت:

ولایت صغری، ولایت کبری اور ولایت علیا کے بعد اس سلسلۂ عالیہ میں کمالات کا سبق آتا ہے، جس کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

''اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات خواہ وہ ولایت صغریٰ ہو یا ولایت کبری وعلیا سب کے سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں، اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے مثال کی طرح ہے، اور روشن ہوجاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے'' (۲)

(۱) ملاحظہ ہو ہدایت الطالبین۔

(۲) مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰۔

کمالات نبوت میں قدم رکھنے پر ظلال سے رہائی ہوجاتی ہے،اس حوالے سے حضرت مجددرحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جان لیں کہ ولایت سے مراد قربِ الٰہی جل سلطانہ ہے جو ظلیت کی آمیزش کے بغیر ممکن نہیں،اور حجابات کے پردوں کے بغیر حاصل نہیں،اگر اولیاء کی ولایت ہے تو ظلیت کے داغ سے داغ دار ہے،اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگر چہ ظلیت سے نکل چکی ہے لیکن اسماء وصفات کے حجابات کے پردوں کے بغیر متحقق نہیں ہے،اور ولایت ملاء اعلیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگر چہ اسماء وصفات کے حجابات سے بلند و برتر ہے لیکن شیون واعتبارات ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں،یہ صرف نبوت ورسالت ہی ہے کہ جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہے،اور صفات واعتبارات کے سب حجابات راستے میں ہی رہ جاتے ہیں،لہذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہوئی،اور قرب نبوت ذاتی واصلی ہے ''۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ پھر فرماتے ہیں کہ:

'' جاننا چاہئے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے،لیکن اس منصب کے کمالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں کو بھی پورا پورا حصہ حاصل ہے، یہ کمالات طبقۂ صحابہؓ میں بہت زیادہ ہے، اور تابعین وتبع تابعین میں بھی یہ دولت (کمالات نبوت) کچھ نہ کچھ سرایت کئے ہوتے ہے۔اس کے بعد یہ کمالات پوشیدگی میں چلے گئے،اور ولایت ظلّی (ولایت صغری) کے کمالات کا غلبہ جلوہ گر ہو گیا۔لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرنو تازہ ہو کر غلبہ وشیوع (عموم) حاصل کرلے،اور کمالات اصلی ظہور میں آئیں، اور ظلّی پوشیدہ ہوجائیں، اور مہدی علیہ الرضوان اس نسبت عالیہ کو ظاہر و باطن کے ساتھ رواج دیں'۔(۱)

---

(۱) مکتوبات مجددیہ،دفتر اول،مکتوب :۳۰۲۔

یاد رہے کہ کمالات نبوت منصب نبوت سے مختلف ہیں،یعنی کمالات نبوت کو حاصل کرنے سے معاذ اللہ کوئی امتی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ جاتا،اس حوالے سے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

''امت کے بعض خاص افراد کو تبعیت وراثت کے طور پر کمالات نبوت حاصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص فرد نبی ہوجائے، یا نبی کے برابر ہوجائے، کیوں کہ کمالات نبوت کا حاصل ہوجانا اور بات ہے اور منصب نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے،جیسا کہ اس معنی کی تحقیق حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) مکتوبات قدسی آیات میں تفصیل کے ساتھ مذکورہ ہے''۔(۱)

تبعیت ووراثت کے بطور کمالات نبوت کی طرف راستہ کھلتا ہے،حضرت مجدد الف ثانی کا فرمانا ہے کہ کمالات کی طرف راستہ کا کھلنا صرف اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ مخصوص ہے،دوسرے طریقوں کی انتہاء صرف کمالات ولایت تک ہے،اس سے آگے کمالات نبوت کی طرف ان کے لئے کوئی راہ نہیں، اب حضرت مجدد قدس سرہ کا بیان ملاحظہ ہو کہ :

''اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں میں سات قدموں سے بہتر ہے،یعنی سات قدم ترقی کرنے سے بہتر ہے، یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت ووراثت کے طور پر کمالات نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے۔جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے،دوسرے طریقوں کی انتہاء صرف کمالات ولایت کی نہایت تک ہے،اس سے آگے کمالات نبوت کی طرف کوئی راہ نہیں کھلتی،یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تو یہ کیا ہے کہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کا طریقہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے،چنانچہ اصحاب کرامؓ وراثت کے طور پر کمالات نبوّت کے طور پر ان کمالات سے کافی حصہ پالیتے ہیں''۔(۲)

شریعت اسلامیہ دراصل تمام کمالات چاہئے ان کا تعلق کمالات ولایت سے ہو یا کمالات نبوت سے اصل ہے،اس حوالے سے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :

---

(۱) مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب،۲۹۲۔

(۲) مکتوبات مجددیہ،دفتر اول،مکتوب :۲۸۱۔

"میرے مخدوم! کمالات ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالات نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں، پس ولایت ونبوت کے کمالات میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو شریعت کے دائرہ سے باہر ہو، اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہو"۔(۱)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جس کا عالم خلق سے زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالات نبوت میں زیادہ ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"جس عارف کو عالم امر سے زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت ہوگی، اس کا قدم کمالات نبوت میں بہت زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں، اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا قدم زیادہ تر نبوت میں ہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ میں (عالم) امر کی نسبت غالب ہے، جس کی وجہ سے وہ روحانیوں سے ملحق ہوگئے، اور حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا رخ عالم خلق کی طرف غالب ہے، لہذا انہوں نے مشاہدہ پر اکتفانہ کر کے رویت بصری کی درخواست کی"۔ (۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کمالات نبوت میں عالم خلق کے حصہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

"اے بھائی! کمالات نبوت سے بہت زیادہ حصہ عالم خلق کے لئے ہے۔ عالم امر نے کمالات ولایت سے اپنا پورا حصہ حاصل کرلیا ہے، اور فنا وبقا کو پہنچ گیا ہے، اب عالم خلق کی باری آئی ہے، اور اس کی پستی اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے"۔(۳)

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ فنائے نفس کے حوالے سے اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) مکتوبات معصومیہ دفتر اول، مکتوب: ۶۰۔
(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب: ۳۶۰۔
(۳) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب: ۹۷۔

"اگر اس معنی میں کہیں کہ فنائے نفس کی ابتداء ولایت صغریٰ میں ہے (یعنی) فنائے قلبی کی تو انتہاء ہے لیکن فنائے نفس کی ابتداء ہے) اور اس کا کمال ولایت کبریٰ تک پہنچنے سے بلکہ عناصر اربعہ کے اعتدال کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ کمالات نبوت سے تعلق رکھتے ہیں تو درست ہے کیوں کہ ولایت صغریٰ میں اگر چہ ایک گونہ فنا واطمینان حاصل ہوجاتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ نفس اپنے برے اوصاف سے بالکل مبرا ہوجائے اور اخلاق ذمیمہ سے پوری طرح خالی ہوجائے"۔

کمالات نبوت میں کیا گیا اعمال سالک طریقت کو فائدہ دیتے ہیں، اس حوالے سے حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ہدایۃ الطالبین" سے نقل کرتے ہیں کہ:

"کمالات نبوت کے اسباق میں قرآن مجید کی تلاوت ترتیل کے ساتھ اور نماز پورے آداب کے ساتھ اور وہ اذکار جو حدیث شریف میں ثابت ہیں، اس مقام میں ترقی بخشتے ہیں۔ علم حدیث کے شغل سے اور سنت رسولؐ کی پیروی سے اس مقام میں قوت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے اور قاب قوسین او ادنی کے راز کی حقیقت اس دائرہ میں منکشف ہوتی ہے"۔(۱)

اس مقام میں محبت کا معنی ارادۂ اطاعت ہے، اس حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

اس مقام میں محبت کا معنی ارادۂ اطاعت ہے، جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے، نہ کہ اس سے اور کوئی، اور زائد معنی جو کہ ذوق وشوق کا منشأ ہیں، جیسا کہ بعض صوفیوں نے بھی ایسا گمان کیا ہے"۔(۲)

سالک طریقت اچھی طرح یاد رکھیں کہ دائرۂ کمالات نبوت کا مورد فیض عنصر خاک ہے، اور اس میں عناصر اربعۃ میں اعتدال ہوتا ہے، اور فنائے نفس میں کمال بھی، یہ دائرہ تجلی ذاتی دائمی کا پہلا درجہ ہے۔

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی، مدارج السلوک، ص: ۲۵۹۔
(۲) مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۰۳۔

(چوبیسواں سبق)

دائرۂ کمالات رسالت :

دائرۂ کمالات نبوت کی کچھ باتیں اوپر گزر چکی ہیں، جس کے بعد والا سبق کمالات رسالت کا سبق ہے، جو اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ترتیب لے لحاظ سے چوبیسویں سبق ہے۔ اب بات یہ ہے کہ کمالات رسالات میں فیض مجموعی ہیئت وحدانی پر ہوتا ہے، اور ہیئت وحدانی کا مطلب عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ ہے، یعنی عالم امر اور عالم خلق کے سارے لطائف کو ملا کر سب کے مجموعہ کو ہیئت وحدانی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ''ہدایت الطالبین'' میں لکھتے ہیں کہ :

> ''جاننا چاہئے کہ تجلی ذاتی دائمی میں تین مرتبے مقرر کئے گئے ہیں، پہلے درجے کو کمالات نبوت کہا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور اس درجے میں اس ذات کا مراقبہ کرتے ہیں جو کمالات نبوت کا منشاء ہے۔ اس مقام کا فیض سالک کی ہیئت وحدانی پر وارد ہوتا ہے۔ اس ہیئت وحدانی سے مراد عالم امر وخلق کا مجموعہ ہے، تصفیہ وتزکیہ کے بعد ہر ایک کی ایک دوسری مجموعی ہیئت پیدا ہوگئی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص چاہے کہ مختلف التاثیر چند دواوؤں کی ایک معجون مرکب تیار کرے تو وہ ہر دوا کو الگ الگ کوٹ چھان کر رکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد سب دواؤں کو شکر یا شہد کے قوام میں ملا دیتا ہے، اس طرح ان دواؤں کی ایک دوسری ہیئت اور خواص پیدا ہو جاتے ہیں، اور ان کا نام معجون ہو جاتا ہے، یعنی یوں سمجھئے کہ ہیئت وحدانی لطائف کی معجون کا نام ہے، اس طرح سالک کے لطائف عشرہ سے ایک دوسری ہیئت پیدا ہو جاتی ہے، جو اس مقام سے اور دوسرے بلند مقامات میں بڑی ترقی کرتے ہیں''۔ (۱)

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی، بحوالہ ہدایت الطالبین، مدارج السلوک ص :۲۶۳۔۲۶۴۔

سالک طریقت کو یاد رہے کہ یہ دائرہ یعنی کمالات رسالت کا دائرہ تجلّی ذاتی دائمی کا دوسرا درجہ ہے۔ اور جس طرح عرض کی گئی ہے اس کا مورد فیض ''ہیئت وحدانی'' ہے۔

(پچیسواں سبق)

دائرۂ کمالات اولوالعزم :

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ترتیب کے اعتبار سے دائرۂ کمالات اولوالعزم کا یہ سبق پچیسویں سبق ہے جس کا مورد فیض ہیئت وحدانی ہے، اور یاد رہے کہ یہ تجلی ذاتی دائمی کا تیسرا درجہ ہے، کمالات کے تین دائرے ہیں، دو دائروں کی کچھ باتیں اوپر گذر چکی ہیں، اب ان دائروں میں سے تیسرا دائرہ کمالات اولو العزم ہے، جس کے متعلق حضرت شاہ ابوسعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں کہ :

> ''چوں کہ اس مقام میں اس ذات کا مراقبہ کرتے ہیں جو کمالات اولوالعزم کا منشأ ہے، اس لئے اس مقام میں قرآن کریم کے حروف مقطعات ومتشابہات کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض اکابر کو حبیب خدا کی اتباع کی وجہ سے محبت ومحبوب کے معاملہ میں جیسا کہ اوپر گزرا، ان اسرار کا محرم راز بنا دیتے ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پس خوردہ میں سے خاص نوازش نصیب فرماتے ہیں، جب حضرت پیر دستگیر نے اپنے اس غلام کو اپنی خصوصی توجہ سے سرفراز فرمایا، تو انہی دنوں ان حروف مقطعات میں سے ایک حروف کے اسرار مکشوف ہوئے''۔

(چھبیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت کعبۂ ربّانی :

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ترتیب کے اعتبار سے یہ چھبیسویں سبق ہے، اس میں ایسی نیت کی جاتی ہے کہ :

> ''اس واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں اور جو حقیقت کعبۂ ربانی کا منشأ ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت نماز کو حقائق ثلاثہ کہتے ہیں۔ یہ حقائق کا پہلا راستہ

ہے، جبکہ دوسرے راستہ میں چار حقائق ہیں، یعنی حقیقت ابراھیمیؑ، حقیقت موسویؑ، حقیقت محمدؐ اور حقیقت احمدؐ۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ:

کمالات کے بعد آگے طریقت کے دو راستے ہیں، اب سالک طریقت دائیں بھی جاسکتا ہے بائیں بھی جاسکتا ہے، اس حوالے سے حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی فرماتے ہیں:

''کمالات کے ان تین اسباق کے بعد دو راستے ہیں، جیسے آپ ایک سڑک پر چلتے جائیں تو سامنے ایک دوراہا آجاتا ہے۔ آپ دائیں بھی جاسکتے ہیں بائیں بھی جاسکتے ہیں، دونوں میں سے جو راستہ چاہیں اپنا سکتے ہیں۔ پہلے ایک راستہ تھا جس کو حقائق کا راستہ کہتے ہیں، چنانچہ اس میں حقیقت کعبۂ ربانی، پھر حقیقت قرآن مجید اور پھر حقیقت نماز کے اسباق تھے اور اس کے بعد ''معبودیت صرفہ'' کا سبق آتا تھا۔ سب مشائخ اسی کے ذریعے سالک کو لے کر چلتے تھے، لیکن آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ منکشف ہوا کہ اس کا متبادل راستہ بھی ہے، وہ متبادل راستہ حقائق انبیاء کا ہے، پہلے حقائق اعمال کے تھے جن کو حقائق الہیہ بھی کہا گیا ہے۔ اب حقائق انبیاء کا راستہ ہے، دونوں راستے ایک ہی منزل تک پہنچتے ہیں۔ دائیں طرف سے جائیں گے تو بھی ایک ہی جگہ پر پہنچتے ہیں اور بائیں طرف سے جائیں گے تو بھی اسی جگہ پر پہنچتے ہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ کی مرضی ہے کہ وہ سالک کو جس راستے سے چاہے چلاتے، مگر ہمارے مشائخ کامل ہیں، وہ دونوں راستوں سے گھمادیتے ہیں، سالک کو حقائق الہیہ کے کمالات بھی مل جاتے ہیں، اور حقائق انبیاء کے کمالات بھی مل جاتے ہیں۔ الحمدللہ''۔ (۱)

حقیقت کعبۂ ربانی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی، مجددی، مدارج السلوک۔ ص: ۱۷۰-۱۷۱۔

''جاننا چاہئے کہ صورت کعبہ سے مراد اینٹ پتھر نہیں ہیں کیوں کہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے، اور مسجود خلائق ہے، بلکہ صورت کعبہ باوجود اس کے کہ عالم خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے، بلکہ ایک مبطن (پوشیدہ) امر ہے، جو حس وخیال کے احاطہ سے باہر ہے، اور اس کا تعلق عالم محسوسات سے ہے، لیکن کچھ بھی محسوس نہیں ہے، اور (اگرچہ) تمام اشیاء کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوے ہے، جس نے اپنے آپ کو ہستی کی لباس میں ظاہر کیا ہے، اور جہت میں ہوکر بے جہت اور سمت میں ہوکر بے سمت ہے'' (۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک جگہ میں لکھتے ہیں کہ:

''جہت کعبہ'' حقائق الہی'' تعالی وتقدس کے ظہورات کا مقام ہے، لہذا کعبہ دنیا میں ایک عجوبہ روزگار ہے، جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے'' (۲)

(ستائسواں سبق)

دائرۂ حقیقت قرآن مجید:

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا یہ ستائسویں سبق ہے، اس سے پہلے حقیقت کعبۂ ربانی کی تھوڑی بات چلی ہے، اب حقیقت قرآن مجید کے بارے میں بات کرتے ہیں، اس حوالے سے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۴۔

(۲) ملاحظہ ہو، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۳۔

''حقیقت قرآن مجید سے مراد حضرت ذات کی بے چونی و بے کیفی کی وسعت وفراخی ہے اور حضرت ذات سبحانہ کی وسعت اسی مقام سے شروع ہوتی ہے، اور ایسے حالات وکیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت کا مشابہ ہیں۔ ورنہ اس جگہ پر لفظ وسعت کا اطلاق میدان کی تنگی ہے، اور محبوب حقیقی کے غنچہ دہنی کا شگفتہ ہونا اسی مقام پر معلوم ہوتا ہے۔ پس خوب سمجھ لو اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو! اس مقام پر کلام اللہ کے مخفی راز ظاہر ہوتے ہیں''۔

حضرت آگے فرماتے ہیں :

''میں نے قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حروف کو ایک بے پایاں سمندر پایا، جو کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ مگر اور ایک عجیب تر نکتہ سنو کہ باوجود ان تمام مختلف قصص وحکایات اور امر ونواہی کے قرأت کے وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سے اسرار کھلتے ہیں اور حق سبحانہ وتعالی کی قدرت اور حکمت اور اس کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو! تمام عوام کی نصیحت وتعلیم کے لئے انبیاء علیہم السلام کی قصص وحکایات کا کیوں ذکر کیا گیا ہے، اور بنی آدم کی ہدایت کے لئے احکام شریعت کیوں بیان فرمائے گئے ہیں؟ اور قرآن کریم کے حروف کے اندر کیا کیا کیفیات اور معاملات ہیں کہ حیرت پر حیرت ہوتی ہے، اور وہ ہر حرف میں ایک خاص شان کے ساتھ ظہور فرماتا ہے، اور اپنے جانبازوں کے دلوں کا شکار کرتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے :

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی''

سالک اس مقام پر حضرت ذات سبحانہ کی بے چونی جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کرتا ہے، اور ان مقامات کا مورد فیض سالک طریقت کی ہیئت وحدانی ہے، اور حقیقت کعبۂ ربانی کی طرح اس سبق میں بھی فیض ہیئت وحدانی پر آتا ہے، اور سالک طریقت کی نیت ہے کہ:

''اس کمال وسعت والی بے مثال وبے چوں ذات سے جو منشأ حقیقت قرآن مجید ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

جو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرتا ہے، مراقبہ کے دوران اس کو ایک ثقل محسوس ہوتا ہے، جو اس بات کا بین دلیل ہے کہ اس پر قرآن مجید کا فیض آرہا ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد باقر علیہ رحمۃ فرماتے ہیں کہ :

حضرت خواجہ محمد سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی موتی بکھیرنے والی زبان سے میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید کے انوار کے انکشاف کی علامت غالبًا عارف کے دل پر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہوتا ہے، گویا آیت کریمہ (انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا) میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے''۔ (۱)

(اٹھائیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت صلوۃ :

حقیقت قرآن مجید کے بعد حقیقت صلوۃ کا نمبر آتا ہے، جو اس سلسلۂ عالیہ میں ترتیب کے اعتبار سے اٹھائیسویں سبق ہے، حقیقت صلوۃ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اس مرتبۂ مقدسہ (یعنی حقیقت قرآن مجید) کے اوپر ایک اور بلند مرتبہ ہے، جس کو حقیقت صلوۃ کہتے ہیں، اور عالم شہادت میں اس کی صورت مصلیانِ ارباب نہایت (منتہی نمازیوں) کے ساتھ قائم ہے، اور یہ جو معراج شریف کے واقعہ میں آیا ہے کہ۔ قف یا محمد فان اللہ لصلی۔ ممکن ہے کہ اس میں حقیقت صلوۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو''۔ (۲)

---

(۱) مولانا مفتی محمد باقر لاہوری، کنز الہدایات۔

(۲) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب : ۷۷۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ :

''اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیاز بے چوں ہے کیوں کہ اگر'' حقیقت قرآن'' ہے تو وہ بھی اس حصہ ہے، کیوں کہ نماز مراتب عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہیں، کیوں کہ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے''۔(۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں فرماتے ہیں کہ :

''وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں ہوتی ہے اس میں نفس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے، بلکہ وہ عین لذت کے وقت نالہ وفغاں میں ہوتا ہے''۔

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

''جو سالک اس حقیقت مقدس سے بہرہ ور ہوا وہ ادائے صلوۃ کے وقت گویا اس دنیا سے باہر آجاتا ہے، اور دوسری دنیا میں (عالم آخرت میں) چلا جاتا ہے، اور رویت اخری کا مشابہ حالت حاصل کر لیتا ہے، تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر اللہ اکبر کہتا ہوا حضرت سلطان ذی شان جل جلالہ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے۔ اور حضرت جل جلالہ کی عظمت وکبریائی کی ہیبت سے خود کو محض ذلیل اور ناچیز سمجھ کر محبوب حقیقی پر قربان ہوجاتا ہے، اور قرأت کے وقت موجود موہوب میں جو اس مقام کو سزادار ہے موجود ہو کر حضرت سبحانہ کے ساتھ تکلم اور اس جناب مقدس سے مخاطب ہوتا ہے''۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

''نماز اسی ظاہری صورت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ عالم غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے، جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات وتجلیات سے بالاتر ہے''۔ (۲)

---

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب : ۷۷۔

(۲) مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب : ۸۷۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ :

''جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع وآداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اس قدر) مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت زیادہ بہرور ہوجاتا ہے''۔

(انتیسواں سبق)

دائرۂ معبودیت صرفہ :

حقائق ثلاثہ یعنی حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت صلوۃ کے بعد دائرہ معبودیت صرفہ کا نمبر آتا ہے، یہ دراصل اس طریقۂ عالیہ کا انتیسویں سبق ہے، اور صرفہ کہتے ہیں خالص کو، یعنی یہ خالص معبودیت کا مقام ہے، جو کہ حقیقت نماز سے بھی اونچا ہے، یہاں مراقبہ کرنا ہے، جس کی نیت اس طرح ہے کہ :

''اس ذات محض سے جو معبودیت صرفہ کا منشأ ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''

معبودیت صرفہ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے حوالے سے مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی لکھتے ہیں کہ:

''اور ''حقیقت صلوۃ'' چوں کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ (نماز) اس مرتبہ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے، کیوں کہ معبودیت صرفہ کا استحقاق بھی اسی مرتبۂ فوق کے لئے ثابت ہے، جو کہ ''اصل کل'' ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے، اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے، اگرچہ وہ بے چوں وبے چگوں ہو''۔(۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو، مدراج السلوک، ص : ۲۹۹۔

حضرت پھر آگے لکھتے ہیں کہ :

''اگرچہ معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے لیکن حقیقت صلوۃ میں اور معبودیت صرفہ کے مقامات میں ایک بنیادی فرق ہے، وہ بنیادی فرق یہ ہے کہ تمام انبیاء واولیاء کے قدم صرف حقیقت صلوۃ تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ حقیقت صلوۃ کے بعد معبودیت صرفہ کا مقام ہے، وہاں سیر نظری ہوسکتی تو لیکن اس مقام پر سیر قدمی کسی کو بھی نصیب ہو نہیں ہوسکتی۔ قدمی سیر ختم ہوگئی، کیوں کہ سیر قدمی عابدیت کے مقام تک تھی جو کہ صلوٰۃ کا مقام تھا''۔ (۱)

معبودیت صرفہ میں کلمۂ طیبہ کی حقیقت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :

''کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام (یعنی معبودیت صرفہ) میں متحقق ہوجاتی ہے، اور غیر مستحق معبودوں کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے، اور معبود حقیقی کا اثبات یعنی اس (حق تعالی) کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اس مقام میں حاصل ہوتا ہے، اور عابدیت ومعبودیت کے درمیان کمال درجہ کا امتیاز حاصل ہوجاتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہ جدا ہوجاتا ہے، اور معلوم ہوجاتا ہے کہ لا الہ الاّ اللہ کا معنی منتہیوں کے حال کی نسبت سے لا معبود الا اللہ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں، جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہوچکے ہیں، اور لاموجود، ولاوجود ولامقصود کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے، اور لامقصود کا مرتبہ لاموجود ولاوجود کے مرتبہ سے بلند ہے، کیوں کہ ولامعبود الا اللہ کا دریچہ (کھڑکی) کا ہے''۔ (۲)

---

(۱) مدراج السلوک، ص : ۲۹۹-۳۰۰ ۔

(۲) مکتوب مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب۔۷۷۔

حقائق انبیاء :

معبودیت صرفہ کے مراقبہ کے بعد والے اسباق حقائق انبیاء کے اسباق ہیں، جس میں چار اسباق ہیں :

(۱) دائرۂ حقیقت ابراھیمیؑ

(۲) دائرۂ حقیقت موسویؑ

(۳) دائرۂ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) دائرۂ حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد دو اور اسباق ہیں، پہلا دائرۂ محبّ صرفہ ذاتیہ ہے اور دوسرا دائرۂ لاتعین، اور دائرۂ لاتعین تک اس سلسلہ میں پینتیس اسباق ہیں، اس کے بعد اور کوئی سبق نہیں ہوتا۔ اب حقائق انبیاء کے متعلق حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے سنیئے !

''تعین اوّل حب ذاتی ہے، اور اس حب کے چند درجات اور اعتبارات ہیں، اپنی ذات پاک کی محبت اور اسے حقیقت احمدی (صلے اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں، اور اپنی ذات پاک کی محبت محبوبیت کے امتزاج سے، اس اعتبار کو حقیقت محمدی صلی اللہ علی صاحبھا وبارک وسلم فرماتے ہیں۔ اور اپنی ذات پاک کی محبیت اس کو حقیقت موسیٰؑ فرماتے ہیں۔ اپنی حضرت ذات پاک کی انس کو خلّت کا مرتبہ فرماتے ہیں اور یہ خلّت حقیقت ابراھیمیؑ علی نبینا وعلی جمیع الانبیاء والسلام ہے''۔ (۱)

یہاں ایک بات یاد رکھنی ہے کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے، ان میں سے ایک کو ''محبیّت'' کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ''محبوبیّت'' کہا جاتا ہے، پھر موخر الذکر محبوبیت کی بھی دو قسم ہے، ایک محبوبیت ذاتی اور دوسری محبوبیت صفاتی واسمائی، محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہوا۔ اور محبوبیت صفاتی واسمائی کا ظہور حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام اور تمام انبیاء میں متحقق ہوا۔ اور محبوبیت ذاتیہ کا ظہور حقیقت محمدیؐ وحقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہوا۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی ہے کہ حقائق الہیہ میں سالک کی ترقی محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، الطاف وعنایات سے ہوسکتی ہے، جبکہ حقائق انبیاء علیہم السلام میں ترقی صرف اور صرف محبّت پر موقوف ہے۔

---

(۱) حضرت شاہ غلام علی دہلوی، مکاتیب شریفہ، مکتوب:۲۳۔

(تیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت ابراہیمی:

یہ اس سلسلۂ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا تیسواں سبق ہے، جو حقائق انبیاء کا پہلا مقام ہے، اس میں مراقبہ کیا جاتا ہے، جس کی نیت اس طرح ہے :

''اس ذات سے جو حقیقت ابراہیمیؑ کا منشأ ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

اور اس مقام عالی پر جو کیفیات سالک طریقت کو نصیب ہوتی ہیں اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :

''حضرت حق سبحانہ وتعالی جس بندے کو اپنی خلّت کی دولت سے جو کہ بالاصالت حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز فرما کر اس کو اپنا انیس وندیم بنالیتا ہے اور انس والفت کی نسبت جو خُلّت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے اور جب خُلّت جو انس الفت کے لوازم سے ہے درمیان میں آگئی تو پھر خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی قباحت وکراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر برائی نظر میں رہے تو نفرت وبے الفتی کا باعث ہوگی، جو مقام خلت کے منافی ہے، جو سراسر الفت ہے''۔ (۱)

پھر اسی مکتوب میں حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں :

''خلت بہت عالی مقام ہے اور کثیر البرکات ہے۔ اور عالم مجاز میں بھی جس شخص کو کسی دوسرے کے ساتھ انس والفت اور سکون وآرام ہے وہ سب خلت کے مقام کے ظلال ہیں۔ مثلا وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے، یہ سب اسی خلت کی جنس سے ہے۔ اور اسی طرح ہر حظ، لذت وآرام جو حسین صورتوں اور مظاہر جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خلت ہی سے ہے''۔ (۲)

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب :۸۸۔
(۲) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب :۸۸۔

یہاں ایک بات یاد رہے کہ حقیقت ابراہیمیؑ پر محبوبیت صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے، جبکہ حقیقت محمدیؐ وحقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوبیت ذاتی جلوہ گر ہوتی ہے۔

(اکتیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت موسویؑ :

اس سلسلۂ عالیہ کا یہ اکتیسویں سبق ہے، جس میں مراقبہ کیا جاتا ہے، جس کی یہ نیت ہوتی ہے کہ :

''اس ذات سے جو خود اپنا محبّ وحقیقت موسوی کا منشأ ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

محبّیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت سیدنا موسی علیہ السلام میں ہوا، چنانچہ حقیقت موسوی کے دائرہ کو ''دائرۂ محبت ذاتیہ'' اور دائرۂ ''محبت ذاتیہ صرفہ'' بھی کہتے ہیں۔

''اس مقام پر بسا اوقات بعض حضرات سالکین کی زبان سے بے ساختہ طور پر آیت کریمہ۔ رب ارنی انظر الیک۔ ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن مشائخ کرام کا فرمانا ہے کہ اس مقام میں متحمل ہونا اور کیفیات کو برداشت کرنا زیادہ بہتر ہے''۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام میں درج ذیل درود شریف سے سالک کو ترقی ہوتی ہے:

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه وعلى جميع الانبياء والمرسلين خصوصًا على كليمك موسى عليه السلام .

(بتیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت محمدیؐ :

یہ اس طریقۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ کا بتیسویں سبق ہے، جسے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعین اول ''حب'' بھی کہا جا سکتا ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ تعین کی تشریح کرتے ہوتے فرماتے ہیں کہ :

"ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق عزّ وجلّ نیچے اتر آیا، پس وہ حبّ یا وجود ہوگیا، بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) ہیں، کیوں کہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے، اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے"۔(۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے نزدیک حقیقت محمدیؐ حقیقت الحقائق ہے، وہ تعین ظہور حبّی ہے، فرماتے ہیں کہ

"حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے، اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے، کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبدأ ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشأ ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے : **کنت کنزا مخفیا فاجبت أن اعرف فخلقت الخلق** (۲) میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہنچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ سب سے پہلی جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہ یہی حب ہے، جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی، اگر یہ حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا، اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ اور حدیث قدسی: لولاک لما خلقت الأفلاک (۳) (اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو پیدا نہ کرتا) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلاۃ والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہئے۔ اور: **لولاک لما اظہرت الربوبیۃ** (۴) (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہئے۔ (۵)

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب :۸۵۔
(۲) کشف الخفاء :۲۰۱۶۔
(۳) کشف الخفاء :۲۱۲۳۔
(۴) کشف الخفاء :۲۱۲۳۔
(۵) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب :۱۲۲۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مطابق "حب" یعنی یہ چاہنا کہ مجھے پہنچانا جائے "تعین اول" ہے، یہ سب سے پہلے اعتبار ہے جو ظاہر ہوا۔ اب جب اللہ تعالی نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدیؐ کی تخلیق ہوئی، اور حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ: "یہی حب ذاتیہ تمام کمالات کا سبب وآغاز ہے"۔ پھر دوسرا اعتبار جو اللہ تعالی نے ظاہر کیا وہ وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے، اس لئے تعین وجودی تعین حبی کا ظل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ :

و اذا اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسٰی وعیسی ابن مریم (۱) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ :

کنت اوّل النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث . (۲)

"تخلیق کے لحاظ سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں"۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

"حقیقت محمدی علیہ فی الصلوات وافضلہا وفی التسلیمات اکملہا ظہور اوّل ہے اور حقیقت الحقائق اس معنی میں ہے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کرام کے حقائق ہوں یا ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کے حقائق سب اس کے ظلال کی طرح ہیں، اور وہ تمام حقائق کے اصل ہے، جیسا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا : اوّل ماخلق اللہ نوری۔ (۳) (سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: **خلقت من نور اللہ والمؤمنون من نوری** ۔ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور مؤمن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) لہذا لازمی طور پر حق جل وعلا اور تمام حقائق کے درمیان آپؐ واسطہ ہیں، اور آپ علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک وصول محال ہے"۔ (۴)

(۱) الاحزاب:۷۔
(۲) کشف الخفاء :۲۰۰۹۔
(۳) کشف الخفاء :۸۲۷۔
(۴) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب :۱۲۲۔

سالک طریقت کو اس مقام میں مراقبہ کرنا ہے، جس کی نیت اس طرح ہوتی ہے کہ:

''اس ذات سے جو خود اپنا ہی محبّ اور اپنا ہی محبوب ہے، اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشأ ہے میری ھیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

سالک طریقت کو اس مقام میں ہر چھوٹے بڑے، دین دنیا کے سارے معاملات میں حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت ومشابہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس مقام میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتدریس کا شوق ورغبت کلی حاصل ہوتی ہے۔ اور درج ذیل درود شریف باعث ترقی ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا محمد واصحاب سیدنا محمد افضل صلواتک عدد معلوماتک وبارک وسلم .

(تیئیسواں سبق)

دائرۂ حقیقت احمدیؐ :

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا تیئیسواں سبق ہے ''دائرۂ یا مراقبۂ حقیقت احمدی، جس کے متعلق حضرت امام ربّانی مجدد الف قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

''احمد عجیب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ ''احد'' اور حرف ''میم'' کے حلقہ سے مرکب ہے، جو عالم بے چون میں اسرار الٰہی جل شانہ کے پوشیدہ رازوں میں سے ہے، اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چوں میں اس راز نہانی کی تعبیر ''میم'' کے بغیر کی جاسکے، اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہ وتعالی اس کی تعبیر ضرور فرماتا، اور احد وہ احد ہے کہ: **لاشریک له (الانعام : ۱۶۳)** (اس کا کوئی شریک نہیں) ہے، اور حلقۂ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندہ کو مولا سے متمیز کرتا ہے، لہذا بندہ وہی حلقۂ میم ہے اور لفظ احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے، اور اس میں آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے''۔(۱)

---

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم، مکتوب : ۹۶۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں:

''اس مقام (یعنی حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم) پر محبوبیت ذاتی ظاہر ہوتی ہے''۔

حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سبق میں بھی درج ذیل درود شریف پڑھنا ترقی بخش ہوتا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا محمد واصحاب سیدنا محمد افضل صلواتک عدد معلوماتک وبارک وسلم .

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ لفظ احمد ومحمد کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

''آپ کے وجودِ عنصری اور آپ کے اس عالم ظلمانی کو ہدایت کرنے کے اعتبار سے آپ کا اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہے، اور اس مبارک اسم کی ولایت اس اسم الٰہی سے نشو ونما پانے والی ہے جو اس عالم سفلی کی تربیت کے ساتھ رکھتا ہے، اور حقیقت محمدی کے ساتھ مسمّٰی ہے، اور آپ کے روحانی وجود کے اعتبار سے جو کہ عالم ملکوت اور روحانیوں کا مربی (پرورش کرنے والا) ہے اور آپ وجود عنصری سے پہلے اسی وجود کے ساتھ نبی تھے اس لحاظ سے آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین ۔(مستدرک حاکم: ۲/۶۰۹) میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔(۱)

(چوتیسواں سبق)

دائرۂ حبّ صرفہ :

اس سلسلۂ عالیہ کا یہ چوتیسویں سبق ہے، حقیقت احمدی کے مراقبے کے بعد اس سلسلہ میں حب صرفہ کا مراقبہ کیا جاتا ہے، اس مراقبہ کی نیت یہ ہے:

''اس ذات سے جو حب صرفہ کا منشأ ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

---

(۱) مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب : ۱۔

اس مقام میں سیر قدمی نہیں بلکہ سیر نظری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہدایت الطالبین میں لکھتے ہیں کہ:

''اس مقام پر نسبت باطن میں کمال بلندی وبے رنگی ظاہر ہوتی ہے، کیوں کہ یہ مقام بھی حضرت اطلاق ولاتعین سے بہت ہی قریب ہے''۔

(پینتیسواں سبق)

دائرۂ لاتعین :

یہ اس سلسلۂ عالیہ کا پینتیسویں سبق ہے، جو سلسلہ کا آخری سبق بھی۔ اس میں مراقبہ کیا جاتا ہے، جس کی نیت اس طرح ہے:

''اس ذات بحث سے جو دائرۂ لاتعین کا منشأ ہے، میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

مذکورہ تمام مراتب کے بعد مرتبۂ لاتعین وحضرت اطلاق کا مرتبہ ہے، اور اس مرتبہ کو لاتعین اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تعین اوّل جبی سے پہلے ہے، اور اس مقام پر حضرت ذات کا اطلاق ہے، اور اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے، جو تعینات سے پاک ومبرا ہے، اس مقام کے حوالے سے حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات مخصوصہ میں سے ہے، یہاں پر بھی سیر قدمی نہیں ہوتی لیکن سیر نظری ضرور ہو جاتی ہے، مگر نظر کہاں تک کام کرے گی''۔

فہرست اسباق لطائف

دائرۂ امکان :

سیر آفاقی

اعتبارات میں سیر

عالم خلق :

(۱) خاک

(۲) آگ

(۳) پانی

(۴) ہوا

(۵) نفس

عالم امر :

(۱) اصل قلب

(۲) اصل روح

(۳) اصل سر

(۴) اصل خفی

(۵) اصل اخفی

(نوٹ) عالم امر اور عالم خلق کے ساتھ لطائف کے اسباق یہاں مکمل ہو جاتے ہیں۔

(۸) سبق ۔ مراقبۂ نفی واثبات۔

(۹) سبق ۔ مراقبۂ تہلیل لسانی۔

(۱۰) سبق ۔ مراقبۂ احدیت۔

دائرۂ ولایت صغریٰ :

ولایت اولیاء۔

اسماء وصفات کے ظلال کی سیر۔

یعنی تجلیات خمسہ میں سیر۔

اس میں انبیاء وفرشتوں کے علاوہ تمام ممکنات کا مبدأ تعین ہوتا ہے۔

سیر انفسی:

(۱۱) سبق : لطیفہ قلب کی فنا، تجلیات افعالیہ، ولایت آدمؑ۔

(۱۲) سبق : لطیفہ روح کی فنا، تجلیات صفات ثبوتیہ، ولایت ابراھیمؑ۔

(۱۳) سبق : لطیفہ سر کی فنا، تجلیات شیونات ذاتیہ، ولایت موسویؑ۔

(۱۴) سبق : لطیفہ خفی کی فنا، تجلیات صفات سلبیہ، ولایت عیسویؑ۔

(۱۵) سبق : لطیفہ اخفی کی فنا، تجلیات شان جامع، ولایت محمدیؐ۔

(۱۶) سبق : مرقبۂ معیت۔

ولایت کبری :

ولایت انبیاء علیہم السلام۔

صفات وشیونات کی سیر۔

انبیاء کرام کے تعینات کی ابتداء۔

یعنی تجلیات خمسہ کے اصول میں سیر۔

مراقبۂ اقربیت :

مورد فیض لطیفۂ نفس و عالم امر کے لطائف خمسہ۔

عالم امر کے لطائف خمسہ کا عروج یہاں تک ہوتا ہے۔

(۱۷) سبق : شیونات ذاتیہ اسماء وصفات زائدہ

نصف سافل

دائرۂ اولی

نصف عالی

مراقبہ محبت :

مورد فیض لطیفۂ نفس

(۱۸) سبق : دائرۂ ثانی اصل / اسماء وصفات

(۱۹) سبق : دائرہ ثالث اصل الاصل / اسماء وصفات

(۲۰) سبق : قوس، اصل اصل اصل / اسماء وصفات

دائرۂ ولایت علیاء :

ولایت ملأ اعلی (ملائکہ)۔

ملائکہ عظام کے تعینات کی ابتدا۔

(۲۱) سبق : مراقبۂ اسم الظاہر

مورد فیض نفس و عالم امر کے لطائف خمسہ

(۲۲) سبق : مراقبۂ اسم الباطن

مورد فیض عناصر ثلاثہ (آگ، ہوا، پانی)

(۲۳) سبق : دائرۂ کمالات نبوت۔

مورد فیض عنصر خاک

عناصر اربعہ میں اعتدال

فنائے نفس میں کمال

تجلی ذاتی دائمی کا پہلا درجہ

(۲۴) سبق : دائرۂ کمالات رسالت۔

مورد فیض ھیئت وحدانی۔

تجلی ذاتی دائمی کی سیر کا دوسرا درجہ

تجلی ذاتی دائمی کا تیسرا درجہ

(۲۵) سبق : دائرۂ کمالات اولوالعزم۔

مورد ھیئت وحدانی۔

(نوٹ) اس مقام کی نسبت سابق مقامات سے اور اوپر والے (فوقانی) مقام کے نیچے والے (تحتانی) مقام سے ایسی ہے جیسے مغز اور پوست۔

۲۶۔ سبق دائرۂ حقیقت کعبۂ ربانی

۲۷۔ سبق دائرۂ حقیقت قرآن مجید

۲۷۔ سبق دائرۂ حقیقت صلوٰۃ

۲۹۔ سبق دائرۂ معبودیت صرفہ

۳۰۔ سبق دائرۂ حقیقت ابراھیمیؑ

۳۱۔ سبق دائرۂ حقیقت موسویؑ

۳۲۔ سبق دائرۂ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۳۔ سبق دائرۂ حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۴۔ سبق دائرۂ حب صرفہ ذاتیہ

۳۵۔ سبق دائرۂ لاتعین

پانچواں باب

دیگر وسلاسل کے اوراد واشغال مراقبات

طریقۂ عالیہ چشتیہ کے اذکار واشغال واحباس

چھ تسبیحات :

سالک طریقت عقیدت صالحہ اور جذبۂ صادقہ کے ساتھ تہجد کی بارہ رکعات نماز ادا کرنے کا اہتمام کرے، ہر رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھا کرے۔ اور وقت میں وسعت ہو تو سورۂ اخلاص کبھی بارہ مرتبہ سے ایک مرتبہ اور کبھی ایک مرتبہ سے بارہ مرتبہ تک تلاوت کرے۔ اگر رات کے اواخر میں بیدار نہ ہو سکے تو طلوع آفتاب کے بعد صلاۃ الاشراق کی ادائیگی کے ساتھ تہجد کی نیت سے کم از کم چار رکعات نماز ضرور ادا کرے۔

سنت فجر ادا کرنے کے بعد فرض کی ادائیگی سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ فاتحہ اکتالیس مرتبہ پڑھے، پھر فرض کی ادائیگی کے آیۃ الکرسی ایک مرتبہ پھر کلمۂ اول ودوم ایک ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد تسبیح فاطمی اس طرح ادا کرے کہ:

(۱) سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ۔

(۲) الحمد للہ ۳۳ مرتبہ۔

(۳) اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ۔

اس کے بعد کلمۂ توحید یعنی لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شئ قدیر۔ ایک مرتبہ پڑھے، اور یاد رہے کہ تسبیح فاطمی اور مذکورہ سارے

کلمے ہرفرض کی ادائیگی کے بعد ضرور پڑھے جائیں۔

نماز ظہر، عصر اور مغرب کے بعد معمولات :

(۱) استغفار ۱۰۱ مرتبہ پڑھے، اور پڑھتے وقت نیت کرے کہ میں اپنے تمام اعضائے جوارح کی جمیع نافرمانیوں سے معافی چاہتا ہوں۔

(۲) درود شریف ۱۰۱ مرتبہ پڑھے، اور پڑھتے وقت نیت کرے کہ میں گویا سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہوں، اور آپ صلی للہ علیہ وسلم کی روح اطہر پر یہ سارے درود بھیج رہا ہوں۔

(۳) کلمۂ تمجید یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ۱۰۱ مرتبہ پڑھے، اور پڑھنے کے دوران اللہ تعالی کی تحمید، توصیف، تعریف وتثنیہ اور پاکی وبڑھائی کا خیال رکھے، نماز ظہر وعصر کی ادائگی کے بعد تسبیح فاطمی سمیت استغفار درود شریف اور کلمۂ تمجید گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے۔

نماز مغرب وعشاء کے بعد خاص معمولات :

نماز مغرب کے فرض کی ادائیگی کے بعد تسبیح فاطمی کو فجر کے طرز پر ادا کیا جائے، بعد ازاں استغفار ۱۰۱ مرتبہ، درود شریف ۱۰۱ مرتبہ اور کلمۂ تمجید ۱۰۱ مرتبہ، سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ۱۰۱ مرتبہ، اس کے بعد یہ دعا پڑھے :

لااله الاانت اسئلک أن تحی قلبی بنور معرفتک وعشقک ابدًایاالله

نماز عشاء کی ادائگی کے بعد سونے سے پہلے درود شریف اول سے آخر تک گیارہ مرتبہ پڑھے، پھر یاحی یا قیوم برحمتک استغث ایک سوایک مرتبہ پڑھے، پھر سونے کے لئے بستر پر پہنچنے کے بعد سورۂ اخلاص ومعوذتین کی تلاوت کے بعد اپنی ہتھلی پر دم کرکے تین مرتبہ جہاں تک جسم پر ہاتھ پہنچایا جاسکے اپنے جسم پر پھیرلے۔

قرآن کریم کی تلاوت کے حوالے سے اتنی سی بات یاد رہے کہ جس کو قرآن مجید یاد ہو یا پڑھنا آتا ہو وہ روزانہ کم سے کم ایک مرتبہ قرآن مجید کی تلاوت کرے، اور جسے قرآن پڑھنا نہیں آتا وہ کم سے کم

سورۂ واخلاص ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے۔

پاس انفاس کا طریقہ :

صوفیائے کرام کے اندازے کے مطابق ایک انسان دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے، ان کا مزید کہنا ہے کہ سالک طریقت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی بھی سانس یاد الہی سے خالی نہ گزرجائے، اس لئے اولیاء کرام نے ایک تجویز یہ رکھی ہے کہ عام طور پر باہر سے سانس لیتے وقت اللہ اور چھوڑتے وقت ھُ کا ورد جاری کرے۔ بیٹھنے کے دوران دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں پر رکھے۔ اس کے بعد زبان کو اوپر کے تالو سے لگائے، اور دونوں آنکھیں بند کرے اور غیر اللہ کا خیال دل سے نکال دے، پھر نہایت توجہ اور یکسوئی کے ساتھ ذکر مذکور کا ورد کرے، اگر معمول کے ساتھ اس ذکر شریف کا مشق کرتا رہے تو انشاء اللہ یہ ذکر شریف اپنے ذاکر کے تمام اعضاء وجوارح میں سرایت کرجائے گا، بلامشقت بلکہ بآسانی اگر یہ ذکر سانس اور تمام اعضاء میں سرایت کرجائے گا تو محسوس ہوگا کہ ذکر الہی خود بخود جاری ہوتا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات یاد رہے کہ کسی سالک کا کوئی عضو بدن حرکت کرنے یا لرزنے لگے تو اس کے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ یہ علامت ہے ذکر الہی جاری ہونے کی، ویسے اگر ذکر الہی خود بخود جاری ہوجائے گا تو سالک طریقت کو آہستہ آہستہ دل میں سکون وطمانیت نصیب ہوجائے گی۔

بارہ تسبیحات ادا کرنے کا طریقہ :

اس سلسلۂ عالیہ میں بارہ تسبیحات کے ادا کرنے کا مناسب وقت بعد نماز تہجد ہے، یا معدہ خالی ہونے کے دوران، مناسب وقت فراغت پر بارہ تسبیحات کا وظیفہ ادا کیا جاسکتا ہے، جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

(۱) لاالہ الااللہ — دوسو مرتبہ۔

(۲) الااللہ — چارسو مرتبہ۔

(۳) اللہ اللہ — چھ سو مرتبہ

(۴) اللہ — ایک سو مرتبہ

ویسے تیرہ سو مرتبہ ہوجاتا ہے، اور ادا کرنے کا طریقہ اس طرح ہے کہ:

(۱) نماز تہجد ادا کرنے کے بعد استغفار گیارہ مرتبہ۔

(۲) سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ۔

(۳) آیۃ الکرسی ایک مرتبہ۔

(۴) قل یاایھا الکافرون ایک مرتبہ۔

(۵) سورۂ اخلاص تین مرتبہ۔

(۶) معوذتین ایک ایک مرتبہ۔

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرے :

اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابدًا یاا لله یاالله یا الله

اس کے بعد ایصال ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر اور تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مبارکہ، تمام اولیاء کرام کی ارواح طیبہ، خصوصًا چاروں سلاسل چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ سہروردیہ کے مشائخ عظام اور ان کے تمام مریدوں کی ارواح پر بخش دے، علاوہ ازیں تمام ملائکہ اور مؤمنین صالحین اور مسلم مؤمن جنات کی ارواح پر پہنچادے، خصوصًا مرشد برحق کو اس ایصال میں نہ بھولے اس کے بعد یہ نیت کرے کہ :

''یاالٰہی تیرے عشق ومعرفت کے انوار وبرکات، وعنایات وتجلیات جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک میں تو نے ودیعت کر رکھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے واسطے سے ہمارے مرشد کے سینے سے ہوتے ہوئے میرے سینہ میں پہنچادے''۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللّھم بلغ ما قرأت علی ارواح جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصًا علی سید البشر محمد وعلی آله واصحابه وعلی ارواح جمیع مشائخ السلاسل الذین مضوا والذین ھم الآن خدام الدین القیم والذین یاتون من بعدي وبجاھھم نور قلبی بنور

معرفتک وعشقک وطھر قلبی عما سواک .

پھر چار زانو ہو کر بیٹھے اور رگ کیماس جو بائیں گھٹنوں کے پیچھے ہے کو دائیں پیر کے انگھوٹے سے دبالے، اس کے بعد اول کلمہ تین مرتبہ، دوم کلمہ ایک مرتبہ پھر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سریلی آواز ترنم کے ساتھ پڑھ کر معمولی آواز کے ساتھ لا کو سر کے اشارے سے لطیفۂ قلب سے نکال کر دائیں منڈا تک لے جائے، ساتھ ساتھ خیال کرے کہ میں نے غیر اللہ کی محبت دل سے نکال دی، پھر آلہ کو وہاں سے لطیفۂ اخفی یعنی ام الدماغ تک لے جائے۔ پھر ھا کہتے وقت اپنے سر کو پیچھے کی طرف جھکائے، اور خیال کرے کہ میں نے ماسوی اللہ کو پس پشت پھینک دیا ہے، پھر سر کو سیدھا کر کے الا اللہ کی طرف قلب پر لگائے۔ اور ضرب لگاتے وقت خیال کرے کہ میں اللہ تعالی کی محبت کو اپنے دل میں داخل کر رہا ہوں۔ اس طرح ہر دس گیارہ ضرب کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرے۔ اس طریقے سے دو سو مرتبہ کا ذکر پورا کر لے۔ اس کے بعد اول کلمہ تین مرتبہ دوم کلمہ ایک مرتبہ پڑھ کر دو چار منٹ تک اس طرح مراقبہ کرے کہ عرش الٰہی سے عشق ومحبت کے انوار میرے قلب پر وارد ہو رہے ہیں۔ ایسے خیال میں مگن، قلب کی طرف دھیان لگائے بیٹھے رہے، پھر الا اللہ کا ورد اس طرح شروع کرے کہ دائیں منڈا سے ذکر کو زور سے قلب پر لگائے، ہر دس گیارہ کے بعد وہی درود شریف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہے۔ یہاں تک کے چار سو مرتبہ کا ذکر پورا ہوجائے، اس کے بعد اول کلمہ تین مرتبہ، دوم کلمہ ایک مرتبہ پڑھ کر مذکورہ طریقہ سے مراقبہ کرے۔

ذکر اثبات یعنی اللہ اللہ کے ورد کے دوران یہ خیال کرتے رہے کہ میں اللہ تعالی کی محبت کو دل میں داخل کر رہا ہوں، اس کے بعد اسم ذات دو ضربی اللہ اللہ (اول ھا مضمون دوسرا ساکن) دائیں منڈا سے زور کے ساتھ دونوں کلّی ضرب لگائے، ہر دس گیارہ مرتبہ کے بعد اللہ حاضری، اللہ ناظری، ۔ اللہ شاھدی، اللہ معی پڑھتے رہے، اگر ذاکر سالک عالم ہو تو ان چاروں کے معنی کا تصور کرے، اگر عالم نہ ہو تو کم سے کم اتنا خیال کرے کہ اللہ تعالی میرے ساتھ ہے۔

اس طرح جب چھ سو کے اوراد پورے ہوجائیں تو اول کلمہ تین مرتبہ، دوم کلمہ ایک مرتبہ پڑھ کر طریقۂ مذکورہ کے مطابق مراقبہ کرے۔

اس کے بعد لفظ اللہ یعنی اسم ذات یک ضربی کا ذکر دائیں منڈا سے قلب پر زور کے ساتھ ضرب لگائے،

اور ہر دس گیارہ مرتبہ کے بعد مذکورہ بالا قصیدہ پڑھتے رہے، یاد رہے کہ اسم ذات یک ضربی اور دو ضربی کو ادا کرتے وقت ذاکر اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ اللہ تعالی میرے قلب میں حاضر و ناظر ہے، یوں جب اس ذکر کا ورد ایک سو مرتبہ پورا ہو جائے تو مذکورہ بالا طریقہ پر صبح ہونے تک مراقبہ کرتے رہے، اور دل میں خیال کرے کہ اللہ تعالی میرے قلب میں حاضر و ناظر ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں، یہ اس لئے ہے کہ اس سے نسبت احسانی کا درجہ کھل جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ مذکورہ بالا ذکر میں چار مراتب ہیں:

(۱) لا الہ الاّ اللہ۔ نفی و اثبات کا ذکر ناسوتی ہے، دائرہ عالم اجسام ہے۔

(۲) الا اللہ۔ اثبات کا ذکر ملکوتی ہے، دائرہ عالم مجردات یعنی عالم امر ہے۔

(۳) اللہ۔ اسم ذات کا ذکر، جس کا تعلق جبروتی، لامتناہی اور تفصیلی ہے۔

(۴) ہٗ۔ اس ذات کا خلاصہ، اس کا تعلق لاہوتی، لامتناہی، صفات اجمالی اور شیونات سے ہے۔

اسم ذات یک ضربی یا دو ضربی کے وقت جذبہ یا شوق وارد ہو جائے تو جذبہ و شوق کو پورا کر لیا جائے، اگر چہ تعداد کی کثرت کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

اسم ذات خفی کے ادا کرنے کا طریقہ :

ذاکر سالک آہستہ آہستہ اپنی زبان سے لفظ اللہ کا ورد کرے اس کا پورا نصاب سوا لاکھ ہے، کم زور شخص یا کثرت شغل والے پچیس ہزار یا کم سے کم چھ ہزار ادا کرتے جائیں۔ یاد رہے کہ اس ورد کی کثرت سے حجابات ناسوتی دور ہو جاتی ہیں۔ اور سالک کے اندر عشق و محبت کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔

ذکر قلبی ادا کرنے کا طریقہ:

ذاکر دوزانو ہو کر بیٹھے، ہتھیلی اپنے دونوں رانوں پر رکھے، تاکہ لفظ اللہ کی شکل بنے، پھر زبان کو تالو سے لگائے۔ اور تمام خیالات سے دل کو پاک کر لے، اس کے بعد اپنے حواس کو قلب کی طرف متوجہ کر کے زبان کو ہلائے بغیر صرف قلب سے اللہ اللہ کرتے رہے، اس ذکر کے دوران سانسوں کی حرکات کو قلب کی طرف متوجہ کرنا نہایت مفید ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ خیال کرے کہ میرا قلب اللہ اللہ کہہ رہا ہے، ویسے صبح و شام دو وقت اس کا مشق کرتے رہے تو قلب کی زبان کھل جائے گی۔ اور قلب اللہ اللہ کا گویا

ہو جائے گا، اس طریقۂ ذکر سے آہستہ آہستہ قلب سے انوار الہی ظاہر ہونے لگیں گے۔ ذاکر کو اپنے قلب کی جنبش یا گرمی محسوس ہونے لگے گی۔

طریقۂ ذکر ذات قلندری :

اگر سالک مقام ہویت میں پہنچنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل ذکر کو ہمیشگی کے ساتھ ادا کرے۔ دراں حالیکہ اس کے لئے عزلت و گوشہ نشینی کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چارزانو بیٹھ کر دونوں گھٹنوں کے بیچ میں سر کو لے جائے اور ناف پر اللہ (ساکن ھا) کا ضرب لگاتے وقت سر کو بلند کرے، اس دوران گھٹنوں کو مستحکم پکڑے، اور ہٗ کی ضرب زور سے لگائے۔

یاد رہے کہ اس ورد کا مناسب وقت بعد صلاۃ التہجد ہے، البتہ دن رات میں جبھی خلوت میسّر ہو تبھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس ذکر کی کوئی تعداد متعین نہیں، البتہ اسے ذوق و شوق اور وجد تواجد کے ساتھ ادا کرے، اگر سالک دوام و استمرار کے ساتھ اسے ادا کرتے رہے تو بفضل تعالیٰ اس کے اندر بہترین اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ یہ ذکر اکثر مشائخ سلاسل کے معمولات میں سے ہے۔

طریقۂ ذکر حدّادی :

ذاکر طریقۂ ذکر جاروب پر سانس کو کھینچ کر لا الہ کا دور دائیں شانے تک پہنچاتے ہوئے دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائے، اور دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے پوری قوت سے الا اللہ کی ضرب اپنے قلب پر لگائے، پھر بیٹھ جائے۔ اور یاد رہے کی جس طرح ایک لوہار کی حرکت اس کا کام کے دوران ہتھوڑا اٹھاتے وقت ہوتی ہے، ٹھیک ذاکر بھی اس طرح ہاتھوں کو حرکت دیا کرے۔ تاکہ ذکر الہی میں لطف حاصل ہو جائے۔

طریقۂ ذکر جاروب :

ذاکر بائیں گھٹنے سے لا الہ شروع کرے، اور سر کو بائیں گھٹنے پر لائے، پھر شانے تک لے جائے، پھر سر کو تھوڑا سا کمر کی طرف جھکائے ہوئے ضرب الا اللہ کو زور سے اپنے قلب پر لگائے، یاد رہے کہ اس ذکر الہی میں دوزانو بیٹھنا افضل ہے۔

طریقۂ ذکر ارّائی :

سانس کو الٹی کر کے پوری طاقت کے ساتھ لا الہ کے دورہ کو داہنے کاندھے تک پہنچائے، اور خیال کرے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے ارّہ اٹھایا، اور سر کو پیٹھ کی طرف تھوڑے جھکا کر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائے، اس دوران خیال کرے کہ میں اپنے دل پر ارّہ کھینچ رہا ہوں، جس طرح بڑے درخت پر ارّہ کھینچا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال کرتے جایئے جس طرح درخت پر ارّہ کشی کے دوران برادے نکلتے ہیں، ٹھیک اسی طرح میرے قلب سے ذکر کے دوران نور کے ذرے نکل رہے ہی، اور میرا جسم سمیت سارا عالم منور ہو رہا ہے۔

ذکر ارّائی کو بارہ تسبیحات کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے، ذاکر صرف الا اللہ کی ضرب میں یہ خیال کرے کہ میرے قلب سے نور کے ذرے نکل کر جسم سمیت سارا عالم کو منور کر رہے ہیں، اسی طرح اسم ذات دوضربی (اللہ اللہ) اور اسم ذات ایک ضربی (اللہ) کے ورد میں بھی مذکورہ خیال کیا جاسکتا ہے۔

اسم ذات مع الضروب کا طریقہ :

اسم ذات کے چار اذکار کے متعلق پچھلی سطور میں بیان کیا گیا ہے یعنی ایک ضربی، دوضربی، سہ ضربی اور چار ضربی، ایک ضربی کے ورد کے لئے آنکھیں بند کر کے داہنے شانے کی طرف سر کو لے جا کر پوری قوت سے لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگائے۔ دوضربی کے دوران پہلی ضرب کو روح پر، اور دوسری ضرب کو قلب پر لگائے۔ اور سہ ضربی کے دوران پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر اور دوسری بائیں گھٹنے پر اور آخری ضرب دل پر لگائے۔ اور چار ضربی کا طریقہ اس طرح ہے کہ ذاکر اپنی پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر اور دوسری ضرب بائیں گھٹنے پر، تیسری روح پر اور چوتھی ضرب دل پر لگائیں۔

اس کے بعد ایک ہفت ضربی کا طریقہ بھی ہے، بعض حضرات مشائخ چشت نے ہفت ضربی کو بہت مفید بتایا ہے، جو اس طریقہ پر ادا کیا جائے کہ یک ضربی اور دوضربی طریقۂ مذکور پر کیا جائے، لیکن سہ ضربی ایسی ہو کہ پہلی ضرب دائیں اور دوسری ضرب بائیں اور تیسری ضرب دل پر لگائے۔ اور چار ضربی میں دائیں بائیں اور سامنے اور آخری ضرب دل پر لگائے۔ پھر پنج ضربی میں دائیں، بائیں، آگے، پیچھے اور آخری ضرب دل پر لگائے۔ اور شش ضربی میں دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر (یعنی آسمان کی

طرف) اور آخری ضرب دل پر لگائے۔ پھر ہفت ضربی میں دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے اور آخری ضرب دل پر لگائے۔

اور یاد رہے کہ ہر ایک ضرب میں **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** کا تصور کرے، اور اس میں غرق ہو جائے۔ اگر اس آیت کریمہ کے تصور کے ساتھ اس ذکر الٰہی کو پوری توجہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو استغراق ومحویت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسم ذات چار ضربی کا اور ایک طریقہ :

اسم ذات چار ضربی کا اور ایک طریقہ بھی بتایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ قرآن کریم یا کسی ولی کامل کی قبر کو سامنے رکھ کر ذاکر قبلہ رو بیٹھے، پہلی دائیں طرف، دوسری بائیں طرف، اور تیسری قرآن کریم یا صاحب قبر کی قبر اور آخر میں اپنے قلب پر لفظ اللہ کی ضرب لگائے۔ معلوم ہو کہ اس ذکر الٰہی سے معانی آیات قرآنی اور کشف القبور حاصل ہوتا ہے۔

اشغال واحباس کا بیان :

سالک طریقت کو معلوم ہو کہ انسان کے قلب میں دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ایک بالائی اور دوسرا نچھلا، نچھلا سوراخ کا تعلق روح سے ہے جبکہ بالائی سوراخ کا تعلق جسم سے۔ جب ذاکر ذکر جہر میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے قلب کا بالائی سوراخ بلکہ دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن نچھلے سوراخ کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف اور صرف ذکر خفی (حبس دم) ہی سے کھلتا ہے۔ اس لئے اذکار واوراد کا اصل الاصول یہی حبس دم ہے، چنانچہ حضرات چشتیہ وقادریہ نے اس حبس دم کو اذکار کے ساتھ مشروط کر دیا ہے، اگر چہ حضرات نقشبند یہ ذکر کے ساتھ اسے مشروط نہیں کرتے، لیکن اس کی اوّلیت وافضلیت پر انہیں بھی انکار نہیں ہے۔

غرض اس کے فوائد کثیرہ میں سے ایک فائدہ یہی ہے کہ اس حبس دم سے دروں خانہ میں باطنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، اور اس ذکر سے خطرات فاسدہ کا انسداد بھی ہو جاتا ہے۔ جب مرید سالک کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے یا اکل حرام کی وجہ سے اس کے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے یا کوئی برے خیال دل

میں پیوست ہوکر راسخ ہوجاتا ہے تو اسے دفع کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقۂ ذکر بہت مفید اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ سالک ذاکر اپنے دم کو ناف سے کھینچ کر قلب پر روک لے، پھر کلمۂ لا الہ دل سے نکالے اور خیال کرے کہ شیطان لعین جو دل پر اژدھا بنے بیٹھا ہے لا الہ کی کھینچی سے اس کی دم پکڑ لی گئی ہے۔ پھر اسے داہنے شانے تک لائے، اور الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہوئے خیال کرے کہ یہ ضرب شیطان کے سر پر اس طرح پڑی کہ اس کا سر پاش پاش ہوگیا، اور وہ دل کا پار ہوگیا ہے، اگر خدا چاہے تو اس طرح کی ضرب سے بہت جلد خیالات فاسدہ دفع ہوجائیں گے۔ اور سالک کے دل پر بیٹھا ہوا شیطان ہلاک ہوجائے گا۔ اور شیطان کی ہلاکت کے بعد ذکر الٰہی کے انوار سے دل منور ہوجائے گا۔

حبسِ نفی واثبات :

ذاکر تنہائی میں چارزانو بیٹھ کر دونوں آنکھیں بند کرے، اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے سے بائیں پاؤں کی رگ کیماس کو دباکر ہاتھوں کو دونوں زانو پر رکھے۔ پھر دم کو ناف سے کھینچ کر دل کے راستے ام الدماغ پر ٹھہرائے، زبان کو حرکت دیئے بغیر غور وفکر کے ساتھ لا کو ناف سے کھینچ کر روح کی طرف لائے پھر الہ کو دماغ تک پہنچا کر باہر لائے اور دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔ اس طریقے سے ایک سانس میں کم سے کم تین سے لے کر پانچ مرتبہ کہے۔ اور آئے دن اس پر اضافے کی کوشش کرے۔ سانس چھوڑتے وقت آہستہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے، اور اس دوران معنی کا خیال کرے۔ پھر آنکھیں کھول کر لامحبوب الا اللہ پھر آنکھیں بند کرتے وقت لاموجود الا اللہ کا تصور کرے۔ مذکورہ طریقہ سے روز دس سانس پوری کی جائے۔ اگر ذاکر ایک ہی سانس میں اس ذکر الٰہی کو ایک سوایک مرتبہ تک کرسکے تو اس کے دل کا دروازہ کھل جائے گا اور انوار الٰہی کے مشاہدے سے اس کا دل منور ہوجائے گا۔

طریقۂ حبس اسم ذات :

ذاکر تنہائی میں دوزانو بیٹھے، لفظ اللہ کو خیالی طور پر لطیفۂ نفس سے کھینچ کر (حبس دم سے زیادہ مفید ہے) لطیفۂ

اخفی ام الدماغ تک لے جائے، وہاں کوئی دیا یا ستارہ کی طرح روشنی کا تصور کرے، پھر وہاں سے ھو(ۂ) کو نکال کر قلب پر ضرب لگائے، اسی طریقے سے روزانہ دس سانس ادا کرتے رہے، انشاء اللہ اس ذکر سے سالک کے اندر اوصاف حمیدہ کا ظہور ہوگا، اور وسواس شیطانیہ اور تفکرات غیر مفیدہ کے دروازے بند ہوجائیں گے۔

نفی واثبات لطیفۂ ستہ کے دور سے حبس دم :

بارہ تسبیح کے سبق میں ارواح پاک میں ایصال ثواب کا بیان ہوچکا ہے، اس مذکورہ طریقہ پر یہاں بھی ایصال ثواب کرے۔ اگر یاد ہے تو اللہ نور السموات کو اللہ بکل شیٔ علیم تک ایک بار تلاوت کرے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللّٰھم اعطنی نورا واعظم لی نورا واجعلنی نورا.

پھر سانس کو لطیفۂ نفس سے کھینچ کر ام الدماغ یعنی لطیفۂ اخفی پر لگائے۔ اور اس لطیفہ کے نور کو مائل بہ سیاہ خیال کرے، پھر وہاں سے خیالی طور پر الا اللہ کی ضرب لطیفۂ قلب پر لگائے، موخر الذکر لطیفہ کے نور کو آگ کی طرح سرخ خیال کرے، ایک سانس میں جتنی مرتبہ ممکن ہوسکے کرے، آخر میں سانس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر توڑ دے، اس کے بعد آنکھیں کھول کر تھوڑی دیر آرام لے، اسی وقفہ میں مذکورہ دعا پڑھے، پھر لامحبوب الا اللہ کہہ کر آنکھیں بند کرلے، اور مذکورہ طریقہ پر ذکر کرتے رہے، یہاں تک دس سانس پوری ہوجائیں۔ اس ذکر کی مداومت سے تمام لطائف کے ظلماتی حجابات دور ہوجاتے ہیں، اور ذاکر کے ہر ایک لطیفہ نور الٰہی سے منور ہوجاتا ہے۔

لطائف ستّہ کا اجمالی بیان :

قارئین سالکین طریقت کے لئے یہاں لطائف ستہ کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس حوالے سے معلوم ہو کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے، جن میں سے پانچ کا تعلق عالم خلق سے ہے اور پانچ کا تعلق عالم امر سے۔ البتہ ان لطائف عشرہ میں سے چار انسان کے ظاہری عناصر ترکیبی یعنی خاک، باد، آب وآتش سے متعلق ہیں تو باقی چھ لطیفے یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی عالم امر سے متعلق ہیں۔

اوّل الذکر چار لطیفوں کا تزکیہ لطیفۂ نفس کے ضمن میں مکمّل ہوجاتا تو موخر الذکر چھ لطیفوں کے اجمالی

تعارف کرانے سے پہلے معلوم ہو کہ انسان کے جسم میں چھ جگہیں ایسی ہیں کہ جو انوار و برکات سے مالا مال ہیں۔صوفیائے کرام کی اصطلاح میں انہیں لطائف کہا جاتا ہے، جو درج ذیل ہیں۔

(۱) قلب : جس کی جگہ بائیں پستان سے دو انگل نیچے ہے۔نور سرخ ہے۔

(۲) روح : جس کی جگہ دائیں پستان سے دو انگل نیچے ہے،نور سفید ہے۔

(۳) نفس : جس کی جگہ ناف کے نیچے ہے،نور زرد ہے۔

(۴) سر : جس کی جگہ سینے کے درمیان ہے۔نور سبز ہے۔

(۵) خفی : جس کا مقام ام الدماغ ہے۔نور سیاہ ہے۔

قارئین سالکین کو ایک بات یہاں ضرور یاد رہے کہ طریقۂ عالیہ چشتیہ اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے درمیان مذکورہ چھ عناصر کے مقام اور ان کے انوار کے حوالے سے اختلاف ہے، یہاں تو چشتیہ سلسلہ کے متعلق ان عناصر کے مقام اور انوار کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے، رہا نقشبندیہ کے حوالے سے باتیں متعلقہ باب میں درج کی جا چکی ہیں۔ پھر یہاں جو اختلاف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے ایسا اختلاف نہ سمجھا جائے جو فقہ اور دیگر امور میں عام طور پر اختلاف ہوتا پایا جاتا ہے، یہ قال کی بات نہیں سراسر حال کی بات ہے، پھر یہ نظریاتی نہیں ہے بلکہ مشاہداتی ہے،خوب سمجھنا چاہئے۔

بہر حال سطور بالا میں عالم امر اور عالم خلق کے حوالے سے جو عرض کی گئی اس کے متعلق اتنی سی بات یاد رہے کہ عالم امر کو عالم امر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بجز دام رکن سے ظہور پذیر ہوا ہے۔اور دائرۂ امکان نے ان دونوں عوالم کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے۔نصف دائرہ عرش سے ثریٰ تک ہے جبکہ نصف دائرہ عرش سے اوپر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ عالم امر اس آدھے دائرہ عرش سے اوپر۔ پس ظاہر ہے کہ عالم امر اس آدھے دائرہ میں ہے جو عرش سے اوپر ہے اور عالم خلق کے زیرین حصّے میں ہے۔نقش میں ملاحظہ کیجئے :

اخفی ۔ خفی ۔ سر ۔ روح ۔ قلب

عـــــــــــــــرش

نفس ۔ آتش ۔ باد ۔ آگ ۔ خاک

لطائف انبیاء کے زیر قدم ہے :

(۱) لطیفۂ قلب سیّدنا آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔

(۲) لطیفۂ روح سیّدنا نوح علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔

(۳) لطیفۂ سر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔

(۴) لطیفۂ خفی سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔

(۵) لطیفۂ اخفی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے۔

(۶) لطیفۂ نفس ذات حدیث کے زیر قدم ہے۔

اور اوّل الذکر پانچ لطائف جو اولوالعزم انبیاء علیہ السلام کے زیر قدم ہیں۔سارے کے سارے مرتبۂ حدیث کے قدم سے مشرف ہیں، چنانچہ اس وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات کے شرف سے مشرف کیا گیا ہے۔

اور اس ذیل میں یاد رہے کہ :

(۱) سیدنا ادم علیہ السلام کا رب الارباب صفت تکوین ہے۔

(۲) سیدنا نوح وسیدنا ابراھیم علیہ السلام کا رب الارباب صفت علم ہے۔

(۳) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا رب الارباب صفت کلام ہے۔

(۴) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا رب الارباب صفت تقدیس ہے۔

(۵) سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صفت جامع ہے۔

تو وجہ یہی ہے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدالانبیاء کے لقب سے مشرف وسرفراز کیا گیا ہے۔

شغل سہ پایہ دورۂ چشتیہ :

شغل سہ پایہ سے مراد :

(۱) اللہ سمیعٌ : اللہ سننے والا۔

(۲) اللہ بصیرٌ : اللہ دیکھنے والا۔

(۳) اللہ علیم : اللہ جاننے والا۔

جس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چارزانو ہو کر بیٹھے، پھر سلطاناً نصیرا کا تصور کرے، پھر سانس کو روک کر ناف سے ام الدماغ تک پہنچائے، وہاں دل ہی دل میں اللہ سمیعٌ کہہ کر معنی کے تصور کے ساتھ بی یسمع (اللہ میرے ہی ذریعہ سنتا ہے) کا خیال کرے، پھر اللہ بصیرٌ کہے اور بی ینطق (اللہ میرے ہی ذریعہ بولتا ہے) کا تصور کرے، پھر دوبارہ شروع کرے ام الدماغ سے اللہ علیم ناف پر اور اللہ سمیع عروج ونزول پر کہے۔ اگر ایک سانس میں ایک سوایک مرتبہ شغل سہ پایہ ادا کر سکے تو بفضل الٰہی ذاکر جمال الٰہی سے فیض یاب ہو جائے گا۔

شغل سلطان الاذکار :

اس ذکر کے لئے سالک کو چاہئے کہ ایک تنگ وتاریک حجرہ جہاں شوروغل کی آواز نہ آتی ہو، تنہا بیٹھے، پھر استغفار، تعوذ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللّٰھم اعطنی نورا واعظم لی نورا واجعلنی نورا

تین مرتبہ حضور قلب کے ساتھ معنی کا خیال کر کے یہ دعا پڑھے، پھر اس کے بعد بیٹھے، لیٹے یا کھڑے ہو کر اپنا بدن کو ہلکا کر لے، پھر اپنے آپ کو مردہ سمجھتے ہوئے خیال کرے کہ ’’میں ایک لاش کفن پوش ہوں‘‘ اس دوران ہمت کے ساتھ سرتاپا متوجہ الی اللہ ہو جائے، اب سانس بھرے تو اللہ اور سانس نکالے تو ہٗ کے ساتھ اس ذکر میں اس طرح منہمک ہو جانا چاہئے کہ اور تو اور خود اپنا خیال بھی دل سے نکل جائے۔ دوران ذکر ھوالحی القیوم کا تصور قائم رکھے، اس طرح چند دن کے ذکر کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ ذاکر کے جسم کی ہر ایک رونی اور سارا بال ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے گا۔ اور وہ انوار وتجلیات سے تاباں ہو جائے گا۔

ذکر سلطان الاذکار :

ذاکر حواس خمسہ کو روئی انگلی سے بند کر لے۔ دم کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر ام الدماغ پر روک لے، پھر وہاں سے

دل مدور میں لے جا کر اسم ذات کے ذکر قلبی کے ساتھ (قلب صنوبری سے آواز حدیث سننے کے ضمن میں اور اس نقطۂ درخشندہ کے خیال میں جو دل مدور کے ام الدماغ میں واقع ہے جسے بعض حضرات لطیفۂ اخفی سے تعبیر کرتے ہیں) شغل رکھے، حتی کہ یہ نقطہ اس قدر وسیع ہو اور چوڑا ہو جائے کہ جس سے تمام جسم منور اور تاباں ہو جائے۔

اور اس کے بعد عرش سے زمین تک نور ہی نور نظر آنے لگے۔ پھر اسی نور حق میں ملائکہ کی صورتیں نظر آنے لگیں گی، جبھی سالک اس مقام ومرتبہ کو حاصل کر لے گا، تبھی وہ اپنی حقیقت کو وجود عالم میں متصرف ہوتے دیکھنے لگے گا۔ اور اس مقام میں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی صفات کو صفات باری تعالی سمجھے، واللّٰہ یرزق من یشاء ۔ اور اس مقام پر سالک جبھی پہنچ جاتا ہے تبھی انی جاعل فی الأرض خلفیة کی تجلیات سے وہ متجلی ہو جاتا ہے۔

شغل سرمدی :

ذاکر اپنی آنکھیں ذکر کے لئے بند کر لے، اور اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے سوراخ اور دونوں انگوٹھے سے ناک کے دونوں سوراخ بند کر لے۔ پھر حواس خمسہ کو جمع کر کے خیال کرے کہ دماغ سے پانی گرنے کی آواز آ رہی ہے۔ اور اس آواز کو گوش گزار کرنے میں پوری ہمت اور بلند حوصلگی سے کام لے، کہیں سننے میں غفلت کا مظاہرہ نہ ہو، اللہ چاہا تو چند روز کی کوشش کے نتیجے میں اس آواز کو اتنی قوت حاصل ہو جائے گی کہ ذاکر کو کان بند کئے بغیر آواز سنائی دے گی۔ تبھی کوئی شوروغل اس کا مانع نہیں بن سکے گا۔ بعض حضرات صوفیہ کا بیان ہے کہ جب یہ ذکر اپنے ذاکر کے تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے، تو تمام جسم سے گنبد کی جیسی آواز آنے لگتی ہے، جسے اصطلاح صوفیہ میں صوت حسن یا ہمس کہا جاتا ہے، اور کبھی کبھار دوسری قسم کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

اس ذکر کے مکمل ہونے کے بعد اس ذکر کا نام سلطان الاذکار ہو جاتا ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کڑک اور گرج کی آوازیں ظاہر ہونے لگتی ہیں، اور تمام جسم کانپنے لگتا ہے، بے خودی اور محویت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح کبھی چاند اور کبھی آفتاب اور ستاروں کی روشنی جیسی روشنیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ ان حالات میں سالک طریقت کو ان مذکورہ انوار کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے،

بلکہ نور ذات کی طرف خیال رکھنا چاہئے۔
یاد رہے کہ اس مقام کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کشاکش کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ اس شغل کی مداومت سے سالک طریقت دنیاوی نجات پا جاتا ہے۔

شغل سلطانا نصیرًا :

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر صبح وشام رو بہ قبلہ دوزانو ہو کے بیٹھے، اور اطمینان خاطر کے ساتھ اپنی دونوں آنکھیں یا ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ سے ناک کے نتھنے پر نظر ڈالے، پھر بغیر پلکیں جھکائے جس طرح ستاروں یا چراغ کی روشنی دیکھی جاتی ہے، غیر معین انوار کا تصور کرے۔ چنانچہ اس میں استغراق کا یہ عالم ہو کہ وہ محو ہو جائے۔
یاد رہے کہ ابتدا میں آنکھ کی تکلیف ہوگی، حتی کہ پانی بھی بہنے لگے گا، لیکن تجربہ کار صوفیاء کا کہنا ہے کہ چند دن کی مداومت سے عادت پڑ جائے گی۔ تو یہ تکلیف بھی جاتی رہے گی۔
کہتے ہیں کہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ اس شغل کے بہت سے فوائد ہیں، خاص طور پر خطرات کے انسداد میں یہ ذکر عجیب وغریب کی تاثیر رکھتا ہے۔

شغل سلطانًا محمودًا :

جس طرح سلطانًا نصیرا کے شغل کے دوران نتھنوں پر نظر رکھی جاتی ہے، ٹھیک اسی طرح سلطانا محمودًا میں بھی اپنے پاؤں کے بیچ میں نظر رکھی جائے گی، اس شغل کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ شاغل ذاکر کو اپنا سر نظر آنے لگتا ہے، یوں وہ عالم بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔ بات میری نہیں بلکہ صوفیاء کی ہے۔

شغل بساط کا طریقہ :

اس شغل کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر اپنی دونوں آنکھیں بند کرلے، اور زبان کو تالو سے لگا کر سانس کو ام

الدماغ میں روک لے، پھر گروہ ہوہو کو سرمئی رنگ کا سرخی مائل آفتاب کی طرح خیال کرے، یعنی آنکھیں بند کرنے کے بعد مذکورہ بالا طریقہ سے سانس کو ام الدماغ میں ٹھہرائے، اور وہاں دائرہ (ۂ) کی چاروں طرف سرمئی رنگ کا سرخ دائرہ مثل آفتاب کا خیال کرے، اور یہ تصور کرے کہ یہ دائرہ پھیل کر تمام جسم پر حاوی ہوگیا ہے، اب گویا اس جسم کا فناء ہوگیا ہے، اور اس کی جگہ پر گروہ ہوہو (کہ بے جہت اور بے کیف ذات کا عین ذات ہے) قائم ہوگیا (۱) اصطلاح تصوف میں اس مقام کا نام رویت تجلی یالاہوت محمدی ہے۔ پھر اس شغل میں اگر :

(۱) زرد نور دکھائی دے تو نور نفس وناسوت ہے۔
(۲) اگر سرخ رنگ دکھائی دے تو نور ملکوت ہے۔
(۳) اگر سبز رنگ نظر آئے تو نور جبروت ہے۔
(۴) اگر سیاہ رنگ نظر آئے تو نور لاہوت ہے۔

مراقبات طریقۂ عالیہ چشتیہ :

جب انوار جبریہ وسریہ سے سالک منور ہو جاتا ہے، اس کی رگ وپے میں ذکر الٰہی سرایت کر جاتا ہے اور اس کے درون خانہ میں محویت وبے خودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، تب اسے مراقبات کی تعلیم دی جاتی ہے۔
مراقبات کی چند اقسام ہیں، جن کی تفصیلات اگلی سطور میں انشاء اللہ آئیں گی۔ چوں کہ مراقبات تصوف عملی جس کا دوسرا نام تزکیہ واحسان ہے کا لب ولباب ہیں، اسی لئے سلوک وطریقت کیمبتدی کو ابتدا میں تھوڑا تھوڑا اس کا مشق کرایا جاتا ہے، مگر منتہی حضرات کا اس کے ساتھ خاصًا تعلق رہتا ہے، بعض حضرات مشائخ سب سے پہلے اسم ذات کے مراقبہ کی تعلیم دیتے اس کے بعد اسمائے حسنی میں سے کسی اسم کا مراقبہ کراتے ہیں۔

---

(۱) گروہ ہوہو جیسی تصوف کی باتیں ہمارے جیسے عام سمجھ سے باہر ہیں، شاید یہ اور اس جیسی مصطلحات طریقت وسلوک کے اسرار ورموز سے واقفیت کے لئے عملی تصوف کے میدان میں سالک طریقت ہو کے گامزن ہونا پڑے گا۔ ورنہ کور باطن فلاسفہ کی طرح سر دھننے والوں کی ساری کوششیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ (مولف)

مراقبۂ اسم ذات :

سالک مراقب دوزانو بیٹھ کر اپنے سر کو گھٹنے پر رکھے، پھر قلب کو غیر اللہ سے پاک کرتے ہوئے اپنے آپ کو بارگہ ایزدی میں حاضر کرے، پھر تعوذ وتسمیہ کے بعد اللہ حاضری، اللہ ناظری اور اللہ معی کہہ کر ایسا خیال کرے کہ اللہ تعالی اپنی تمام صفات کمالیہ وجلالیہ کے ساتھ میرے قلب میں حاضر وناظر ہے، اور میں اسے دیکھ رہا ہوں، اور اس خیال میں اس قدر منہمک ہوجائے کہ غیر اللہ کا خیال ہی کجا بلکہ اپنی ذات کا خیال بھی دل سے نکل جائے۔

اس مراقبہ کی ابتدا میں مراقب کو عرش سے فرش تک کے حالات کا مشاہدہ ہونے لگے گا، پھر حضرات مشائخ کا کہنا ہے کہ اس کے بعد سیر الوراء پھر وراء الوراء کی خبریں معلوم ہونے لگیں گی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اپنے روحانی تصرفات اور فیصلوں سے واقف ہوجائے گا، یوں حسب حیثیت تقرب الہی کی شان نظر آنے لگے گی۔ پھر اس طریقۂ مراقبہ سے یک سوئی حاصل ہوجاتی ہے۔

مراقبۂ رویت :

سالک مراقب مراقبۂ اسم ذات کے طریقہ پر بیٹھے، اور رویت باری تعالی کا تصور کرے۔ **الم یعلم بأن اللہ یری** پر غور کرے، اور یقین کرے کہ اللہ تعالی ہر چیز کو دیکھتا ہے، اس پر یہاں تک مواظبت کرے کہ اپنے اندر صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہوجائے۔

مراقبۂ قربت :

سالک مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھے، اور **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** . کا معنی کے ساتھ خیال کرے، اور ساتھ ہی ساتھ یقین کرے کہ اللہ تعالی میری خلوت وجلوت، بیمار وصحت غرض ہر حالت میں میرا قریب ہے، یعنی ایسے خیال میں محو ہوجائے کہ اللہ تعالی مجھ سے غایت درجہ قریب ہے۔

مراقبۂ معیت :

سالک مراقب مذکورہ بالا طریقہ پر مراقبہ پر بیٹھے، **وھو معکم اینما کنتم** کا معنی کے ساتھ تصور کرے، اور یقین کرے کہ خلوت وجلوت، بیماری وصحت غرض ہر حالت میں اللہ تعالی میرے ساتھ ہے، حتی کہ اس خیال میں مستغرق ہوجائے۔

مراقبۂ وحدت :

سالک مراقب مذکورہ طریقہ پر بیٹھے، ہمہ اوست یعنی

ھو الأول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن

یعنی اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما، ابتداء، انتہاء، ظاہر اور باطن میں بس وہی ہے، اور تصور کرے کہ اس کے سوا اور کوئی یا کسی کا وجود نہیں ہے، یہاں تک کہ سالک مراقب اس خیال میں مستغرق ہوجائے۔

مراقبۂ فناء :

سالک مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھے، اور آیت:

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

کو معنی کے ساتھ تصور کرے، اور خیال کرے کہ ساری کائنات فنا ہونے والی ہیں، جب کہ ذات باری ہی جو بے کیف وبے جہت ہے ہمیشہ باقی رہے گی، اس مراقبہ میں جو کچھ دیکھے چشم باطن سے دیکھے، اور اپنے خیال میں محو ہوجائے۔ تاکہ آیت مذکورہ کے معنی اور بھی منکشف ہوجائیں، اور اس کے وجود کو فنا اور علم وعقل کو زوال کا درجہ حاصل ہوجائے۔

دیگر مراقبات :

بعض حضرات آنکھیں کھول کر آسمان کی طرف یا اپنے سامنے کے نظارے دیکھتے ہیں، اور پلکیں بند ہو پانے کی کوشش کرتے ہیں، اس شغل میں انوار الہی وارد ہوتے ہیں، اور ایک پلک سے

آگ نکل کر تمام جسم کو گھیر لیتی ہے، اس مراقبہ کو مراقبۂ ہوا کہا جاتا ہے۔ ویسے بعض حضرات نظر ہوا میں گڑ کے مدتوں عالم تحیّر میں رہتے ہیں۔

جب کہ بعض حضرات خاموش رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ میرا وجود نہیں ہے بلکہ وجود صرف اور صرف اسی ایک ذات کا ہے، اگر پوری توجہ کے ساتھ اس پر غور کرے گا تو آیت قرآنی **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** . کے مطابق اپنی خودی کا خیال اس کے دل سے نکل جائے گا۔

پھر بعض حضرات ذات باری تعالی کو صاف شفاف پانی کا دریا تصور کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو اس دریا کا قطرہ تصور کرتے ہیں، اور اس میں مستغرق ہوجاتے ہیں۔

سالک مراقب ایک تنگ وتاریک حجرہ میں بیٹھ کر آنکھیں کھولے، اور ہوا میں ایک جگہ پر نظر جمالے، کہتے ہیں کہ اس سے انوار الٰہی ظاہر ہوں گے، اور وصال حق نصیب ہوگا۔

کہتے ہیں کہ اس ضمن کے قرب کے تین اقسام ہیں: قرب نوافل قرب فرائض اور قرب ذات:

(۱) قرب نوافل میں سالک اپنے شعور میں برقرار رہتے ہوئے تمام انسانی صفات ذمیمہ سے متخلّی ہو کے صفات الٰہیہ میں متجلّی ہوجاتا ہے۔ چناں چہ مردہ کو زندہ کرنا، زندہ کو ہلاک کرنا، دور کی باتیں سننا اور معاینہ وغیرہ اس سے صادر ہوجاتا ہے۔

(۲) قرب فرائض میں سالک اپنے وجود سے بے خبر ہوجاتا ہے، اور اس کی نظر میں سوائے وجود باری تعالیٰ کے اور کچھ بھی نہیں رہتا، شاید تصوف کی اصطلاح میں فنافی اللہ کا یہی مطلب ہے۔

(۳) قرب ذات میں سالک طریقت مرقبۂ وحدت پر پہنچ جاتا ہے، اس حالت میں اس سے کبھی کبھار کچھ خلاف شرع اور مجذوبانہ باتیں نکل جاتی ہیں۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اذکار واشغال :

طریقۂ عالیہ قادریہ جیلانیہ کے اس خانوادے میں کلمۂ طیبہ کی معمولی اور دھیمی آواز میں اس طرح کی تعلیم کی جاتی ہے کہ لا الہ الا اللہ کو پوری طاقت کے ساتھ بدن کے اندر سے کھینچ کر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائے، اس طرح سے خلوت میں شبانہ روز اس کلمۂ شریفہ کا مشق کیا جائے، اور جس قدر بھی ممکن ہوسکے اس کی تکرار ہو، اور ہر سو کے ورد کے اختتام پر ایک مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے، اس طریقے سے ایک نشست میں ایک ہزار ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھنا بہتر کہتے ہیں۔

نفی واثبات کا طریقہ :

ذاکر دوزانو ہوکر ادب سے قبلہ رو ہوکر بیٹھے، اور آنکھیں بند کرکے پوری قوت کے ساتھ لا کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر باہر لائے اور دائیں شانے تک پہنچا کر الہ کو ام الدماغ سے نکالے پھر الا اللہ کی ضرب بڑی زور سے اپنے قلب پر لگائے، لا الہ کہتے وقت خیال کرے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے اور نہ مقصود ومعبود ہے، تاکہ غیر اللہ کی موجودگی کا خیال دل سے چلا جائے۔ اور الا اللہ کہتے وقت وجود مطلق کا خیال کرے۔

حبس دم کے ساتھ نفی واثبات کا طریقہ :

سانس کو ناف کے نیچے روکے، اور غیر اللہ کی نفی کا تصور کرے، لا کو دائیں پیتان کے متصل لے جائے، پھر الہ کو دماغ سے نکال کر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔ بعدازاں سانس کو باہر نکالتے وقت چپکے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے۔ سینہ کی طرف اشارہ کرکے پہلے روز یہ عمل تین مرتبہ کرے، پھر ہر روز ایک ایک مرتبہ بڑھاتے جایئے، یہاں تک کہ دوسو یا اس سے زیادہ ہوجائے۔

اسم ذات بالضروب :

نفی واثبات کے بعد اسم ذات بالضروب ادا کرے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ضربی میں لفظ اللہ کی پوری قوت اور زور سے دل پر ضرب لگائے، پھر تھوڑی دیر ٹھہرے، تاکہ سانس ٹھہر سکے، پھر دوسری ضرب لگائے، اسی طرح مشق کرتا رہے۔

دوضربی میں پہلی ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری ضرب دل پر لگائے۔ اور سہ ضربی میں پہلی ضرب دائیں گھٹنے

پر اور دوسری ضرب بائیں گھٹنے پر پھر تیسری ضرب قلب پر لگائی جائے۔

اور چار ضربی میں اول دائیں گھٹنے، دوسری بائیں گھٹنے، تیسری سامنے اور چوتھی یعنی آخری ضرب قلب لگائی جائے۔ یاد رہے کہ ایک ضربی اور دو ضربی میں دو زانو، اور سہ ضربی وچار ضربی میں چار زانو بیٹھنا چاہیے، اس کے مقدار حضرت شیخ جتنے مقرر کریں اتنے ہو۔ اور گنتی تسبیح کے دانے میں ہر ایک ضرب کی ایک ہو۔

شغل اسم ذات :

اس سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شغل کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو اپنے تالو سے لگائے، تاکہ حرکت نہ کر سکے، اس کے بعد جتنا ہی ممکن ہو قلب سے اللہ اللہ کہے، اس طریقے سے رات دن اس شغل میں مشغول رہے۔ تاکہ خیال میں پختگی آجائے۔ اگر پختہ خیال حاصل ہو جائے تو ذکر و شغل میں مزید زحمت نہیں ہوگی۔

پاس انفاس بذریعۂ اسم ذات :

ذاکر اس ذکر کی ابتدا میں سانس لیتے وقت اپنے ناف پر اسم ذات لفظ اللہ کا تبصرہ کرے، اور ھو کر خیالی طور پر دراز کر کے آسمان پر لے جائے، اس طریقہ سے ہر ایک سانس میں کرتا رہے۔

پاس انفاس بذریعۂ نفی و اثبات :

ذاکر سانس باہر کرتے وقت لا الہ اور لیتے وقت الاّ اللہ دل ہی دل سے کہے، ایک دو مرتبہ تکلیف اور دھیان سے کرنا ہوتا ہے، بعد میں ہر سانس کے ساتھ ایک ترتیب بدون کسی بھی تکلیف کے چل پڑے گی۔

شغل برزخ اکبر :

طریقۂ عالیہ قادریہ میں اس شغل کے چند طریقے ہیں:

(۱) حبس دم کر کے دونوں آبروؤں کے درمیان میں نظر رکھے، اس کے بعد پلک کو چھپکنے نہ دے، پھر یقین کرے کہ میں جو دیکھتا ہوں، اور جس کو پاتا ہوں، وہی میرا مقصود اصلی ہے، اور وجود اور مطلق یعنی خدا کے نور (جو تمام قید و بند سے پاک ہے) کا تصور کرے، تاکہ ذاکر و شاغل کے سامنے وہ نور ظاہر ہو جائے۔ اور اسے فنائے حقیقی حاصل ہو۔

(۲) نظر ہوا پر رکھے اور مذکورہ بالا نمبر ایک کے طریقے پر شغل و تصور کرے۔

(۳) دائیں آنکھ کھلی اور بائیں آنکھ بند کر لے، پھر ناک کے دائیں نتھنے پر خدائے وحدہ لاشریک لہ کے نور کا مشاہدہ کرے۔

شغل دورۂ قادریہ :

سالک شاغل دو زانو ہو کے باادب قبلہ رو بیٹھے، اور آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے۔ پھر اللہ سمیعٌ کا حضور قلب کے ساتھ تصور دل میں لائے۔ اور ایک خط نورانی ناف کے نیچے سے نکال کے وسط سینہ جو لطیفۂ سر کا مقام ہے تک پہنچائے (اس خط کو ناف سے سینے تک کھینچنے کے دوران لطیفۂ نفس کے نور کو زردی مائل رنگ ہونے کا تصور کرے) اس کے بعد اللہ بصیرا اپنے سینے سے نکال کر دماغ تک پہنچائے (دریں اثنا لطیفہ سر کے نور کو سبز مائل رنگ ہونے کا تصور کرے) اس کے بعد اللہ علیمٌ کو ام الدماغ سے نکال کر عرش تک لے جائے (اس وقت لطیفۂ اخفی کے نور کو سیاہ مائل رنگ ہونے کا تصور کرے) پھر اللہ علیم کو عرش سے ام الدماغ تک لائے، اس دوران وہی مذکورہ نور اخفی کا تصور کرے۔ پھر اللہ بصیرٌ کو دماغ سے سینے تک لائے، اس وقت وہی مذکورہ نور سر کا تصور کرے۔ پھر اللہ سمیعٌ کو سینے سے ناف تک لائے، دریں اثنا وہی مذکورہ نور نفس کا تصور کرے۔

ایک دورہ کے اختتام پر دوسرا دورہ شروع کرے۔ اور تدریجاً عروج و نزول کا مذکورہ طریقہ پر شاغل رہے۔ یاد رہے کہ بعض حضرات اس شغل میں اللہ قدیر کو بھی شامل کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ قدیر کو چوتھے آسمان تک اور وہاں سے اللہ علیم کو عرش معلّی تک پہنچانا چاہیے۔ اور وہاں ٹھہر جانا چاہیے۔ اس شغل مذکور کی کیفیتیں نہایت طویل مشغولیت کے بعد معلوم ہوتی ہیں۔

مراقبات سلسلۂ قادریہ :

اگلی سطور میں سلسلۂ عالیہ قادریہ پر گفتگو سے پہلے عرض ہے کہ سلسلۂ قادریہ کے مراقبوں میں جس آیت کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اوّل اسے زبان سے کہے، پھر باادب قبلہ رو ہو کر دو زانو بیٹھے اور غیر اللہ سے اپنے دل کو پاک کر کے جو آیت کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کے معانی کا تصور و تفکر میں منہمک ہو جائے۔ اس حوالے سے اگلی سطور میں جس طرح عرض کی جائے گی اس طرح عمل کرے۔ جہاں چند مراقبوں کا بیان ہے۔

مراقبۂ فناء :

کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام

یہ تمام مراقبوں کا اصل ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ مراقب اپنے آپ کو کلی طور پر مردہ اور بوسیدہ خاک

جیسا خیال کرے، اور آسمان کو شگاف دار اور تمام دنیا کو اور ساری کائنات کو درہم برہم جس طرح قیامت کے دن ہونے والی ہیں کا تصور کرے، ساتھ ہی ساتھ ذات وحدہ لاشریک لہ کو ہی بس موجود اور باقی خیال کرے۔ یادرہے کہ اس شغل میں جب تک محویت اور بے خودی کی کیفیت پیدا نہ ہوجائے، تب تک مشغول رہے۔

مراقبۂ نور کا طریقہ :

سالک مشغول آیت اللہ نور السموٰت والارض الخ تک تلاوت کرے۔ اس تلاوت کے دوران اگر سالک شاغل عالم ہے تو اس کے معانی کا خیال کرے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال کرے کہ جس طرح اللہ تعالی ہر جگہ موجود ہے اسی طرح اس کے انوار بھی سارے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، اور اسی خیال میں مستغرق ہوجائے۔

مراقبۂ صورت کا طریقہ :

ان الموت الذي تفرّون منه فانه ملاقيكم ، اينما تكون يدريككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة کی تلاوت کے دوران سالک عالم ہو تو معانی پر غور کرے، اور مستغرق ہوجائے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں مرگیا اور میری روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، اور میں کفنا یا جارہا ہوں حتی کہ میں قبر میں داخل کیا جارہا ہوں، یادرہے کہ اس مراقبہ کے بعد مراقبۂ توحیدی کی تلقین یا تعلیم کی جاتی ہے۔

مراقبۂ توحید افعالی :

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سالک مراقب اثنائے مراقبہ ساری کائنات کی تمام حرکات وسکنات کو خدائے برتر کی سکنات وحرکات تصور کرے، اور خدائے قدوس کو فاعل حقیقی کا یقین کرے، اس مراقبہ کی پوری پابندی کرنے سے عجیب وغریب نتائج کے ساتھ ساتھ سالک کے اندر بہترین اخلاق پیدا ہوں گے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ سالک کو اس مقام میں حسن وقبح کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوگا۔

مراقبۂ توحید صفاتی :

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سالک طریقت اپنے بشمول تمام کائنات کے وجود کو خدا تعالی کی صفات کا عکس سمجھے، اور اس مراقبہ میں مستغرق ہوجائے۔ اس مراقبہ کے بہت سارے فوائد ہیں، جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس مراقبہ کو کرنے والا اپنے آپ کو کثرت فی العالم کا متبع سمجھتا ہے۔ جس کی ایک شکل یہ ہے کہ مراقب اپنے جسم کو وسیع اور چوڑا پاتا ہے اس مقام میں وہ فرش سے عرش تک ساری چیزوں کو اپنے گھیرے میں لیا ہوتا ہے، حتی کہ تمام عالم کا وجود اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اور کائنات کی ساری اشیاء کی حقیقتیں اس پر منکشف ہوجاتی ہیں۔ اور کشف وانکشاف بعنایت خداوندی غلط بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اس مقام پر پہنچے ہوے سالک کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اس مقام پر نہ ٹھہر جائے، اور ان انوار وفیضانات کا قصد کرے جو ذات کے حجابات کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر پہنچا ہوا بارگہ ایزدی میں عجز وانکساری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے خیالی طور پر وہاں سے گزر جائے، بسا اوقات یہاں جو متنوع اقسام کے انوار ظاہر ہوتے ہیں، یادرہے کہ وہ بھی وجود مطلق کے حجابات میں سے ہیں۔ اور ان پردوں کے پیچھے اور ایک حجابی پردہ ہے (جو لطیف اور بے رنگ ہے) کبھی کبھار وہاں پر توقف ہوجاتا ہے۔ بعض حضرات سالک اسی کو غرض اصلی سمجھ کر وہاں ٹھہر جاتے ہیں۔ خدا تعالی کی نصرت وعنایات شامل حال ہوں تو بڑی آسانی کے ساتھ یہ پردہ ہٹ جاتا ہے۔ اور سالک طریقت کسی مشکلات کا سامنا کئے بغیر اگلی منزل کی جانب رواں دواں ہوجاتا ہے۔ اور ایک منزل ایسی آئے گی جہاں اسے ذات مطلق کی معرفت کا اعزاز حاصل ہوجائے گا۔ یہاں سالک کو بڑی بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، اس مقام کو اصطلاح سلوک میں سیر الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اور اس مقام کو سلوک کا منتہی بھی بتایا جاتا ہے۔

مراقبۂ توحید ذاتی :

سالک طریقت یادرکھے کہ یہ ایک پرخطر مراقبہ ہے، یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں عام تو عام بلکہ خواص کا قدم بھی ڈگمگا جانے کا شدید امکان ہے، یہاں اگر چہ وجودی مشرب پر یقین رکھنے والے سالکین کو اس مراقبہ کی پرخطر نزاکت سے انکار ہے، لیکن ان کے مخالف نظریات کے حاملین کے نزدیک

اس مراقبہ کے تمام تر تخیلات کفر واسلام کے درمیان حد فاصل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے علماء محققین نے اس مراقبہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ مراقب اس کائنات کی ساری اشیاء کو خدا جانے (بڑی مشکل بات ہے، اس کے خیال سے بھی دل گھبرا جاتا ہے، اللہ تعالی جانے وجودی مشرب والے اس مقام پر اپنا ایمان کیسے بچاتے ہیں) اور ہمیشہ اسی حالت میں برقرار رہتے ہوئے غیر خدا کو معدوم سمجھے۔

طریقۂ عالیہ سہروردیہ کے اذکار واشغال :

اذکار واشغال کے حوالے سے طریقۂ عالیہ سہروردیہ کا طریقۂ عالیہ نقشبندیہ سے بہت قریبی تعلق ہے، اکثر اذکار واشغال اور معمولات کا طرز وطریقہ نقشبندیہ سے مناسبت رکھتا ہے، مصطلحات بھی تقریبا دونوں کی ایک جیسی ہیں۔ اس سلسلۂ مبارک کی چوں کہ بہت ساری شاخیں ہیں اس لئے اذکار واوراد کے بھی بہت سے طریقے ہوگئے ہیں، یعنی سالک طریقت ان مختلف طریقوں کو دیکھ کر نہ گھبرا جائے، طریقے جتنے بھی ہوں، لیکن مقصود ایک ہی ہے۔ چوں کہ اس سلسلہ کے اکثر معمولات یعنی ذکر، شغل اور مراقبے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے جیسے ہیں، مگر دو اذکار کا طریقہ کچھ مختلف ہے، جسے خصوصیات کے ساتھ یہاں درج کیا جارہا ہے۔

نفی واثبات کا طریقہ :

ذاکر قبلہ رو دوزانو بیٹھے، گیارہ مرتبہ درود شریف اور تیرہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر سلسلہ کے مشائخ کی ارواح پر ایصال ثواب کردے۔ اس کے بعد اپنے شیخ کے تعلق کو ذہن میں تازہ کر کے یہ خیال کرے کہ ان کے واسطہ سے میرے قلب میں فیوض الہٰی اور عنایات ربانی آرہی ہیں۔ اور ان کا تعلق وتوجہ ہر حال میں میرے ساتھ ہے۔ پھر فاذکرونی اذکرکم کے مضمون کو بھی مستحضر کرلے، بعد ازاں کمر کو سیدھے رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں
ہاتھ کی ہتھیلی کی پست پر رکھے، پھر سر کو تھوڑا سا جھکا کر لا کو ناف سے کھینچے اور سر کو اوپر کرتے ہوئے ام الدماغ تک اس لا کو لے جائے پھر سر کو دائیں طرف موڑتے ہوئے الہ کو دائیں کاندھے پر ختم کرے،

پھر وہاں سے الا اللہ کی ضرب بڑی قوت وشدّت کے ساتھ متوسط آواز سے قلب پر لگائے۔ ذکر کی تعداد ومقدار اپنے شیخ سے حسب قوت واستعداد تجویز کرائے۔

ذکر خفی، پاس انفاس کا طریقہ :

(۱) ذاکر اپنے سر اور زبان کو حرکت دیئے بغیر سانس کو باہر نکالتے وقت لا الہ کا تصور کرے، اور سانس کو اندر داخل کرتے وقت کا تصور بس تصور ہی کی زبان سے ادا کرے۔ بس چند روز کے مشق سے اس پر ملکہ حاصل ہوجائے گا۔

(۲) صرف اثبات کا مشق شروع کرے۔ یعنی سانس نکالتے اور داخل کرتے وقت الا اللہ کا تصور کرے، چند روز کے مشق سے اس کا ملکہ حاصل ہوجائے گا۔

(۳) سانس کو اندر داخل کرتے وقت لفظ پاک (اللہ) کا تصور شروع کردے، اور سانس کو باہر کرتے وقت ختم کردے، چند روز کے مشق سے اس پر ملکہ حاصل ہوجائے گا۔

(۴) صرف ھو (ہ) کا تصور شروع کردے، اس ذکر کے حوالے سے احباس ومراقبات اذکار واشغال نقشبندیہ کا ملاحظہ ہوتو بہتر ہے۔

قرب نوافل وقرب فرائض :

اللہ کا بندہ جب ریاضت ومجاہدہ کرتا ہے تو اس سے صفات رذیلہ اور نام ونمود، شہرت وخود پسندی کے محرکات زائل ہوجاتے ہیں۔ اور جب نفس میں مرضیات حق کی تلاش وجستجو اور نامرضیات حق سے اجتناب کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس سے اعمال حسنہ ومحمودہ بے تکلیف صادر ہونے لگتے ہیں۔ اور ان اعمال حسنہ کے صدور کے ساتھ ساتھ اعمال ذمیمہ وقبیحہ تقریبًا معدوم ہوجاتے ہیں۔ یعنی اس کے اعضاء وجوارح سے کوئی بھی مرضیات حق کے خلاف صادر نہیں ہوتے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ :

> ''میرا بندہ مجھے بذریعہ قرب نوافل برابر حاصل کرتا رہتا ہے، حتی کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں میں اس کی سنوائی بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی بینائی بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے'' ۔

اس حدیث میں حق تعالی کو الہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے، اس لئے حضرات صوفیائے نے اس کی اتباع کرتے ہوئے ایک عنوان یہ مقرر کیا ہے کہ ''بندہ فاعل اور حق تعالی الہ بن جائے'' اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر موقوف ہے۔

پھر دوسرا درجہ قرب اعلیٰ کا درجہ ہے، یعنی عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہوجائے کہ اپنی قدرت وارادہ کو قدرت وارادۂ حق کے روبرو ذوقی طور پر کالعدم جاننے لگے، اور افعال واعمال میں بمنزلۂ آلۂ محضہ کے ہوجائے۔ اس مرتبہ کو اس عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ''اللہ تعالی فاعل اور عبداللہ بن جائے۔ یہ اوّل مرتبہ جس کا اوپر بیان ہوا ہے سے اعلیٰ ہے۔ اور یاد رہے کہ حدیث مرقومہ بالا کے تناظر میں باتین بڑی رمز کی ہیں، چنانچہ انہیں سمجھنے میں تھوڑی کوتاہی وبے احتیاطی باعث خطرہ ہے۔

وجد وجود وتواجد :

اللہ تعالی کی طرف سے بندہ کے قلب پر جو کیفیت وارد ہوتی ہے، اور اسے حزن وسرور کی حالت میں بدل ڈالے تو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے وجد کہا جاتا ہے، اگر صاحب وجد کو بے خود کردے تو اسے وجود کہا جاتا ہے، اگر خود تغیر نہ ہو بلکہ سالک طریقت تغیر پیدا کرنے کا ارادہ وتصور کرے تو اسے تواجد کہا جاتا ہے۔

فناء وبقاء :

فناء کی دو قسمیں ہیں، ایک فنائے واقعی اور دوسرا فنائے علمی:

(۱) فنائے واقعی یہ ہے کہ بندہ سے افعال ذمیمہ اور ملکات ردیہ کلی طور پر زائل ہوجائیں، مثلا ظاہر معاصی چھوٹ جائیں، اور قلب سے غیر اللہ کی محبت، حرص، طول طویل امیدیں، کبر وعجب، ریا ونمود وغیرہ جیسے اعمال وخیال کلی طور پر دل سے نکل جائیں۔

(۲) فنائے علمی یہ ہے کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبۂ علم میں نکل گیا یعنی اس کو غیر اللہ سے تعلق علمی طور پر نہیں رہا، بایں معنی کہ التفات واستحضار غیر کا پہلے تھا اب نہ رہا، بلکہ ملکۂ یادداشت راسخ ہوگیا اور غیر سے ذہول ہوگیا۔

پھر اس کے مراتب واستعداد مختلف ہوتے ہیں، حتی کہ کسی کو استغراق محض ہوتا ہے، اور کسی پر سکر غالب ہوتا ہے، جبکہ کوئی مجذوب ہوجاتا ہے، پھر بعض احوال کی تکمیل کرنے کے لئے اور کسی کو تکمیل کرانے

کے لئے علم بالاشیاء کی طرف غور کرایا جاتا ہے، مگر ابتداء میں علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کما کیفًا اور غایۃً مختلف ہوتا ہے۔ اس حالت کو بقا کہا جاتا ہے، الغرض اخلاق وافعال حمیدہ کے حصول کا نام بقاء ہے۔

فراستِ صادقہ :

فراستِ صادقہ درحقیقت سالک طریقت کے احوال رفیعہ ہے یعنی ایک حیثیت سے ایک اٹکل جو واقعہ کے مطابق ہو۔ جو صفائے قلب کی بدولت اور مواظبت ذکر اللہ اور صحیح معنی کے تقوی سے حاصل ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کیہ اکثر وجدانی طور پر واقعات کے حقائق مدرک ہونے لگتے ہیں۔ جسے اصطلاح طریقت میں فراست صادقہ کہا جاتا ہے۔

کشف :

کشف کی دو قسمیں ہیں، ایک کشف کونی، دوسرا کشف الہی:

(۱) کشف کونی یہ ہے کہ بعد زمانی ومکانی کاشف کے سامنے حجاب نہ رہے، یعنی بعد زمانی ومکانی ہونے کے باوجود کسی چیز کا حال معلوم ہوجائے۔

(۲) کشف الہی یہ ہے کہ علوم واسرار ومعارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات وصفات کے کاشف کے قلب پر وارد ہوجائیں، یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہوکے مکشوف ہوجائیں، اور واردات غریبہ ومواجید مثل ذوق وشوق، محبت وانس وہیبت انکشاف اسرار واحکام وحسن معاملہ بینہ وبین اللہ وغیرہ پر سالک طریقت فائز ہوجائے۔

چند مصطلحات سہروردیہ:

(۱) ابن الوقت :

اس کا اطلاق اس سالک پر ہوتا ہے، جو مغلوب الحال ہو، یعنی جو حالات اس پر وارد ہوں، اس کے آثار سے مغلوب ہو جائے تو اسے ابن الوقت کہا جاتا ہے۔

(۲) ابوالوقت :

اس سالک طریقت کو کہا جاتا ہے جو اپنے احوال پر غالب ہو سکے پھر جو چاہے تو کیفیت اور حالت کو اپنے اوپر وارد کر لے۔

(۳) اتحاد :

خدائے پاک کی ہستی میں مستغرق ہو جانے کا نام اتحاد ہے۔

(۴) اتصال :

ماسوی اللہ سے منقطع ہونے کو حق کے ساتھ اتصال کہا جاتا ہے۔

(۵) اجتباء :

بلاواسطے اکتساب فیض ومجاہدہ سے جو باطنی احوال حاصل ہوتے ہیں اسے اجتباء بھی کہا جاتا ہے اور جذب بھی۔

(۶) تجرید وتغزید :

دنیاوی واخروی اغراض کو ترک کر دینا تجرید ہے اور کسی چیز کو اپنی طرف نسبت نہ کرنا تغرید ہے۔

(۷) تجلّی واستتار :

تجلی ظہور کو کہا جاتا ہے اور استتار پوشیدہ ہونے کو۔ تجلی کے چند اقسام ہیں۔ تجلی ذاتی، تجلی صفاتی، تجلی افعالی، اور ہر ایک کے آثار جدا جدا ہیں۔

(الف) تجلی ذاتی کا اثر یہ ہے کہ سالک اپنے وجود عنصری کی صفات سے بے ہوش ہو جاتا ہے۔

(ب) تجلی صفاتی کی علامت یہ ہے کہ اگر سالک پر تجلی جلالی ہو تو اس پر خشوع وخضوع کا غلبہ ہو جاتا ہے، اگر صفت جمالی کی تجلی ہو تو اس پر سرور وانس کا جذبہ چھا جاتا ہے۔

(ج) تجلی افعالی کی علامت یہ ہے کہ جب سالک پر اس کی تجلی ہو تو اس کی نظر کسی مدح وذم، سود وزیاں اور رد وقبول سے بالا ہو جاتی ہے۔

(۹) تلوین وتمکین :

سالک کی قلبی حالت کا مختلف ہو جانا تلوین ہے۔ یعنی کبھی قبض وکبھی بسط، کبھی صحو اور کبھی سکر کی حالت سے مغلوب ہو جانا۔ اور سالک کا دوام ذکر وطاعت میں استقامت کے ساتھ ہونے سے حسب استطاعت واستعداد بالآخر حالت محمودہ کا پیدا ہونا تمکین ہے۔

(۱۰) جمع وفرق وجمع الجمع :

مخلوقات کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالی نے ان کو بھی فاعل اور موصوف بصفات فرمایا ہے، یہ فرق ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ ان میں نہ کوئی فعل ہے اور نہ کوئی صفت اور حقیقۃ فاعل اور موصوف ذات حق ہے یہ جمع ہے۔ اور مخلوقات پر سرے سے نظر ہی نہ رہنا یہ جمع الجمع ہے۔ پھر اس حوالے سے اور ایک اصطلاح بھی ہے کہ ممکنات کو فاعل وموصوف سمجھنا اس کا نام فرق ہے، اور حق تعالی پر نظر ہونا جمع ہے۔ اور مخلوقات کو آئنہ صفات حق سمجھنا یہ جمع الجمع ہے۔

(۱۰) حال ومقام :

سالک کے قلب میں جو کیفیت غائب سے نازل ہو اور جس میں اس کا کوئی اختیار نہ ہو اسے حال کہا جاتا ہے، اور جس مرتبۂ سلوک میں سالک کو استقامت وپختگی حاصل ہو، وہ مقام ہے۔

(۱۱) حجابات :

اہل کشف کا بیان ہے کہ انسان کے ہر ایک لطائف میں دس دس ہزار حجابات نورانی وحجابات ظلمانی ہیں۔ لطیفۂ قالبیہ کو ملا کر سات لطائف ہوتے ہیں۔ تو ہر ایک میں دس ہزار حجابات کے حساب سے ستر ہزار حجابات ہوتے ہیں۔

(۱۲) لاہوت، جبروت، ملکوت وناسوت :

(الف) لاہوت، مرتبۂ اجمال صفات ہے۔

(ب) جبروت، مرتبۂ تفصیل صفات ہے۔

(ج) ملکوت، مرتبۂ عالم ملائکہ سے عبارت ہے۔

(د) ناسوت، عالم انسان ہے۔

ان چاروں مراتب کے علی الرغم بعض حضرات عارفین نے ''ہاہوت'' کے نام سے ایک اور مقام کی بات بھی کی ہے، انہوں نے اسے مرتبۂ ذات حق کہا ہے، یہ مرتبۂ سلوک میں نہیں بلکہ مرتبۂ وجود ہے۔ پھر اوّل الذکر چار مراتب میں سے مرتبہ لاہوت و جبروت غیر مخلوق ہیں، باقی دونوں مراتب یعنی ملکوت و ناسوت مراتب مخلوق ہیں، اور یاد رہے کہ مرتبۂ ملکوتی کا حجاب نورانی ہے اور مرتبۂ ناسوتی کا حجاب ظلمانی ۔

(۱۳) خاطر :

قلب پر جو خطاب وارد ہوتا ہے، وہ خاطر ہے، جس کی چار اقسام ہیں :

(الف) اللہ کی طرف سے وارد ہو تو خاطر ہے۔

(ب) فرشتوں کی طرف سے وارد ہو تو الہام ہے۔

(ج) نفس کی طرف سے وارد ہو تو ہوا ہے۔

(د) شیطان کی طرف سے وارد ہو تو وسواس ہے۔

(۱۴) رابطہ :

ایک خاص شغل کا نام ہے، جس میں اپنے شیخ کی صورت کو ذہن میں حاضر کرتے ہوئے نظر قلب سے اس کی جانب ٹکٹکی باندھ کے اور خیال کو صاف وشفاف کر کے دیکھا جاتا ہے۔ غالبًا اس کا دوسر نام اصطلاح میں تصور شیخ ہے۔

(۱۵) سالک، واقف، راجع :

سالک وہ ہے جو راستہ پر چلتا ہے، واقف وہ ہے جو راہ سلوک کے بیچ میں اٹک جائے، اور جب کبھی سالک کو عبادات وطاعت میں کوتاہی ہو جائے مگر جلدی سے توبہ واستغفار کر کے بدستور اپنے اعمال میں سرگرمی کی توفیق ہو جائے تو وہ دوبارہ سالک بن جاتا ہے، اگر خدانخواستہ وہی غفلت کوتاہی بدستور رہ جائے تو اندیشہ ہے کہ کبھی راجع بن کر واپس نہ آجائے، اللہ تعالیٰ ہر ایک سالک کو راجع ہونے سے

بچائے رکھے۔ آمین۔

(۱۶) سیر الی اللہ وسیر فی اللہ :

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں، ایک سیر الی اللہ اور دوسرا سیر فی اللہ ہے، یاد رہے کہ سیر الی اللہ محدود ہے جبکہ سیر فی اللہ غیر محدود ۔

(الف) سیر الی اللہ یہ ہے کہ سالک نے نفس کا علاج شروع کیا، یہاں تک کے امراض سے شفا ہوگئی، ذکر وشغل سے تعمیر کا کام شروع ہوگیا، اس کا قلب انوار ذکر سے معمور ہوگیا، تخلیہ وتحلیہ کے دستور وقواعد سے واقف ہوگیا، تو اس کے مراتب بلند کردیئے جاتے ہیں، معالجۂ قلب سے واقف ہوگیا تو اس کے نفس کی اصلاح ہوجاتی ہے، اعمال رذیلہ ذائل اور اخلاق حمیدہ اور انوار ذکر وشغل سے قلب منور ہوجاتا ہے، اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، جس سے تعلق مع اللہ حاصل ہوجاتا ہے۔

(ب) سیر الی اللہ کے مراتب کے اختتام پر سیر فی اللہ شروع ہوجاتی ہے، اب سالک طریقت کو خداتعالیٰ کی ذات وصفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگتا ہے، تعلق سابق میں ترقی ہوجاتی ہے، اسرار وحالات وارد ہونے لگتے ہیں جو غیر محدود ہیں، بس یہ وہ تعلق ہے جسے نسبت بھی کہا جاتا ہے۔

(۱۷) طریق جذب وطریق سلوک :

تربیت کے دو طریقے ہیں، ان میں سے ایک کا نام اصطلاح تصوف میں جذب ہے اور دوسرے کا نام سلوک :

(الف) طریقۂ جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر وفکر کے ذریعے سے محبت کا غلبہ کیا جاتا ہے، اور اسے اعمال زائدہ پر کم لگایا جاتا ہے، اور اس طریقۂ محبت کے ذریعے سے اس کو مقصود تک پہنچایا جاتا ہے۔

(ب) طریقۂ سلوک یہ ہے کہ سالک کو تلاوت ونوافل میں زیادہ سے زیادہ مشغول رکھا جاتا ہے۔

(۱۸) عالم خلق، عالم امر، عالم مثال :

اللہ تعالی نے بعض مخلوقات کو ذی مادہ اور ذی مقدار پیدا فرمایا ہے، جن کو مادیات کہا جاتا ہے، چناں چہ اقسام علویہ وسفلیہ انہیں سے عبارت ہے، جبکہ بعض مخلوقات کو مادہ ومقدار سے مجرد پیدا فرمایا ہے، جن کو مجردات کہا جاتا ہے، چنانچہ تمام ارواح انسانی بشمول لطائف انہیں سے عبارت ہے، اور یہی مراد ہے صوفیائے کرام کے اس قول سے کہ لطائف فوق العرش ہے۔ یاد رہے کہ مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہا جاتا ہے۔ جبکہ عالم مثال ان دونوں کے مابین ہے، یعنی غیر مادی ہونے کے اعتبار سے عالم امر کے ساتھ اس کا مشابہ ہے، اور مقدار ہونے کے اعتبار سے عالم خلق سے اس کا مشابہ ہے۔

(۱۹) عروج وزوال :

سالک جب مراتب سلوک طے کرتے ہوئے مقام یا مرتبہ فناء تک پہنچ جاتا اور ہر مرتبہ میں تجلیات آسمانی اور تجلیات صفاتی کا انکشاف ومشاہدہ غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے عروج کہا جاتا ہے۔ ایسے سالک غایت درجہ کے سکر کے متمنی ہوتا تو اس کے احوال کی ترقی ''احوال فناء'' پر ہوتی ہے، محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ تک بندۂ سالک کی رسائی کے بعد جداگانہ ہوتا ہے، بعض کو حسب تمنا ان ہی احوال فناء میں ترقی ہوتی ہے، اور ان کو ان حالات میں مستغرق کردیا جاتا ہے۔ ویسے ان کو اس سکر وفناء سے افاقہ بخشتا ہے، جسے اصطلاح تصوف میں بقاء یا نزول کہا جاتا ہے، چنانچہ یہ حضرات مسند ارشاد پر متمکن ہوکر خلق خدا کو فیض پہنچاتے ہیں، اور تجلیات آسمانی وتجلیات صفاتی کا سلسلہ ان سے منقطع نہیں ہوتا۔ اور نہ اسرار ورموز ان سے مخفی ہوتے ہیں۔

(۲۰) مکہ ومدینہ :

مکہ مکرمہ کی حقیقت تجلی الوہیت اور مدینہ منورہ کی حقیقت تجلی عبدیت ہے۔ سالک ان دونوں کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ جہاں بھی بیٹھے گا مکہ اور مدینہ اس کا ساتھ ہوگا۔ اس حوالے سے جو محقق ہوگا وہ صورت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ بلکہ حتی الامکان صورت ومعانی دونوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرے گا۔

(۲۱) نفس :

یہ انسان کے اندر کی ایک قوت کا نام ہے، جس سے کسی چیز کی خواہش کی جاتی ہے، خواہ اس خواہش کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے، اگر شر کی خواہش کرے اور بعد میں نادم بھی نہ ہو تو اس حال میں اس نفس کو

نفس امّارہ کہا جاتا ہے، یعنی کثیر الامر بالسوء اس خواہش کا نام ہوگا۔ اگرچہ کبھی کبھار اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہوجاتی ہے مگر یہ اس مذکورہ مفہوم کے منافی نہیں ہوگا۔ کیوں کہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں۔ بہرحال اگر شر کی خواہش کرے مگر نادم بھی ہونے لگے تو اسے نفس لوّامہ کہا جاتا ہے۔ اگر کثیر خواہش خیر کی کرے تو اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے، یعنی ساکن الی الخیر۔

(۲۲) مراتب یقین :

یقین کہتے ہیں اعتقاد وحازم مطابق للواقع کو جس کے تین مراتب ہیں :

(الف) **علم الیقین**: اس کا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی کسی شئی کو اعتقاد حازم یعنی پختہ یقین کے ساتھ جان لے جیسے کسی کو یہ علم ہوجائے کہ آگ جلاتی ہے۔

(ب) **عین الیقین**: یہ ہے کہ علم الیقین کے بعد مشاہدہ بھی ہوجائے جیسے کہ وہ بچشم خود دیکھ لے کہ آگ کسی شئی کو جلا رہی ہے۔

(ج) **حق الیقین**: یہ ہے کہ اس علم الیقین اور عین الیقین کے بعد انصاف بھی حاصل ہوجائے، مثلا کوئی شخص اپنے ہاتھ آگ میں ڈال کر بذات خود معلوم کرلے کہ آگ جلا رہی ہے اور ہاتھ جل رہا ہے۔

(۲۳) مجنون ومجذوب :

مجنون وہ ہے کہ جس کی عقل اخلاط فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہوجائے۔ جبکہ مجذوب وہ ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کی وجہ سے زائل ہوجائے۔

(۲۴) سالک مجذوب ومجذوب سالک :

جو شخص اول مقامات کو طے کرلے بعد میں عالم غیب سے اس کو کشش کیا جائے تو وہ سالک مجذوب ہے، بخلاف اس کے جس کو پہلے کشش ہو پھر مقامات طے کرے وہ مجذوب سالک ہے۔ اوّل الذکر کو محبّ جبکہ ثانی الذکر کو محبوب کہا جاتا ہے۔

(۲۵) قاعدہ :

اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں اعمال جسمیہ یعنی اعمال ظاہرہ تو کم ہوتے ہیں مگر اعمال قلبیہ بہت زیادہ ہوتے ہیں یعنی قلب کی نگہداشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تاکہ قلب غیر حق کی طرف سرے سے متوجہ نہ ہونے پائے۔

(۲۶) تنزلات ستہ:

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے، ورنہ صانع کا پتہ کیوں کر اور کیسے چلے؟ پھر صانع میں ایک مرتبہ ذات کا ہوتا ہے تو دوسرا مرتبہ صفات کا، پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے دوسرا مرتبہ تفصیل کا، اور دستور یہ ہے کہ ہمیشہ ذات کا پتہ صفات سے لگتا ہے، اور اجمال کا پتہ تفصیل سے، جب یہ کلیّہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھئے کہ مخلوقات کے ذریعے سے ہم کو اللہ تعالی کے وجود کا علم ہو گیا ہے، تو ظہور علمی کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم خداوندی کا ظہور ظہور مخلوقات سے ہوا، پھر اسی قائدۂ مذکورہ کے مطابق اللہ تعالی کی صفات تفصیلیہ سے صفات اجمالیہ کا تو پھر ان سے ذات کا پتہ چلا، اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوّل ظہور اللہ تعالی کا صفت جامعیت و اجمالیہ سے پھر تفصلیہ سے پھر مخلوقات سے ہوا۔ اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے تو ایک عالم اجسام ہے۔ اور چوں کہ ان میں بوجہ غایت لطافت و کثافت کے مناسبت سے ہی نہیں، اس لئے اللہ تعالی نے ان کے تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے جس کو دونوں سے مناسبت ہے، جس کو عالم مثال کہا جاتا ہے، تو مخلوقات کی ترتیب میں روح پہلی ہوئی، پھر عالم مثال اور بعد میں عالم اجسام، اور عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا، جس میں اللہ تعالی نے ہر طرح کی صفات پیدا کر دیں، اسی وجہ سے اسے جامع کہا جاتا ہے۔

پھر جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئیں، صانع کا ظہور بڑھتا چلا گیا، تو اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد ظہور صفات تفصیلیہ کے عالم ارواح سے ظہور ہوا، پھر عالم مثال سے پھر عالم اجسام سے پھر انسان سے بس دو مرتبہ ظہور تو صفات میں تھے جبکہ چار مخلوقات میں۔ بس یہ چھ ظہور بالترتیب اعتبار کئے گئے، جن کو تنزلات ستہ کہا گیا، دراصل تنزل کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ظہور بھی کہا جاتا ہے۔

یہ ظہور آسمان سے زمین پر بلکہ انسان کے اندر ہو جانے کا نام تنزلات ہے، اب تنزلات کے چھ مراتب اور جب کہ وجود کا سات مراتب ہوئے کیوں کہ ایک مرتبہ وجود کا خود ذات حق ہے، صوفیائے کرام مرتبۂ ذات حق کو ہاہوت سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ مرتبۂ صفات اجمالیہ کو لاہوت اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرتبۂ صفات تفصیلیہ کو جبروت، اعیان ثابتہ اور حقیقت آدمؑ و ارواح اور مثال کو ملکوت، اور عالم اجسام کو ناسوت، اور عالم انسان کو مرتبۂ جامعیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ یہ سب کچھ مصطلحات ہیں، جب کہ یقینی بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام مخلوقات الٰہیہ سے ہیں، نہ کہ صفات الٰہیہ سے۔

چھٹا باب

حضرت مولانا کے اخلاق حمیدہ و اوصاف کریمہ

مولانا بڑے متواضع انسان تھے:

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی بڑے متواضع اور سادہ مزاج کے انسان تھے۔ کسی مجلس میں بیٹھتے تو پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، چھوٹے ہو یا بڑے، مسکین ہو یا تونگر ہر ایک کو سلام کرنے میں سبقت لے جاتے تھے، مخصوص طور پر اپنے مریدوں، متعلقین اور منتسبین کے ساتھ گھل مل کر بیٹھ جاتے تھے، کسی بھی مجلس میں امتیازی نشست کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، حضرت کی پوری زندگی تذلل و خضوع، عاجزی و انکساری سے عبارت تھی۔ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے اور ہمیشہ حق باتوں کو قبول کرتے تھے۔ کبھی بھی آپ نے غرور و سربلندی کا مظاہرہ نہیں کیا، اگر کسی نے مذمت کی تو اس سے کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔ لیکن کسی نے اگر تعریف کی تو اس کا شکریہ ضرور ادا کیا کرتے تھے۔

حضرت نے تواضع کی اصل حقیقت کو پہنچانا تھا، اس لئے حضرت نے تواضع و تکبر و ذلت میں اعتدال کو قائم رکھا، کبھی آپ نے اپنے آپ کو اپنے مرتبہ سے بلند سمجھتے ہوئے تکبر نہیں کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو اتنا گرا دیا کہ انہیں حقیر سمجھا جائے۔

کون نہیں جانتا کہ بڑائی کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں، دراصل تکبر ایک ایسی صفت ہے، جس کی مستحق صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات اقدس ہے، اگر مخلوق کا کوئی بھی فرد اس کا دعوی کرے تو وہ جھوٹا ہے، کبر و غرور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے، اور خود پسندی محاسن سے ناواقفیت کا دوسرا نام ہے، اس قسم کی جہالت انسانیت کی مخالفت ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے متکبرین کو بہت برا کہا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے کہ:

انه لايحب المتكبرين (۱)

پھر دوسری آیت میں ہے کہ:

اليس فى جهنم مثوى للمتكبرين (۲)

’’کیا جہنم متکبروں کا ٹھکانہ نہیں؟‘‘

نیز حدیث قدسی میں ہے کہ:

الكبرياء ردائى والعظمة ازارى فمن نازعنى واحدمنهما قذفته فى النار (۳)

’’کبریائی میری چادر ہے، اور عظمت میرا لباس ہے، جس نے ان دونوں میں سے کوئی چیز مجھ سے لینے کی کوشش کی، میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا‘‘۔

انسان کے اعضاء اور جوارح پر تکبر کے اثرات سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جن میں سے کچھ ایک دوسرے سے کثیف ہوتی ہیں، جیسے شیخی، گھمنڈ، غرور وخودداری۔ عزت وخودداری صورت کے لحاظ سے کبر وغرور کے مشابہ ہے، مگر حقیقت کے لحاظ سے مختلف ہے، جس طرح تواضع ذلت کے ساتھ مشتبہ ہو جاتی ہے، حالانکہ تواضع پسندیدہ فعل ہے، جبکہ ذلت برا فعل ہے، اسی طرح کبر وغرور مذموم ہے اور عزت اچھی صفت ہے اور کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل سمجھے، اور عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو پہنچانے اور اس کا احترام یہ ہے کہ اسے دنیا کے عارضی مفاد کے لئے نہ استعمال کرے، اور کبر وغرور کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کے مرتبے سے بالا تصور کرے۔

جو شخص ذلت کی طرف منحرف ہوئے بغیر تواضع کی حد پر رہتا ہے وہ عزت کی راہ پر ہے، جو آتش کبر کی پشت پر قائم ہے۔ لہذا ایسے موقع پر صرف راسخ علماء ومقربین بارگاہ اور ابدال وصدیقین ہی ثابت قدم رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو تکبر کرتا ہے وہ اپنے نفس کی پستی کا ثبوت دیتا ہے، اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنی شریفانہ طبیعت کا اظہار کرتا ہے، تو حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ نے

(۱) سورۃ النحل، ۱۶: ۲۳۔
(۲) سورۃ الزمر، ۳۹: ۹۰۔
(۳) سنن ابی داؤد، ۲: ۲۱۱، کتاب اللباس۔

پوری زندگی متواضع رہ کر اپنی شریفانہ طبیعت کا ثبوت دیا ہے۔

اہل فضل کے قدردان تھے:

حضرت مولانا اہل علم وفضل کے بڑے قدردان تھے، اہل علم میں سے اگر کسی کی فضیلت سے واقف ہوتے تو اس کو ہر حال میں اپنے سے مقدم رکھتے تھے، اس قسم کی بے شمار باتیں ہمارے کان میں آئیں، حتی کہ کسی مجلس میں اگر کوئی اہل علم وفضل آجاتے تو مجلس میں اس کے ساتھ گنجائش کرکے عمدہ مقام کے لئے اسے ترجیح دیتے تھے۔ جو عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

ظاہر ہے کہ عدل وانصاف نے ہی دنیا کے نظام کو قائم رکھا ہے، اگر یہ اٹھ جائے تو کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے گا، یوں حضرت انصاف وعدل کے بڑے حامی تھے، ان کے نزدیک دوستی ودشمنی، رنگ ونسل، رشتہ داری واجنبیت، امارت وغربت عدل وانصاف کی راہ میں حائل ہونا ایک ظلم تھا۔

اس عدل گستری کی وجہ سے حضرت کے معاصر علماء آپ کے قدردان تھے، آپ کے علاقے میں اس وقت بہت بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے، جہاں تک دیکھا گیا سارے کے سارے تقریبا آپ کے مدح سرا تھے، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب گودام پاروی رحمۃ اللہ جو حضرت مولانا حافظ مقبول احمد اور مولانا حافظ محی الدین مرحوم کے والد بزرگوار تھے، بڑے جیّد عالم دین اور مثنوی معنوی حضرت علامہ جلال الدین رومی کے گویا حافظ تھے، جن کو راقم السطور نے دیکھا، آپ حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ کے علماء اور اہل علم وفضل کی قدردانی کے بڑے مداح تھے۔ اور تعجب کرتے تھے کہ اتنے بڑے عالم اپنے معاصر علماء کو کتنے ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

دوستی وغم خواری:

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی ایک عادت یہ تھی کہ آپ ہر کس وناکس کو اپنا قریبی دوست نہیں بناتے تھے، اپنا قریبی دوست یا ساتھی بناتے وقت اس پر بنظر غائر تحقیق کیا کرتے تھے، یوں بھی سلف صالحین کے اخلاق کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ بلاتحقیق کسی کو اپنا بھائی یا دوست نہیں بناتے تھے۔ کہ اس کو دنیا وآخرت کے کاموں میں اپنا شریک بنالیں اور کچھ ہی عرصہ بعد ایک دوسرے سے جھگڑنے لگیں، بلکہ ایک مدت تک تحقیق کر لیتے کہ آیا وہ شخص کہ

جس کو وہ اپنا بھائی یا دوست بنا رہے ہیں احکام خداوندی کو بجالاتا ہے یا نہیں ۔ جیسا کہ قول مشہور ہے کہ **فسادالانتهاء من فساد الابتداء** ''انجام کی خرابی ابتدا کی خرابی سے ہوتی ہے'' چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاتحقیق دوستی کے متعلق فرمایا ہے۔

ماتواد اثنان ففرق بينهما الاّ بذنب يحدثه احدهما (۱)

'' دو شخص آپس میں ایسی دوستی نہ کریں کہ ان میں جدائی واقع ہو بغیر اس کے کہ ان میں سے ایک گناہ کا مرتکب ہوا ''

اسی طرح حضرت مولانا کی پوری زندگی مسلمان بھائیوں میں گزر گئی ہے ۔ آپ بلاطلب عوض غم خواری میں پیش پیش رہتے تھے ۔ جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ :''جس قدر دوست کی غم خواری کم ہوگی ، اسی قدر اس کی محبت کم ہوگی ، اس جگہ قرض سے مراد حقوق ہیں ۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں کسی کو ابراہیم بن ادھمؒ کی مانند دوستی کے حقوق پر قائم نہیں دیکھا ، آپ درہم ، کھجور اور منقی تک بھی دوستوں میں تقسیم کر دیتے اور اگر کوئی دوست موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ رکھ لیتے یہاں تک کہ وہ آجاتا ۔

یوں حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی بھی اپنے دوستوں کا بڑا پاس اور لحاظ کرتے تھے ، اسی لئے حضرت مولانا حبیب احمد صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے کبھی بھی آپ کے دوستوں کو آپ سے جدا یا علیحدہ ہوتے نہیں دیکھا ۔

مخلصانہ محبت :

حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتویؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ مخلصانہ محبت کا ایک حسین پیکر تھے ، ان کے اندر صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے محبت کرنے کی نشانیاں نمایاں تھیں ، جس میں دنیاوی اغراض و مقاصد کا شائبہ تک نہیں تھا ، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جو محبت غرض سے ہوتی ہے وہ پوری ہونے کے بعد زائل ہوجاتی ہے ، اور جس محبت میں خلوص ہو اور اس کے ساتھ غرض وابستہ نہ ہو وہ محبت پائدار ہوتی ہے ۔

فرماتے تھے کہ حضرت مولانا کسی بھائی کے مال و دولت پر حسد نہیں کرتے تھے ، بلکہ اس کے لئے دعا

(۱) مسند احمد بن حنبل ، ۲ : ۶۸ ، ۵ : ۷۱ ۔

کرتے تھے ، حضرت کا یہ وصف ایسا ہے کہ جس سے حضرت کی پاکیزہ محبت کی تکمیل ہوتی ہے ، ان کے اندر دنیا کی کسی چیز پر حسد کا جذبہ تھا ہی نہیں ، ساتھ ساتھ آپ اپنے مقدور بھر لوگوں کو احسان اور ایثار بھی کیا کرتے تھے ۔

حضرت مولانا کے بہت سارے مریدوں سے راقم سطور کی ملاقات رہی ، تقریبًا ہر ایک کا یہی کہنا ہے کہ مولانا عبدالسلام صاحبؒ کے اندر جو محبت تھی ، وہ صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے تھی ، جس میں دنیاوی مقصد و غرض بالکل نہیں تھا ، ان کی یہی مخلصانہ محبت لوگوں کے دلوں کو جیت لیتی تھی ۔ جو بھی آپ سے ملے اس نے اس بات کا ضرور اقرار کیا کہ حضرت مولانا مخلصانہ محبت کا ایک حسین و جمیل پیکر ہیں ۔

عیب پوشی :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی اللہ تعالی کا ایک صالح اور نیک بندہ تھے ، تو اللہ تعالی کے نیک بندوں کی طرح ان میں ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے عیبوں کو چھپایا کرتے تھے ، جس طرح کہ عیبوں کو چھپانے کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة (۱)

''جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا '' ۔

حضرات صوفیائے کرام کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ اپنے روحانی اور دینی بھائیوں کے لئے غائبانہ استغفار کرتے ہیں ، اور اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو کر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ان کی تکالیف کو دور کرے ۔ تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ بھی اپنے وقت کے ایک عظیم المرتبت بزرگ صوفی انسان تھے ، ایک طرف تو وہ اپنے کسی بھی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتے اور دوسری طرف اگر کسی بھائی سے کوئی لغزش ہوجاتی تو اس کے لئے غائبانہ استغفار کرتے تھے ۔ اور دعا کرتے تھے اللہ تعالی اپنے خاص فضل کرم سے اس کے عیوب کو دور کردے ۔

غرباء و مساکین سے محبت :

اللہ تعالی کے نیک اور صالح بندوں کا ایک امتیازی وصف ہے کہ وہ غرباء اور مساکین سے محبت رکھتے ہیں ،

(۱) صحیح البخاری ، کتاب المظالم ، ۱: ۳۳۰ ، رقم : ۲۳۱۰ ۔

اوران کے لئے تواضع کرتے ہیں، اورحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پرعمل پیراہوتے ہیں۔

اللھم احیینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین . (۱)

''اے اللہ مجھے مسکین حالات میں رکھ، اور مجھے مسکین حالت میں موت دے، اور قیامت کے دن مساکین کے زرے میں اٹھا''۔

کہتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام مسکین کے لقب سے بلائے جانے کو پسند کرتے اس کے علاوہ انہیں اورکوئی نام پسند نہیں ہوتا تھا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فقراء کی تواضع کرتے اور جب ان کے ساتھ بیٹھتے تو گھٹنے پر گھٹنا رکھ کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں غلام ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں، تو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کو اگر چہ اللہ تعالی نے ظاہری دولت سے بھی نوازا تھا، زمیندار تھے اور زمیندار کے فرزند تھے، مگر ان کی پوری زندگی مسکینوں کی طرح گزرگئی اور حضرت ہمیشہ اس باب میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پرعمل پیرا تھے، اور ان کے اندر صالحین کا یہ وصف نمایاں تھا۔

حضرت اورعفوودرگزر :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عفوودرگزر معاشرہ کے استحکام کا ضامن تھا۔ایسی صورت میں جب کسی دوست سے ظاہری وباطنی جدائی ہوجائے یا ظاہری جدائی ہواور باطنی تعلق قائم رہے تو ایسے معاملے میں مختلف اشخاص کے مختلف حالات کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تبدیلی ایسی صورت میں نمودار ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالی کی راہ سے ہٹ جاتے اوران کی سابقہ برائی ظاہر ہوجاتی ہے۔ایسے لوگوں سے بغض رکھنا ضروری ہے۔

پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے اتفاقیہ کوئی لغزش ہوگئی، یا غفلت وکوتاہی واقع ہوگئی ہو،لیکن ان کی اصلاح کی توقع ہوتو ایسے لوگوں سے بغض نہیں رکھنا چاہئے۔تاہم بحالت موجودان کے عمل سے نفرت کی جائے۔لیکن خودان کو محبت کی نظر سے دیکھا جائے، بلکہ ان کی نجات واصلاح کی امید رکھی جائے۔

---

(۱) جامع ترمذی، ۲ : ۵۸۔کتاب الزھد۔

حضرت مولانا کے نزدیک انتقام لینے سے انسان میں تنگ نظری اور تعصب پیدا ہوجاتا ہے۔ جب کہ معاف کرنے سے وسعت قلبی پیدا ہوتی ہے اوراخوت ومحبت کا احساس وجذبہ انسان کے دل میں موجزن ہوتا ہے۔حضرت مولانا حبیب احمد صاحب چنوتوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ گناہ سے نفرت کرتے تھے لیکن گنہگار سے نہیں۔ ہمیشہ گنہگار کی اصلاح کی امید رکھتے تھے۔

پھر صوفیائے کرام کے اخلاق کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ برائی کا بدلہ بھلائی کے ساتھ دیتے ہیں، اورزیادتی وظلم پر عفوودرگزر کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے معاف کردیتے ہیں۔تواس حوالے سے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ کا بھی یہی حال تھا، کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا، بلکہ برائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے دیا تھا۔

عفو عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معانی معاف کرنا، بخش دینا، درگزرکرنا، بدلہ نہ لینا، مٹادینا، پھر ڈھانپ لینے اورگناہ پر پردہ ڈالنے کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں عفو سے مراد کسی کی زیادتی وبرائی پر انتقام کی قدرت وطاقت کے باوجود انتقام نہ لینا اور معاف کردینا ہے۔قدرت وطاقت نہ ہونے کی وجہ سے اگر انسان انتقام نہ لے سکتا ہوتو یہ عفو نہیں ہوگا، بلکہ اسے بے بسی کا نام دیا جائے گا،عفو صرف قادر ہونے کی صورت میں ہے۔

عفو کا ادنی درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کردے،خواہ طبیعت اس پر آمادہ نہو، اوراعلی درجہ یہ ہے کہ دل کی رضاوخوشی کے ساتھ معاف کرے،اوراگرممکن ہوتواس کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔

ہنس مکھ چہرہ :

حضرت مولانا کے بہت سارے مریدوں کا بیان ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ ہمیشہ کھلی کتاب کا جیسا رہتا تھا، ہمیشہ چہرہ سے خوش باشی نظر آتی تھی، مولانا اللہ کے ایک بڑے ولی تھے، ان کے اندر صفت ولایت جوتھی اس کے آثار بھی ہمیشہ دکھائے دیتے تھے۔حضرت ہمیشہ شگفتہ اورخوش باش نظر آتے تھے۔

یوں بھی صوفیائے کرام کے اخلاق کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ

صوفی خلوت وتنہائی میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں گڑگڑا کر روتا ہے، مگر وہ لوگوں کے سامنے شگفتہ رو اور خوش باش نظر آتا ہے، اس کے دل کی تجلیات کی وجہ سے اس کے چہرے پر مسرّت کی جھلک نمایاں ہوتی ہے، کیوں کہ اس کا باطن روحانی منازل طے کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس پر ایسے انعامات نازل ہوتے ہیں، جن سے اس کا قلب نور الٰہیہ سے لبریز ہوجاتا ہے، تو پھر چہرے پر شگفتگی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔ تو حضرت بھی اپنے وقت کے ایک عظیم صوفیاء میں سے تھے، ان کے چہرے پر صوفیائے کرام کے یہ آثار نمایاں رہتے تھے۔ مولانا کبھی کبھار ہنسی مذاق بھی کرتے تھے، اور لوگوں کی طبیعتوں کے مطابق برتاؤ کرتے تھے۔ آپ حد اعتدال میں رہتے اور ہمیشہ اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے، افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال پر چلتے تھے۔

انسان کے لئے جس طرح مزاج کے اعتدال کو قائم رکھنا مشکل ہے، اسی طرح ہنسی کے اعتدال کو بھی برقرار رکھنا مشکل ودشوار ہے، ہنسی انسانی خصوصیت ہے، جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، ہنسی عجیب وغریب پر آتی ہے، اور تعجب غور وفکر کا نتیجہ ہوتا ہے، جو انسان کے لئے باعث شرافت اور اس کی ممتاز خصوصیت ہے، لہذا اس کے اعتدال سے بخوبی واقف ہونا ان لوگوں کا کام ہے جو علم واخلاق میں ثابت قدم ہوں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ زیادہ ہنسی سے بچو، کیوں کہ یہ دل کو مردہ کرتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہنسی کی کثرت رعونت کی علامت ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ ایک جلیل القدر عالم دین، ایک شیخ ومرشد اور اخلاق کے پیکر انسان تھے، آپ مذکورہ بالا ساری چیزوں سے بدرجۂ اتم واقف تھے، تو ان کی زندگی بھی اس حوالے سے افراط وتفریط سے دور اعتدال پر گزر گئی تھی۔

قناعت وشکر گزاری :

اللہ تعالی نے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ کو باطنی دولت کے ساتھ ظاہری ثروت سے بھی نواز رکھا تھا، آپ بڑے زمیندار اور صاحب ثروت انسان تھے، لیکن ان کی پوری زندگی قناعت سے گزر گئی۔ حضرت کی ایک اخلاقی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے اللہ تعالی کی دی ہوئی دنیاوی نعمتوں سے تھوڑی ہی چیز پر قناعت کر لی، یوں انصاف کے ذریعے آپ نے اپنے نفس پر قابو پالیا۔ حضرت مولانا نفس کے رجحانات اور قناعت کے فوائد سے آگاہ اور نفس کو قانع بنانے کا علم رکھتے تھے۔ آپ کو اس

کے امراض اور علاج خوب خوب معلوم تھا، یوں قناعت کے ذریعے اپنے حرص سے انتقام لیتے تھے۔

اسی طرح حضرت مولانا بڑے شکر گزار انسان تھے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح عرض کی گئی ہے کہ مولانا کو بظاہر دنیاوی مال ودولت کی کمی نہیں تھی، پوری زندگی دعوت وتبلیغ اور رشد ہدایت میں گزر گئی، مصاریف خود برداشت کرتے تھے، آپ کی شکر گزاری دراصل محبت کے باب میں تھی، جس نے اپنے آپ سے اللہ کے لئے محبت کی آپ اس کے شکر گزار رہے۔

صوفیائے کرام کے اخلاق کی ایک نمایاں خصوصیت محسن کے احسان کی شکر گزاری اور اس کے لئے دعا گوئی ہے، ان کے اندر اپنے پروردگار پر توکل کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی توحید بھی واضح ہے کہ ان کی نظریں اغیار کی طرف نہیں ہوتیں، بلکہ وہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ خدائے وحدہ لاشریک لہ ہی کو سمجھتے ہیں۔ تاہم وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں انسان کا شکر یہ بھی ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی نے ہمیں اپنی محبت اور احسانات سے ممنون نہیں کیا۔

خاطر مدارات :

حضرت مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام کے اس اصول پر کاربند تھے کہ صوفیائے کرام اپنے ساتھی کو خاطر مدارات کا محتاج نہیں بناتے اور نہ اسے معذرت پر مجبور کرتے اور نہ ہی اپنے ساتھی کے لئے اس قدر تکلف کرتے ہیں کہ وہ اسے ناگوار سمجھے، بلکہ جیسے ان کا ساتھی ہے ویسے ہی رہتے ہیں، اور اس کے مقصد کو اپنے مقصد پر ترجیح دیتے اور مقدم رکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول ہے کہ: بدترین دوست وہ ہے جو تمہیں خاطر مدارات کا محتاج بنائے یا تمہیں معذرت پیش کرنے پر آمادہ کرے، اور تم اس کے لئے تکلف کرو''۔

یوں بھی اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی اخلاقی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر انہیں مخلوق کی طرف سے کوئی اذیت یا تکلیف پہنچے تو اس کا انتقام نہیں لیتے، بلکہ تحمل ومدارات کے ساتھ اس کو بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

نسان کے اندر ایک نفس ہے جس کو نفس امارہ کہا جاتا ہے، اگر کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کیا جائے تو

اسے ناپسند کرتا ہے اور اس وقت اس میں غیض وغضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اللہ تعالی کے نیک اور صالح بندے صبر وتحمل سے حسن مدارات کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں، اور نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرلیتے ہیں۔ یوں حسن مدارات سے نفس کی حدّت طیش نفرت کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے حضرت شیخ ابویزید بسطامیؒ سے پوچھا کہ زاہد کی تعریف کیا ہے؟ تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ ''ہمیں جو کچھ ملتا ہے کھالیتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کرلیتے ہیں''۔ تو اس پر اس بلخی نوجوان نے کہا کہ ہمارے ہاں بلخ کے کتے بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس پر شیخ ابویزید بسطامیؒ نے اس نوجوان سے زاہد کی تعریف پوچھی تو اس نے عرض کیا ''جب ہمیں نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور جب ہمیں ملتا ہے تو ایثار کرتے ہیں''

حضرت شیخ ذوالنون مصری کے نزدیک فراخ دل زاہد کی تین نشانیاں ہیں۔

(۱) جمع کی ہوئی چیز کو خرچ کرنا۔

(۲) گم شدہ چیز کو تلاش نہ کرنا۔

(۳) اپنی خوراک دوسروں کو دے دینا

تحمل وبردباری :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کے اندر تحمل وبردباری کی صفت نمایاں تھی، حضرت کو لوگوں میں سے اگر کوئی اذیت پہنچاتے تو اس کی زیادتی پر ضبط کرتے اور اس کی غلطی سے چشم پوشی کرجاتے تھے۔

اگر اللہ تعالی کے نیک بندوں کے اخلاقی حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اگر اللہ کے ان بندوں کے ساتھ کوئی عداوت رکھتے اور لڑائی جھگڑے پر اتر آتے تو حلم وبردباری کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں، تا آں کہ اس کا فتنہ سرد ہوجاتا ہے، اور اپنے کئے پر شرمسار ہوکر ان کے قدموں میں آگرتا ہے، معافی مانگتا ہے اور بالآخر وہ ان کا دوست بن جاتا ہے۔

ٹھیک یہی حالت مولانا ارکانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ یہ تو دنیا ہے آخر، اللہ والوں کے دشمن بھی تو ہوتے ہیں، بوسیدنگ کے علاقے میں حضرت کے ساتھ بعض گستاخوں نے گستاخی بھی کی تھی، لیکن بعد میں حضرت کے تحمل وبردباری اور حلم وقوت برداشت کو دیکھ کر خود وہ گستاخ بھی تائب ہوگئے، اور بعد

میں تدریجاً حضرت کے ساتھی بن گئے تھے۔ ایسے چند واقعات علاقے کے لوگوں کی زبانی سنے گئے ہیں۔ غرض آپ بڑے نیک اور صالح بزرگ تھے، حضرت کے دل میں کینہ اور نفس میں جھگڑے کا وجود ہی نہیں تھا، حضرت مولانا کے نزدیک نفس میں کینہ کا وجود باطنی کشمکش کے مترادف ہے۔ اس باطنی کشمکش سے دور رہنا ضروری ہے۔

انسان سے ہم دردی :

کون نہیں جانتا ہے کہ تعلق اخوت کے استحکام کے لئے ہمدردی شرط اولین ہے، اس کے برعکس دھوکہ دہی اس رشتہ کے تقدس کو پامال کرکے رکھ دیتی ہے، کیوں کہ ہمدردی ایک ایسی چادر ہے، جس کے باعث اخوت ومحبت کو طمانیت نصیب ہوتی ہے، اس لئے اہل دل جب کسی کے ساتھ رشتۂ اخوت کی بنا پر دوستی کا دم بھرتے ہیں تو پھر ہم دردی کرتے ہیں، اور جدا ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔

تو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی ہر انسان سے ہمدردی کرتے تھے، دشمن ہو یا دوست، اپنا ہو یا غیر، گنہگار ہو یا نیکوکار غرض آپ ہر ایک سے ہمدردانہ معاملہ فرماتے تھے۔

برادرانہ تعلق کے لئے شفقت وہمدردی بہت اہمیت کی حامل ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا ہر چھوٹے بڑے سے شفقت وہمدردی سے پیش آتے تھے۔ حضرت کو اگر کہیں بھی بلایا جاتا تو محبت، شفقت اور ہمدردی کے جذبے سے وہاں پہنچ جاتے تھے۔

اس ہمدردی اور شفقت کے علاوہ بطور خاص حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے روحانی بھائیوں سے بڑے بے تکلف تھے، حضرت کا یہی بے تکلفانہ انداز دراصل ایک صالح بندہ ہونے کی علامت تھا، وہ اپنے روحانی بھائیوں سے تکلف نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر حال میں بلا تکلف پیش آتے تھے۔ حضرت مولانا کی خصوصیت میں سے نرمی، سادگی، ملنساری اور بے تکلفی بہت قابل ذکر چیزیں ہیں ۔

حضرت مولانا بطور خاص گنہگار پر شفقت فرماتے تھے، جیسے کہ حضرت عبداللہ مغاربی کا قول ہے کہ جو شخص گنہگار کو بنظر رحمت نہ دیکھے وہ صوفیاء کے طریق سے خارج ہے، اسی طرح حضرت معروف کرخی کی عادت تھی کہ جب وہ کسی گنہگار کو دیکھتے تو اس کی بخشش کے لئے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھاتے اور اس کے لئے رحمت کی امید رکھتے اور فرماتے کہ اللہ تعالی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی نجات

وشفاعت کے لئے مبعوث فرمایا ہے، جب کہ شیطان لعین کو لوگوں کی ہلاکت، تباہی و بربادی اور ان کی برائی پر خوش ہونے کے لئے بھیجا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخیؒ کا ایک ایسی جماعت پر سے گزر ہوا جو دریائے دجلہ میں کشتی پر سوار تھی اور وہ اپنے پاس شراب رکھی ہوئی تھی، لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ ان نافرمانوں کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے ؟ تو آپ فرمایا اے اللہ جس طرح تو نے ان کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح ان کو آخرت میں بھی خوش رکھ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ سے بددعا کی گزارش کی تھی اور آپ نے ان کے حق میں دعا کی۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ میں کسی مسلمان کے لئے بددعا کروں، بیشک اللہ تعالی آخرت میں ان کو اسی وقت خوش کرے گا جب دنیا میں توبہ کی توفیق دے کر انہیں معاف کردے گا۔ منقول ہے کہ وہ جماعت بعد از اں تائب ہو گئی تھی۔

مادیت سے بےزاری :

حضرت مولانا مادیت اور مادہ پرستوں سے بڑے بیزار تھے، مادہ پرست نہ صرف حضرت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ مادہ پرستوں کو حضرت بسا اوقات اپنے دشمن ہونے کا اعلان فردیتے تھے۔ شریعت کے پابند اور روحانی دنیا سے لگاؤ رکھنے والے آپ کے دوست اور آپ کی نظر میں صاحب عزت ہوتے، اور دین دار حضرات اور سنت رسول اللہ صلی اللہ کے پابند لوگ دیکھتے تو بڑے خوش ہوتے تھے۔ خاص طور پر علمائے دین اور طالبان علوم نبوت آپ کے محبوب ترین انسان تھے۔ کوئی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاتے تو حضرت مولانا اپنے آپ کو اس سے قریب کردیتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ کے نزدیک ارباب فضل وکمال وہ لوگ ہوتے جو ایمان وایقان اور علم نبوت کے ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند ہوں، آپ کی گفتگو اور طرز زندگی وانداز کلام آپ کی درد دلی اور سوز دروں کی عکاسی ہوتا تھا۔ حضرت مولانا زہد وغنا، خود شناسی وخود آگہی کا پیکر تھے، صاحب ثروت وصاحب علم تھے مگر محسن، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ع

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را ۔

ایثار وسخاوت :

مولانا رحمۃ اللہ علیہ محبت خلق خدا، ایثار وسخاوت کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے، صاحب ثروت زمین دار تھے، یوں کسی کو محروم کرنا نہیں جانتے تھے، بڑے دریا دل انسان تھے، آپ کی فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ آپ نہ صرف اپنوں کے لئے دروازۂ سخاوت کھولتے بلکہ بسا اوقات آپ کی سخاوت اور فراخ دلی سے جانے مانے دشمن بھی محروم نہیں رہتے تھے۔ دوستوں کی طرح آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بڑے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رحم دلی اور خیر خواہی کا جذبہ ہمیشہ آپ کی طبیعت میں چھایا رہتا تھا، حضرت عفو ودرگزر، ایثار وہمدردی کا گویا شہنساہ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ بےنفسی اور للّٰہیت کی جیتی جاگتی تصویر و پیکر بھی۔

حضرت مولانا بحیثیت داعی ومبلّغ :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی اپنے زمانے کے ایک جلیل القدر داعی ومبلغ، معلم اور مرشد کامل تھے۔ حضرت دعوت وتبلیغ اور تعلیم ورشد کی خاطر ہمیشہ ہمیشہ خروج کرتے رہتے، اور سال میں مشکل سے ایک دو مہینے اپنے گھر میں رہتے تھے۔ اس حوالے

سے حضرت کا حقیقی پوتا حافظ جعفر الاسلام صاحب کا بیان ہے کہ :

> ''دادا جان حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کی خاطر گاؤں گاؤں شہر در شہر اور علاقہ در علاقہ پھرا کرتے تھے۔ گھر سے جبھی نکلتے تو نو دس مہنے باہر رہتے تھے، بمشکل گھر میں سال میں دو مہینے حضرت کا قیام ہوتا تھا''۔

حضرت مولانا کی ذات میں اللہ تعالی نے دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کی ساری صفات بھردی تھیں۔ چنانچہ بعض حضرات علماء نے جو ایک داعی ومبلغ کے لئے چند صفات بیان کی ہیں وہ سب حضرت مولانا کے اندر پائے جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک داعی ومبلغ کے اندر درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے :

(۱) خلوص نیت۔

(۲) عمل وکردار میں پختگی۔

(۳) کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیع مطالعہ۔

(۴) صبر واستقامت ۔
(۵) حسن خلق۔
(۶) تواضع وانکساری۔
(۷) عفوودرگزر۔
(۸) صداقت۔
(۹) توکل۔
(۱۰) ریاضت ومجاہدہ۔
(۱۱) تقوی وطہارت۔
(۱۲) قوت ارادی۔
(۱۳) شخصی وجاہت۔
(۱۴) ملنساری۔
(۱۵) دینی عصبیت وحمیت۔
(۱۶) برداشت ملامت
(۱۷) مخاطبین کی نفسیات کالحاظ

اب ہم حضرت مولانا کے حوالے سے مذکورہ صفات پرمختصرمختصرانداز میں بحث کریں گے۔

(۱) خلوص نیت :

جہاں تک ملاحظہ کیا گیا ہے کہ حضرت کے سارے افعال واقوال خلوص نیت پر مبنی تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی موجب خیر وبرکت ہوتا، اور باعث ثمرات حسنہ ہوتا ہے، اور بغیر اخلاص کے دنیا میں پھل نہیں ہوتا اور آخرت میں بھی کوئی اجر وثواب نہیں ملتا۔ اس کے لئے ہر عمل کا دار ومدار حسن نیت اور اخلاص پر ہے، اور دعوت کا تعلق بھی بطور خاص باطن کی نیت سے ہے۔ چوں کہ حضرت کی زندگی حسن نیت اور اخلاص وللھیت سے عبارت تھی، اس لئے ان کی دعوتی اور تبلیغی کوشش برگ وبار لائی، اور انشاء اللہ تعالی ان کوششوں کا بھر پور ثواب آخرت میں بھی یقینی ہے۔

(۲) عمل وکردار میں پختگی :

امرحق کے داعی کے لئے لازمی ہے کہ اس کا عمل بھی اس کا موافق ہو۔ عمل کی دلیل چوں کہ قوی ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کا رویہ اس کے دعوی کے خلاف ایسی حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی لئے داعی کا صاحب کردار ہونا بہت ہی اہم اور ضروری ہے، جب وہ شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح عمل کرے، تو اس کی دعوت کے اثرات بھی زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے داعی کا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں کہیں جھول نہ آئے بلکہ اس کا کردار خود اس کی گواہی بن جائے۔ تو حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ کی پوری زندگی ایسی گزری کہ آپ جس عمل کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، خود اس پر عمل کرتے تھے، اس لئے آپ کی دعوت میں بہت ہی تاثیر ہوتی تھی۔

(۳) کتاب وسنت کا وسیع مطالعہ :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی اپنے وقت میں ایک جلیل القدر عالم دین تھے، کتاب وسنت کا آپ کو وسیع مطالعہ تھا۔ جو بھی کام کرتے کتاب وسنت کے موافق کرتے تھے۔ چوں کہ ایک داعی کے لئے کتاب وسنت کی تعلیمات سے آگاہی ایک لازمی چیز ہوتی ہے، اسی لئے حضرت اپنے مریدوں ہم نشینوں اور متعلقین کو قرآن وسنت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔ کیوں کہ حضرت جانتے تھے کہ اگر سالک داعی خود قرآن وسنت کے صحیح مفہوم سے بہرہ ور نہ ہوگا، تو دوسروں کو دین اسلام کے صحیح تقاضے سے آشنا نہیں کرپائے گا۔

(۴) صبر واستقامت :

حضرت مولانا کو دعوت دین اور تبلیغ اسلام کی راہ میں بے شمار مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا، کبھی لوگوں کی طرف سے اور کبھی برمی حکومت اور اس کے لالے پالے غنڈوں کی طرف سے اس راہ حق میں بہت سارے چیلنجز کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا، مگر اللہ تعالی نے حضرت کے اندر صبر وثبات اور استقامت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا، چنانچہ آپ نے دین ودعوت اور رشد وہدایت کے راستے میں پورے صبر واستقامت کا ثبوت دیا۔

جہاں تک پتہ چلتا ہے کہ حضرت کو اس بات کا صحیح صحیح علم تھا کہ ایک داعی کا صبر واستقامت کی صفت سے متصف ہونا ازبس ضروری ہے اور داعی کو بطور خاص پیکر صبر ہونا چاہئے، تاکہ دین کی دعوت کے سلسلے

میں آنے والے مصائب وآلام، تنگی وترشی اور ناسازگار حالات کا پامردی سے مقابلہ کرسکے۔اس لئے کسی بھی حالت میں آپ کا قدم ڈگمگایا نہ تھا۔اور آپ ہر حالت میں سرخرو ہوئے۔

(۵) حسنِ خلق :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی حسن خلق اور خوش خلقی سے عبارت تھی۔ حضرت کا یہ وصف تھا کہ بسااوقات اس نے دشمن تک کو دوست بنادیا تھا۔حضرت مولانا کے چہرۂ زیبا میں ہروقت تبسم اور شگفتگی کے آثار نمایاں رہتے۔حسن خلق کا یہ عالم تھا کہ جو بھی حضرت سے ایک بار ملتا تو دوبارہ ملنے کی آرزو اور تمنا کرنے لگتا تھا۔اور حضرت کی خوش گفتاری کے ساتھ ساتھ حسن کرداری کی وجہ سے لوگوں میں آپ سے ملنے اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنے کی رغبت ہوجاتی تھی۔

(۶) تواضع وانکساری :

تواضع وانکساری ایک داعی ومبلغ کا ایک اہم ترین وصف ہے۔یہ اسے نفس کے حملوں سے بچانے کے لئے اسلحہ کا کام دیتا ہے، یہ اسے احساس برتری سے بھی بچائے رکھتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ کے طرز زندگی اور طرز عمل عجز وتواضع سے بھراپڑا تھا۔حضرت کو تواضع کے برخلاف غرور وپندار، تکبر نخوت سے اتنی نفرت تھی جتنی کہ کفر وشرک سے ایک بندۂ مؤمن کو نفرت ہوتی ہے۔

(۷) عفوودرگزر :

حضرت مولانا کے اندر عفوودرگزر کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس طرح کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ :

خذوا العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاهلين . (۱)

"(اے حبیب مکرم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں" دوسری جگہ میں ارشاد باری ہے کہ :

فاعف عنهم واستغفر لهم . (۲)

"سو آپ ان سے درگزر فرما کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں"۔

---

(۱) سورۃ الاعراف، ۷ : ۱۹۹۔

(۲) سورۃ آل عمران، ۳ :۱۰۹۔

(۸) صداقت :

حضرت مولانا ارکانی صاحبؒ کے لئے بحیثیت ایک شیخ کامل، داعی برحق، مبلغ ومرشد کے راست روی، راست بازی، ظاہر وباطن کی یکسانیت، حسن عمل وقول کی سچائی لازمی چیز بن گئی تھی۔

انہوں نے اپنے آپ سے اور اپنے پروردگار سے یہ عہد کرلیا تھا کہ وہ ہمیشہ سچ بولیں گے اور سچ کے برعکس کسی چیز کے قریب بھی نہیں پھٹکیں گے۔تو ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ حضرت کے لئے بدی سے بچنا اور نیکی اور سچائیت کی راہ پر چلنا آسان ہوچکا تھا۔یوں اس سچائی اور راست گفتاری وکرداری کی وجہ سے حضرت کے اندر بلند حوصلگی اور شجاعت پیدا ہوگئی تھی۔سچائیت کی راہ میں حضرت کو صرف اور صرف اپنے آقا کا خوف تھا، خوف خدا کے سوا دنیا ومافیہا سے ڈرنا ان کے نزدیک ایک بزدلی تھا، جو ان سے کبھی نہیں ہو پایا تھا۔

(۹) توکل :

توکل کے معنی ہیں: اللہ تعالی کو اپنا وکیل بنانا، اور اس پر پورا اعتماد کرنا، اور وکیل کہتے ہیں سرپرست کو، اور سرپرست اس کو کہتے ہیں کہ جو بہترین اور بھلائی کی بات سوچے، اور خرابیوں سے بچائے۔ یوں مومن کا وکیل صرف اور صرف اللہ تعالی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے جو کچھ آئے، وہ بھلائی ہی بھلائی ہے۔اس میں میری بہتری ہے، خدا تعالی جس حال میں رکھے گا، میں اس سے خوش ہوں، مومن اپنی سی کوشش کرتا ہے اور پھر اپنے معاملہ کو خدا تعالی کے حوالہ کردیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے رب! تیرے میں کمزور میں ناتواں بندہ ہوں، اس کام میں جو کوتاہی رہ گئی ہے، وہ تو پوری کردے، تو غالب اور طاقت ور ہے۔تو بندۂ مومن کے لئے ضروری ہے کہ کسی چیز کو حاصل کرنے کی جو تدبیر ہوسکتی ہے، وہ اسے پوری اختیار کرے اور پھر خدا تعالی سے دعا کرے کہ میں نے تو ممکن تدبیر کرلی، اب تو ہی مدد فرما۔یہ ہے توکل۔

تو حضرت مولانا ارکانی صاحب بحیثیت ایک داعی ومبلغ کے آپ کو اللہ تعالی پر پورا پورا بھروسہ تھا، اور یقین تھا کہ اللہ تعالی آپ کی محنت کو دنیا وآخرت میں رائگاں جانے نہیں دے گا۔جب کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ جب تم کسی کام کا ارادہ کرلو تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آگے بڑھو، اور اللہ تعالی پر مکمل توکل کرتے ہوئے اس کا انجام اس پر چھوڑ دو۔ ارشاد ربانی ہے کہ :

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین . (۱)

’’پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے ‘‘

(۱۰) **ریاضت ومجاہدہ :**

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانیؒ کی پوری عملی زندگی ہی ریاضت ومجاہدہ سے عبارت تھی، حضرت ایک داعی الی اللہ تھے، ان کو اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ دعوت الی اللہ کا کام مسلسل محنت اور متواتر ریاضت ومجاہدہ کا متقاضی ہے، اس لئے آپ نے تقوی، طہارت پاکیزگی، نظافت اور عبادت الہی اور اطاعت وبندگی کے تہ بتہ اپنے اندر راہ حق میں آنے والے مصائب وآلام کی برداشت کا حوصلہ پیدا کرلیا تھا، یوں اس راہ میں حضرت کی زندگی کا ہر لمحہ مجاہدہ اور ریاضت میں بسر ہوا تھا۔

(۱۱) **تقویٰ وطہارت :**

حضرت مولانا عبد السلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تقویٰ وطہارت کی ایک حسین وجمیل پیکر بن چکی تھی۔ حضرت مولانا کی زندگی کا ہر لمحہ احکام الہی کی بجا آوری میں بسر ہوا، اور تقوی وطہارت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

(۱۲) **قوت ارادی :**

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت ایک داعی الی اللہ مضبوط قوت ارادی کے مالک بزرگ تھے۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ ایک داعی کے لئے قوت ارادی ہی وہ وصف ہے، جس پر تمام اوصاف کا انحصار ہے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ جب داعی خود قوت ارادی کے اعتبار سے کم زور اور اپنی کم زوریوں اور خامیوں کو دور کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا تو اس سے دوسروں کی اصلاح کی توقع کیسے کی جائے گی۔

(۱) سورۃ آل عمران، ۳ : ۱۵۹۔

(۱۳) **شخصی وجاہت :**

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی پہلی چیز جو کسی کو متاثر کرتی تھی، وہ حضرت مولانا کی ظاہری شخصیت تھی، لوگ پہلے ہی نظر میں اندازہ کرلیتے تھے کہ آپ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہیں۔ حضرت کے اندر علم ودانش اور عمل وکردار کی پختگی کے ساتھ ساتھ خاصی شخصی وجاہت تھی۔ جس سے لوگ بہت ہی متأثر ہوجاتے تھے۔

(۱۴) **ملنساری :**

حضرت مولانا بڑے ملنسار انسان تھے۔ جو ایک داعی الی اللہ اور مرشد برحق کے لئے ضروری امر ہے، حضرت کے اندر انسانوں سے مل ملاپ اور لوگوں سے گھل مل جانے کی داعیانہ ومرشدانہ صفت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ لوگوں کو حضرت سے مل کر مانوسیّت کا احساس ہوجاتا تھا۔ لوگوں کے دکھ درد، خوشی وغمی، سکھ وراحت میں شریک ہوجاتے تھے۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں ایک اپنائیت کا احساس پیدا ہوجاتا تھا۔ حضرت کی یہ ایک ایسی صفت تھی جو لوگوں کو بہترین انداز میں تعلیم کرنے میں کام آتی تھی۔

(۱۵) **دینی عصبیت وحمیت :**

جس طرح ایک داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ بوقت ضرورت اللہ کے دین کی خاطر جان تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرے، ٹھیک حضرت مولانا رحمۃ اللہ بھی ایسے تھے۔ حضرت کے اندر اپنے دینی بھائیوں کے لئے رحمت کا جذبہ بھرا ہوا تھا اور دین دشمن قوتوں سے بڑی نفرت وعداوت تھی، آپ مؤمنین سے محبت والفت رکھتے تھے اور کفار ومشرکین سے عداوت۔

(۱۶) **برداشت ملامت :**

ظاہر ہے کہ دین کے کام کرنے والوں کے سامنے مشکلات، رکاوٹیں، اور ملامتیں ضرور آتی رہتی ہیں، مگر داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرلیں۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ بھی بحیثیت ایک داعی الی اللہ کے آپ پر ہونے والی لعن طعن اور مشکلات وملامتوں سے کبھی بھی بددل اور بے حوصلہ نہ ہوئے تھے، ان سے مخالفت بھی کی گئی تھی، مگر مخالفوں کے طعن وتشنیع اور زبان درازیوں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر حضرت نے اپنی تمام تر توجہ مقصد ومنزل کی طرف لگا رکھی تھی۔ حضرت

نے ہر آنے والی مزاحمت اور رکاوٹ کو مردانہ وار مقابلہ کرنا اپنا شعار بنالیا تھا۔

(۱۷) مخاطبین کی نفسیات کالحاظ :

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ کے بہت سارے مریدین متعلقین اور ایک سے زیادہ خلفائے کرام کے بیانات سے اندازہ ہوا ہے کہ حضرت نفسیات کے ماہر بزرگ تھے۔جس میں آپ کے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی قوت بھی بے شک کام کرتی تھی۔حضرت مولانا کو بہت ہی کم مدت میں اور کبھی کبھار پہلی ہی نظر میں لوگوں کی نفسیات، رجحانات، میلانات اور حالات کا بخوبی علم ہو جاتا تھا۔گویا حضرت مخاطبین کے حالات، نفسیات، رجحانات، میلانات کو دیکھ کر بات کرتے اور بات کرنے میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

حضرت کے متعلق حافظ جعفر الاسلام کا بیان :

گرامی قدر محترم حافظ جعفر الاسلام صاحب مقیم حال مملکت سعودی عرب حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی پوتا ہیں، صاحب زادہ گرامی مرحوم حضرت نورالاسلام صاحب مجاز بیعت حضرت مولانا نورمحمد صاحب خنڈلی کیوکتوی کا بیٹا ہیں، حافظ صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں، آپ نے مدرسہ اشاعت العلوم سندی پرانگ میں تعلیم حاصل کی۔جسمانی اعتبار سے اللہ تعالی نے ان کو بہت ہی خوب صورت بنایا ہے، اور اخلاقی اعتبار سے بھی حسن سیرت کے مالک انسان ہیں۔حافظ صاحب سے میری بارہا ملاقاتیں رہیں، اور حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی کے متعلق ان سے بڑی اچھی معلومات حاصل کیں۔آج کل جدہ میں مقیم ہیں، ان سے ابتک کی میری آخری ملاقات ۲۰۱۸/۲/۲۲ء میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، اس ملاقات میں حضرت کے حوالے سے حافظ صاحب نے جو بیان دیا تھا اس میں سے چند ضروری چیزیں حاضر خدمت ہیں۔

(۱) دادا صاحب کی ایک کرامت دیکھی گئی تھی کہ ہماری بستی کے مشرق میں جوندی ہے، اس کے پار ہماری خاندانی بہت ساری زمین اور جائداد ہیں، دادا صاحب کبھی کبھی ادھر بھی جایا کرتے تھے، ندی پار تو کرتے مگر بالکل سوکھے ہوتے تھے، نہ جانے آپ دریا پار بھی کرتے

اور کس طرح سوکھے رہتے تھے؟

(۲) ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہمارے گھر کے احاطے میں برمی آرمی کا ایک اوباش جوان گھس آیا، مرغیاں پکڑیں، دراں حالیکہ دادا صاحب گھر ہی میں موجود تھے، اب اس اوباش نے ہر چند کوشش کی مگر نکلنا تو کجا وہ گونگا، بہرہ اور اندھا ہو چکا تھا، بہت دیر کے بعد اس کا کمانڈر اسے ڈھونڈتے ہوئے ہمارے گھر میں آیا، اور دادا صاحب سے پوچھا کہ یہاں کوئی آرمی کا جوان تو نہیں آیا؟ اب دادا صاحب نے فرمایا کہ احاطے میں اس طرف ایک جوان کو جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا، تم جاکے اسے ڈھونڈھ لو، اب کمانڈر اس طرف گیا تو دیکھا اس اوباش کا حال اندھا، بہرہ اور گونگا جیسا ہو چکا ہے، کمانڈر نے اسے جاکے پکڑا اور حضرت سے معافی مانگی، اب حضرت نے معاف کر دیا تو ہی وہ جاسکا تھا۔

(۳) دادا صاحب کو کبھی بھی ہم نے برمی آرمی کے اوباشوں اور مجاہدین کے خوف سے گھر سے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔جبھی ایسے خطرات سامنے آتے تو آپ درود سیف یعنی اللھم صل علی محمد سیف اللہ علی الظالمین وآلہ وسلم کے ورد کرتے تھے۔یوں اللہ تعالی نے آپ کو ہر ظالم کے مظالم اور اوباشیت سے نجات دی، الحمدللہ تعالی یہ معمول ہمارے خاندان میں اب بھی ہے۔

(۴) ہم نے بہتوں سے سن رکھا کہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ساتکانوی معروف بہ بڑے پیر صاحب (مجاز بیعت حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ) کبھی کبھار سحری کے وقت دادا صاحب کے لئے لوٹا ہاتھ لئے کھڑے کھڑے انتظار کیا کرتے تھے۔جب کہ حضرت مولانا عبد المجید صاحب ایک تو حضرت دادا صاحب کے پیر بھائی تھے، اور عمر میں بھی دادا صاحب سے بڑے تھے۔دیکھئے اللہ والوں کی شرافت ونجابت اور احترام واکرام کا حال۔

(۵) ہم نے سنا کہ دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ساتکانویؒ نسبت یعنی سبق لیا کرتے تھے، سنا تو تھا باقی اللہ معلوم۔

(۶) حضرت دادا صاحب کے پاس انگنت لوگ سبق نسبت لینے آیا کرتے تھے۔اور ظرف کا معاملہ ہے، جس کا ظرف جتنا بڑا اور وسیع ہوتا تھا وہ زیادہ مستفید ہوسکتا تھا، البتہ سبق اور نسبت ہر کسی کو دیتے تھے۔

(۷) دادا صاحب رحمۃ اللہ تہجد اور قیام اللیل اکثر گھر ہی میں کرتے تھے، اور کبھی کبھار مسجد کو جاتے تھے، اللہ تعالی کا کرم ہے کہ دادا صاحب کے زمانے سے تہجد اور قیام اللیل کا معمول ہمارے گھر میں آج تک موجود ہے، گھر کے افراد اس کے بڑے پابند ہیں۔

(۸) دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنتیں گھر میں ادا کرتے تھے، اور جماعت قائم ہونے سے پہلے مسجد میں آتے اور نماز با جماعت ادا کرتے ہی واپس گھر چلے جاتے تھے۔

(۹) سنا تھا کہ دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حامد حسین علوی اعظم گڑھی کی بیٹی فاطمہ کو نسبت اور سبق دیا تھا۔ یعنی فاطمہ نے حضرت سے بیعت کی تھی۔ اور حضرت اعظم گڑھیؒ کے نواسے ظفر الاسلام صاحب سے دادا صاحب کا رابطہ ہمیشہ رہا، مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ آیا ظفر الاسلام صاحب بھی حضرت کے مرید تھے یا نہیں۔

(۱۰) حضرت دادا صاحب کو میں نے اکثر دیکھا کہ دو دو گھنٹے مراقب ہوتے مگر کبھی ہلتے یا پہلو بدلتے نہیں دیکھا تھا۔

(۱۱) دادا صاحب مریدوں کو نسبت اور سبق مسجد جو ہمارے گھر کے ملحق ہے میں دیا کرتے تھے۔ البتہ خواتین کو گھر ہی میں نسبت یا سبق دیتے تھے۔

(۱۲) دادا حضرت عام لوگوں کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کراتے اور نسبت و سبق بھی اس طریقۂ عالیہ سے دیتے تھے، البتہ کسی کی مناسبت دیکھ کر طریقۂ عالیہ چشتیہ، یا قادریہ، یا سہروردیہ میں نسبت دیتے تھے۔ اور خلفائے کرام کو سارے طرق و سلاسل کا سبق اور نسبتیں دیتے، البتہ شاذلیہ اور قرنیہ کا جہاں تک سوال ہے۔ ان دونوں طریقوں کی بہت کم لوگوں کو نسبت اور سبق دیتے تھے۔

(۱۳) فرمایا کرتے تھے کہ سلطان محمود صاحب اکیابی (سابق وزیر برائے امور صحت مرکزی حکومت برما) بڑے ذہین و فطین آدمی تھے۔ ہمارے ساتھ پڑھتے تھے، لیکن کتابیں نہیں خریدتے، اور دوسرے لڑکوں کی کتابوں سے مستفید ہو کر امتحان دیا کرتے، اور پاس بھی اچھے نمبرات کے ساتھ ہوتے تھے۔

(۱۴) دادا حضرت گھر میں ہوتے تو بسا اوقات کھیتی باڑی دیکھنے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح

بھینس بیل کی ریوڑ جو ہمارے تھی، دیکھنے جایا کرتے تھے۔

(۱۵) دادا حضرت بڑے نستعلیقی کیفیت کے انسان تھے، بڑے نظیف اور نظافت پسند تھے۔ حتی کہ آپ کے بستر سے ہمہ وقت خوشبو آتی تھی۔

(۱۶) دادا حضرت نے چند مرتبہ کیوکتو کا سفر فرمایا۔ جہاں آپ ہمیشہ آپ کے خلفیہ حضرت مولانا نور محمد صاحب خنڈ لیؒ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی وہاں گیا تھا، حضرت نور محمد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ گھر کی پہلی منزل میں جس پالنگ پر حضرت مولانا سویا کرتے تھے، حضرت کی کرامت ہے کہ آج تک اس پالنگ تک کسی کا فرنجس کا گزر نہیں ہو پایا ہے۔ یہ حضرت کی زندہ کرامت ہے۔

ساتواں باب

حضرت مولانا عبدالسلام ارکانیؒ کے فرمودات وملفوظات

(۱) **ملفوظ** :
ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اخلاق ۱؎ حسنہ کا بہتر نمونہ بنے۔

۱؎ اخلاق :
اخلاق خلق سے ہے جس کے معنی پختہ عادت کے ہیں۔ اصطلاحاً خلق سے مراد وہ اوصاف ہیں جو کسی فطرت وطبیعت کا اس طرح لازمی جزو بن جائیں کہ زیادہ غور وفکر کے بغیر روزمرہ کی زندگی میں ان کا ظہور ہوتا ہو۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف وکمالات کو جدوجہد کر کے اپنی طرف راجع کرے۔
حضرت امام غزالیؒ کے نزدیک خلق انسان کی ایسی کیفیت اور ہیئت راسخہ کا نام ہے، جس کی وجہ سے بغیر کسی غور وتوجہ کے نفس سے اعمال سرزد ہوں۔
ملاّ جلال الدین دوانی فرماتے ہیں کہ ''جب افعال کسی تردد کے بغیر نفس سے سرزد ہونے لگیں تو اس کیفیت کو خلق سے تعبیر کرتے ہیں''۔
اخلاق نبوی سے متصف صوفیاء کرام اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم پیکر ہیں، جنہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کیا، انہوں نے اپنے ابتدائی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر عمل کیا، اور اپنی روحانی زندگی کے درمیانی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی اقتداء کی،

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں
اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح راسخ ہوگئے۔
حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ ''اے میرے فرزند! اگر تم سے ہو سکے تو تم صبح وشام ایسی زندگی بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف میل نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہی میری سنت ہے، اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا در حقیقت اس نے مجھے زندہ کیا، اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا''۔
لہٰذا اخلاق کی اصلاح اس وقت ممکن ہے، جب تزکیۂ نفس ہو، اور نفس کا تزکیہ اس وقت ہوتا ہے جب شریعت کی قیادت کو دل وجان سے تسلیم کر لیا جائے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اخلاق عالیہ کا وہ پیکر اتم تھی، جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی دینار ودرہم باقی نہیں رہتا تھا۔ اگر کوئی رقم بچ جاتی اور کوئی آدمی ایسا نہ ملتا، جسے وہ رقم دے سکیں اور رات ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک گھر جا کر آرام نہیں فرماتے تھے، جب تک اسے خرچ نہ کر لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام غذا چھوارے اور جو تھی، اس کے علاوہ جو کچھ ہوتا، اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے، جوتے گانٹھ لیتے، کپڑے پر پیوند لگاتے، گھر والوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وانک لعلی خلق عظیم (۱)

''اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم الشان ہے''

چوں کہ آپ مخلوق خدا میں افضل اور پاکیزہ ترین انسان تھے۔ اس لئے آپ کے اخلاق بھی اعلیٰ اور افضل تھے۔ حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ نے خلق کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ''آپ میں اعلیٰ دین داری تھی،

---

(۱) سورۃ القلم، ۶۸ : ۴۔

اور دین اچھے کاموں اور اِخلاق حسنہ کا مجموعہ ہے"

حضرت صدیقہ بنت الصدیق ؓ ام المؤمنین عائشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

قالت فان خلق نبی الله کان القرآن . (۱)

" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن کریم ہے "

حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا : "خلق سے مراد یہاں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم پر عمل کرتے تھے، اور وہ کام جو خدا تعالیٰ نے منع کر رکھے تھے وہ نہیں کیا کرتے تھے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں بہت بڑا راز پوشیدہ ہے، اس قول کی تشریح یہ ہے کہ نفوس کی فطرت میں مختلف قسم کے مزاج اور طبیعتیں رکھی گئی ہیں، جو ان کا ضروری حصہ ہیں۔ کچھ نفوس کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور کچھ کی پانی سے، اس لئے ان کی طبائع مختلف ہیں۔ اسی طرح کچھ نفوس سیاہ گارے اور کچھ کھنکھناتی ہوئی پختہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہی کے مطابق ان کی پیدائش کے ابتدائی حصے میں ان میں حیوانیت و درندگی اور شیطانیت کے مختلف اوصاف ودیعت کئے گئے ہیں۔ انسان کی اسی صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں یہ فرمایا گیا ہے :

خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجآن من مآرج من نار . (۲)

"اسی نے انسان کو مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا "۔

چوں کہ ٹھیکرے میں آگ کا دخل ہے، اس لئے شیطان کی آگ کا اثر اس میں بھی موجود ہے، مگر خدا تعالیٰ نے اپنی لطف وعنایت سے حضور کی نفس مبارک سے شیطانی اثر کو شروع ہی سے زائل کر دیا، جیسا کہ حلیمہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور سے شیطانی اثر کلیۃً زائل کر دیا تو آپ کا پاکیزہ نفس ان تمام بشری صفات سے کلیۃً پاک وصاف ہو گیا جن کی بنیاد ظلمت وتاریکی پر

(۱) صحیح مسلم۔ ۱ : ۲۵۶، کتاب صلاۃ المسافرین ۔

(۲) سورۃ الرحمٰن۔ ۵۵ : ۱۴ .

ہے، چنانچہ اس طرح آپ کے حال اور امت کے حال میں بہت بڑا فرق ہو گیا۔ وہ صفات جو آپ میں باقی تھیں، جب ان کا ظہور ہوا تو انہیں وحی ربانی اور آیات قرآنیہ سے امداد ملی، تاکہ بشری صفات کا قلع قمع ہو اور ذات محمدی الوہی اخلاق سے بہر یاب ہو جائے۔ یہ آپ کے لئے خاص رحمت اور امت کے لئے عام رحمت الٰہی تھی کہ مختلف صفات کے ظہور پر مختلف اوقات میں آیات نازل ہوئیں۔

چوں کہ قلب ونفس کے باہمی تعلق کی وجہ سے بشری صفات کے نمودار ہونے پر نفس کی حرکت سے اضطراب پیدا ہوتا ہے، اس اضطراب کو دور کرنے کے لئے دل کو مضبوط کیا جاتا ہے، چنانچہ ہر اضطراب کے موقع پر کسی نہ کسی بشری خلق کو دور کر کے اس کی جگہ الوہی خلق عطا کرنے کے لئے ایک آیت نازل ہوتی تھی، جس میں اس کا ذکر صراحتاً اشارۃً کیا جاتا تھا۔

چوں کہ قرآنی آیات ان صفات کے نمودار ہونے پر مختلف اوقات میں نازل ہوئیں، اسی وجہ سے اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ کیا گیا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا قرآن کریم سے پتہ چل سکے، اس طرح پورا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا بیان بن گیا ہے۔ یہ صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اس لئے باقی رکھی گئیں تاکہ آپ کی اس قول مبارک کی تشریح ہو سکے :

انی لأنسی او انسی لأسن . (۱)

"میں اس لئے بھلایا جاتا ہوں تاکہ میں اپنی سنت قائم کروں"

لہذا آیات قرآنیہ کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نفس کا ظہور اس لئے ہوتا تھا کہ امت کی اصلاح ہو سکے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا کے پاس اخلاق کا خزانہ ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے یہ عنایت فرماتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا :

بعثت لأتمم مکارم الأخلاق ۔ (۲)

(۱) الموطأ۔ ۱ :۱۰۰، کتاب السھو باب العمل فی السھو۔

(۲) الموطأ۔۲ :۹۰۴ کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی حسن الخلق۔

''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں''

بہر حال اس وضاحت کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو فرمایا ہے اس میں بہت سے راز مضمر ہیں، اور اخلاق ربانیہ کی طرف اشارہ ہے، لہذا انہوں نے فرمایا کہ آپ کے اخلاق کا آئینہ قرآن کریم ہے۔

جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نہایت اعلی تھے، کیوں کہ آپ ہر وقت اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

حضرت شیخ واسطی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جہانوں کو خدا کے بدلے قربان کر دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق کے ساتھ خوش اخلاقی کا تعلق تھا، اور آپ کا خالق کے ساتھ قلبی وروحانی تعلق تھا، یوں بعض صوفیاء کرام نے تصوف کا بھی یہی مفہوم بتایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا رویہ ہو، اور حق تعالی کے ساتھ صداقت کا تعلق ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اتنے اعلی تھے کہ تمام کائنات خالق کائنات کے مشاھدے کے مقابلے میں ہیچ نظر آنے لگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اس لئے عظیم فرمایا گیا کہ تمام شریفانہ اخلاق اس میں جمع ہو گئے تھے۔

حضرت شیخ واسطی فرماتے ہیں کہ خلق عظیم کا مفہوم یہ ہے کہ نہ کسی کے ساتھ جھگڑا کیا جائے اور نہ اس کے ساتھ کوئی جھگڑا کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خلق عظیم کا جو لفظ قرآن پاک میں آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے باطن میں مشاہدہ حق کی حلاوت محسوس کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے پیغمبروں سے زیادہ خدا کی نعمتوں کو قبول کر کے ان سے فائدہ اٹھایا۔ پھر کچھ بزرگوں کے نزدیک خلق عظیم سے مراد تقوی کے لباس کو زیب تن کرنا اور خدائی اخلاق کو اختیار کرنا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ خلق عظیم میں شفقت، الفت، نصیحت اور سخاوت یہ چاروں اوصاف جمع ہوتے ہیں۔ اور شیخ ابن عطارؒ کے نزدیک خلق عظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا، یعنی آپؐ نے اپنے نفس وخواہشات کو فنا کر دیا تھا اور آپؐ خدا کے حکم کے ماتحت تھے۔ حضرت شیخ ابوسید القرشیؒ کا قول ہے کہ ''عظیم'' خدا کی ذات ہے، اور اس کے اخلاق میں سخاوت، کرم، درگزر، معافی اور احسان کے اوصاف شامل ہیں۔

حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شریفانہ اخلاق دس ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اخلاق باپ میں موجود ہوں بیٹے میں نہ ہوں، بیٹے میں موجود ہوں اور باپ میں نہ ہوں، غلام میں موجود ہوں اور آقا میں نہ ہوں اور آقا میں موجود ہوں غلام میں نہ ہوں، وہ دس اخلاق یہ ہیں:

(۱) سچ بولنا۔

(۲) دنیا سے قطعی ناامیدی۔

(۳) سائل پر بخشش کرنا۔

(۴) پڑوسی یا دوست بھوکے ہوں تو خود پیٹ بھر کر نہ کھانا۔

(۵) احسانات کا (صحیح) بدلہ دینا۔

(۶) امانت داری۔

(۷) صلہ رحمی۔

(۸) دوست کے حقوق ادا کرنا۔

(۹) مہمان نوازی کرنا۔

(۱۰) حیاء کرنا۔

بعض علماء کرام نے اخلاق کا ایک نقشہ بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان کے اندر اللہ تعالی نے تین چیزیں ودیعت کر دی ہیں، جنہیں قوات کے نام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، جو یہ ہیں :

(۱) قوت غضبانیہ۔

(۲) قوت شہوانیہ۔

(۳) قوت علمیہ۔

پھر ہر ایک کے تین تین درجات ہیں۔ جنہیں حدود بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۱) افراط : یعنی کسی قوت کا حد سے زیادہ ہو جانا۔

(۲) تفریط : یعنی کسی قوت کا حد سے کم ہو جانا یا بالکل نہ ہونا۔

(۳) اعتدال : کسی قوت کا حد افراط وتفریط میں نہ ہونا اور بالکل اعتدال میں یا توازن میں رہنا۔

یوں قوت غضبانیہ کا افراط یہ ہے کہ مثلاً کسی انسان کا غصہ اتنا بڑھا ہوا ہونا کہ باتوں باتوں میں لوگوں

سے جھگڑے یا مار پیٹ شروع کردے ۔ اور غصے کو اعتدال میں رکھنے کی صلاحیت ہی اس کے اندر نہ رہے، اور قوت غضبانیہ کا حد تفریط کا مطلب یوں سمجھئے کہ کسی انسان کے اندر سے غضب کی قوت اس طرح زائل ہوجائے کہ اس کے سامنے اور تو اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شیطان صفت انسان بے ادبی کرے تو اس کی حمیت ایمانی اور غیرت دینی میں کچھ آنچ نہ آئے ۔ اور قوت غضبانیہ کا حد اعتدال کا مفہوم یوں سمجھئے کہ اللہ تعالی نے انسان کے اندر جو قوت غضب ودیعت کی ہے اسے ہر حال میں اعتدال میں رکھے اور حد افراط وتفریط سے بچتے رہے ۔

اسی طرح قوت شہوانیہ کا جہاں تک سوال ہے کہ اس باب میں حد افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال میں رہے۔

اسی طرح قوت علمیہ پر بھی قیاس کیجئے کہ انسان کو اتنے علم کا بھی دعوی نہ ہو کہ وہ کائنات کے ہر ایک راز ہائے سربستہ کو کھولنے کی کوشش شروع کرے ۔ جو اس کا حد افراط ہے ۔ اور اس کی تفریط پر اتنی سی بات ہے کہ سرے سے بے علم انسان اللہ تعالی کو پہنچان نہیں سکتا ع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اب ان تمام چیزوں کو ذیل کے گوشوارہ میں ملاحظہ کیجئے :

انسانی قوات

قوت غضبانیہ

افراط	اعتدال	تفریط
تہور	شجاعت	جبن

قوت شہوانیہ

افراط	اعتدال	تفریط
جزبرہ	حکمت	سفاہت

قوت علمیہ

افراط	اعتدال	تفریط
فجور	عفت	جمود

☆ تو آپ ملاحظہ کریں کہ قوت غضبانیہ کے افراط کو تہور کہا جاتا ہے اور تفریط کو جبن، جبکہ اس

کے اعتدال کا نام شجاعت ہے۔

☆ اسی طرح قوت شہوانیہ کے افراط کو فجور اور تفریط کو جمود، جبکہ اعتدال کو عفت کہا جاتا ہے۔

☆ پھر قوت علمیہ کے افراط کو جزبرہ اور تفریط کو سفاہت، جبکہ اس کے اعتدال کا نام حکمت ہے۔

اب بات واضح ہوگئی ہے کہ اخلاق یہ ہے کہ انسان ہر ایک مذکورہ بالا قوات کے حدود افراط وتفریط سے بچے یا بچ جائے اور ہر ایک قوات کے حدود اعتدال میں رہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس انسان کے اندر تہور وجبن ، فجور وجمود ، جزبرہ وسفاہت کی قوات کے بجائے شجاعت حکمت عفت ہو وہی اخلاقی انسان ہے۔

اسی لئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ :

وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكون شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدًا . (۱)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امۃ وسطا کی تفسیر امۃ عدلاً سے کی ہے، اب امۃ عدلا کی تفسیر مرقومہ بالا خاکہ میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

(۲) ملفوظ :

جس کے دل میں دنیا کی حرص ہوتی ہے اس میں اللہ تعالی کا انس ۲ قرار نہیں پکڑتا۔

۲ انس : صوفیاء کی اصطلاح ہیبت وانس بھی ہے، ہیبت وانس دونوں کا درجہ قبض وبسط کے اوپر ہے، جس طرح قبض کا درجہ خوف کے اوپر اور بسط کا رجاء کے اوپر ہے۔ اس طرح ہیبت قبض سے بلند تر ہے۔ اور انس بسط کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتا ہے، ہیبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صاحب ماسوا سے غائب ہو، لہذا ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے ، پھر یہ کہ ہیبت زدہ غیبت میں بناوٹ کے

(۱) سورۃ البقرۃ ۔

اعتبار سے بھی متفاوت ہے۔

چنانچہ بعض کی غیبت دیر پا ہوتی ہے اور بعض کی غیبت کم مدت والی ہوتی ہے۔ اور انس کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب انس حقیقی محو کی کیفیت میں ہو۔ لہذا ہر صاحب انس ہوش میں ہوگا پھر ان لوگوں کی حالت، انس کی اس مقدار کے مطابق، جس کو انہوں نے پیا ہے، متفاوت ہوتی ہے۔ اس لئے صوفیاء کہتے ہیں کہ انس کا کم ترین مقام یہ ہے کہ صاحب انس کو اگر بھڑکتی آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو اس وقت بھی اس کی انس والی کیفیت مکدر نہ ہوگی۔ حضرت جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ کا کہنا ہے کہ (انس کے مقام میں) بندہ کی حالت یہاں تک ہوجاتی ہے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار بھی ماردی جائے، تو اسے احساس نہیں ہوتا۔

چوں کہ ہیبت اور انس میں بندے کی حالت بدل جاتی ہے۔ اس لئے اہل حقیقت ان دونوں حالتوں کو نقص میں شمار کرتے ہیں۔ کیوں کہ اہل تمکین تبدیلی اور تغیر سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ وجود عین یعنی حق تعالی میں محو ہوتے ہیں، لہذا ان کے لئے نہ ہیبت ہوتی ہے نہ انس اور نہ علم اور نہ حس ۔

(۳) ملفوظ :

بزرگ وہی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ۱؎ ہو۔ خوف خدا بڑی نعمت ہے، جس میں آمیزش نہیں، امید میں آمیزش ہے۔

۱؎ **خوف** : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یدعون ربهم خوفا وطمعًا (۱)

''وہ اپنے رب کو خوف اور لالچ کی وجہ سے پکارتا ہے ''

عیسی بن طلحہ نے حضرت ابوھریرۃ سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایدخل النار من بکى من خشية الله تعالى حتى تلج اللبن فى الفرء ولا يجتمع غبار فى سبيل الله ودخان جهنم فى منخرى عبد ابدًا . (۲)

جو شخص خوف خدا سے روئے، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، یہاں تک کہ تھنوں میں دودھ واپس نہ چلا جائے (اور یہ ناممکن ہے) اور اللہ کی راہ میں غبار (یعنی جہاد کا غبار) اور جہنم کا دھواں (دونوں) ایک بندے نتھنوں میں جمع نہیں ہوسکتے ''۔

قتادہ نے انس سے روایت کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ :

لوتعلمون مااعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا . (۳)

'' اگر تمہیں ان امور کا علم ہوجائے، جن کا مجھے علم ہے، تو تم ہنسو کم، اور روؤ زیادہ ''۔

خوف ایک ایسی کیفیت ہے، جس کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے، خوف اس لئے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہوجائے، یا کوئی محبوب چیز جاتی نہ رہے، اور یہ دونوں باتیں ایسی چیز سے تعلق رکھتی ہیں جو آئندہ ہونے والی ہے۔ جو چیز موجود ہو اس کے لئے خوف نہیں ہوتا۔

تو اللہ تعالی سے ڈرنا یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالی اسے اس دنیا میں یا آخرت میں سزا دے، اور

---

(۱) سورۃ السجدۃ : ۱۶ ۔

(۲) جامع ترمذی : ۱۶۳۳، نسائی : ۳۱۰۷، احمد : ۱۰۱۸۲ ۔

(۳) صحیح البخاری : ۴۲۲۱، مسلم : ۲۳۵۹، ترمذی : ۲۳۱۲، ابن ماجہ : ۴۱۹۰۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے :

وخافوا ان کنتم مؤمنین . (۱)

''اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرتے رہو ''

نیز فرمایا :

وایّای فارھبون . (۲)

''مجھ ہی سے ڈرو ''

اللہ تعالیٰ نے اس ڈر کی وجہ سے مؤمنین کی تعریف کی ہے، ارشاد ہے کہ :

یخافون ربھم من فوقھم . (۳)

''اللہ تعالی جو ان کے اوپر ہے، اس سے یہ لوگ ڈرتے ہیں''

حضرت ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ خوف کے تین مرتبے ہیں :

(۱) خوف (۲) خشیت (۳) ہیبت

خوف ایمان کی شرط ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے کہ :

وخافون ان کنتم مؤمنین . (۴)

''اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو''

اور خشیت علم کی شرط ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

انّما یخش اللہ من عبادہ العلماء . (۵)

''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''

---

(۱) سورۃ آل عمران : ۱۷۵۔
(۲) سورۃ البقرۃ : ۴۰ ۔
(۳) سورۃ النحل : ۵۰ ۔
(۴) سورۃ آل عمران : ۱۷۵۔
(۵) سورۃ الفاطر : ۲۸۔

اور ہیبت معرفت کی شرط ہے، ارشاد باری ہے :

ویحذر کم اللہ نفسہ . (۱)

''اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے''۔

خوف کی دو قسمیں ہیں : وہبت وخشیت۔ وہبت والا جب ڈرتا ہے تو فرار کی راہ لیتا ہے، اور خشیت والا اللہ کے ہاں پناہ لیتا ہے، خوف دل کا چراغ ہے، جس کے ذریعے سے دل کے خیر وشر کو دیکھتا ہے، اور خوف یہ ہے کہ تو اپنے دل کو عسیٰ وسوف (امید وانتظار) کے الفاظ سے نہ بہلائے۔ اور ڈرنے والا وہ شخص ہے جو شیطان سے بھی زیادہ اپنے نفس سے ڈرے۔

(۴) ملفوظ :

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ محبوب ہونا لازمی امر ہے ۱؎ ۔

۱؎ **اللہ اور رسول سے محبت:** انسانی محبت کا تعلق انسان کے دل سے ہوتا ہے، یہ کبھی طبعی ہوتی اور کبھی کسبی، محبت بعض فطری اسباب کی بنا پر ہوتی ہے، جن کی وجہ سے آدمی خود اپنے دل میں محبت محسوس کرتا ہے، اس کے لئے اس کو کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، ماں کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، یہ خونی رشتے ہیں، ان خونی رشتوں میں اللہ تعالی نے ایک فطری محبت رکھی ہے جو فطرت کا تقاضا بھی ہے اور بنی نوع انسان کی ضرورت بھی۔ اگر محبت نہ ہوتی تو دنیا کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ ماں باپ کو اپنی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں وہ اولاد کی فکر کرتے ہیں، تربیت کرتے اور ان کی خاطر مشقتیں اٹھاتے ہیں، اور ایسی ایسی دشواریاں، پریشانیاں اور مشکلات برداشت کرتے ہیں کہ اگر وہ دوسرے کسی کی اولاد ہوتو شاید برداشت کرنا ممکن ہی نہ ہو۔ رات بچہ روتا ہے تو ماں پوری پوری رات اس کو ٹہلاتی ہے، باپ اس کے لئے پریشان ہوتا ہے، تو ظاہر بات ہے کہ یہ سب فطری محبت کا نتیجہ ہے۔ یہ جو فطری محبت ہے اس کا ایک خاص سبب ہے، اللہ تعالیٰ

---

(۱) سورۃ آل عمران : ۲۸۔

نے وہ چیز انسان کے اندر ودیعت کردی ہے، چاہے وہ کوئی ماں ہو، اس کا یہ مسئلہ ہے ہی نہیں کہ فلاں مذہب کی ماں ہے تو محبت ہے، فلاں خاندان کی ہے تو محبت ہے، بس اتنا ہے کہ وہ ماں حقیقت میں انسان ہے، انسانیت اس کے اندر کسی بھی درجہ میں ہے تو اس کو بچے سے محبت ہوتی ہے۔

بنیادی طور پر محبت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں، ایک طبعی محبت اور دوسری عقلی محبت ۔

(ا) عقلی محبت کو کسبی محبت بھی کہتے ہیں، جس کے تین بنیادی اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ (الف) احسان۔

(ب) حسن وجمال۔

(ج) کمال۔

بعض لوگوں نے عقلی محبت کو ایمانی محبت سے بھی تعبیر کیا ہے، لیکن ایمانی محبت جب ہی ہوتی ہے جب اس کی بنیاد ایمان پر ہو، دراصل اگر غور کیا جائے تو کسی سے محبت یا حسن کی بنیاد پر ہوتی ہے یا احسان کی بنیاد پر ۔

محبت کا حق سب سے پہلا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اس حیثیت سے پہلا اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا، انسان کی ضروریات پیدا فرمائیں ، اور ان انسانوں کو جس چیزوں کے تقاضے ہوتے ہیں ان کو اسی نے پیدا فرمایا، پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس کا عملی نمونہ عطا فرمایا، تو دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کے صدقہ میں ہے۔ دنیا میں جتنے رشتے ہیں، ان رشتوں کی بنیاد بھی اللہ کا فیصلہ ہے، دنیا کے اندر جو بھی حسن وجمال ہے وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے ۔اگر اللہ تعالی نے انسان کو عقل نہ دی ہوتی تو بتایئے کہ آدمی کیا کرسکتا؟ گویا جو اسباب محبت ہیں اگر وہ دیکھے جائیں تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔

اسی طرح اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جو اسباب محبت ہیں آپؐ میں اعلی جو شکل ممکن ہے اس کے اعتبار سے پائے جارہے ہیں، آپؐ کا جو حسن وجمال ہے وہ ایسا ہے کہ ساری دنیا کا حسن اگر سمیٹا جائے تب بھی اس حد تک نہ پہنچے جو حسن اللہ نے آپؐ کو دیا ہے، اس کے علاوہ دیکھا جائے تو جو کمالات انسانیت کو اس وقت حاصل ہورہے ہیں اور دنیا میں جو بھی ترقیات نظر آرہی ہیں ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد علم پر ہے، اس وقت دنیا کو جو علم ملا ہے، جس کے

نتیجے میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ رہی ہے اس علم کی بنیاد پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس کی بنیاد آپ نے رکھی ہے، پوری دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی ایسے حالات میں آپ نے انسانیت کو یہ درس دیا کہ ایک انسان کیسا ہونا ہے، اور آپ نے بذات خود ایک انسان کامل کا نمونہ پیش کیا، اس لئے جو بھی کمالات کی انتہا ہے وہ آپؐ کی ذات اقدس پر ہی ختم ہوتی ہے، یوں جو اسباب محبت ہیں وہ بھی آپؐ ہی پر منتہی ہوتے ہیں، اور احسانات کا جہاں تک معاملہ ہے تو احسانات کی آپؐ نہ حد ہے نہ حساب ،اس لئے اللہ تعالی اور آپؐ کی محبت انسان کا ایک فطری تقاضا ہے۔ اور بعض حضرات نے جو محبت کی تقسیم کی ہے، یعنی محبت عقلی ومحبت طبعی یا ایمانی ۔تو محبت جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہوتی ہے، اس کا آغاز بھی عقل سے ہوتا ہے، پھر یہ محبت طبیعت کے اندر منتقل ہوجاتی ہے۔ اور انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، چوں کہ اس میں دونوں حصے آجاتے ہیں، اس میں عقل کا بھی حصہ ہوتا ہے اور دل کا حصہ بھی۔ تو بعض مرتبہ یہ محبت عام طبعی محبت سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے، اور جو محبت ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، وہ صرف طبعی محبت ہے، عقلی نہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ سے جو محبت ہوتی ہے وہ عقلی بھی اور طبعی بھی ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک محبت کا عنصر دل ودماغ میں نہیں ہوتا اس وقت صاحب ایمان کا ایمان پورا نہیں ہوتا ، یہ ایمان اس محبت سے مکمل ہوتا ہے جو محبت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے دونوں حیثیتوں سے ہوتی ہے، یعنی دل سے بھی اور دماغ سے بھی۔ اگر کسی صاحب ایمان کی محبت دل ودماغ کے ساتھ ہے تو اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے، اس وقت اس کا ایمان دل میں بھی ہوتا ہے اور دماغ میں بھی۔

(۵) ملفوظ :

تقوی وطہارت ۱ توبہ ۲ احسان وصبر اختیار کرنا یہ اللہ تعالی کو محبوب ہے۔

---

۱ **تقوی وطہارت :** داعی الی اللہ دعوت کا حق تبھی ادا کر سکے گا جب اس کی ذات تقوی وطہارت کی پیکر بن جائے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ احکام خداوندی کی بجا آوری میں بسر ہو، تقوی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ ان امور سے بے نیاز ہو جائے جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، بس داعی کے لئے لازمی ہے کہ وہ تقوی وطہارت کو لازمی بنالے۔ ارشاد باری ہے کہ :

واتقو اللّٰه ان كنتم مؤمنين . (۱)

''اور اللہ سے ڈرتے رہے بشرطیکہ تم (واقعی) صاحب ایمان ہو''

دوسرے مقام میں طہارت کے متعلق ارشاد باری ہے کہ :

ولاتقم فيه ابدًا، لمسجد أسس على التقوى من اوّل يوم احق أن تقوم فيه، فيه رجال يحبون ان يطهروا، واللّٰه يحب المطّهرين . (۲)

''(اے حبیب!) آپ اس (مسجد کے نام پر بنائی گئی عمارت) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، حق دار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے''

۲ **توبہ کا مفہوم :** توبۃ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ت'' و ''ب'' ہے اور یہ تاب یتوب توبۃ سے مصدر ہے، اس کا لغوی معنی لوٹ آنا، رجوع کرنا، اور گناہوں سے روگردانی کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ (۳)

معروف معانی میں توبہ گناہوں کی آلودگی سے احکام الٰہی کی اطاعت وفرمان برداری کی طرف ظاہری وباطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

---

(۱) سورۃ المائدہ، ۵ : ۵۷۔
(۲) سورۃ التوبۃ، ۹ : ۱۰۸۔
(۳) فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱ : ۴۱۔

ومن تاب وعمل صالحًا فانه يتوب الى الله متابا . (۱)

''اور جس نے توبہ کر لی اور نیک عمل کیا تو اس نے اللہ کی طرف (وہ) رجوع کیا جو رجوع کا حق تھا''

اور سورۂ نور میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ :

توبوا الى الله جميعًا أيه المومنون لعلكم تفلحون . (۲)

''اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہوکر) فلاح پا جاؤ''۔

اس آیت کریمہ میں رب ذوالجلال نے گروہ مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ تم سب کے سب اللہ کی طرف لوٹ آؤ، تاکہ اس کے ذریعہ سے تمہیں دنیا وآخرت کی فوز وفلاح نصیب ہو جائے۔

توبہ کا معنی نادم و پشیمان ہونا بھی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ارشاد نبوی ہے :

الندم توبة . (۳)

'' (گناہ پر) پشیمان ہونا توبہ ہے ''

توبہ کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''اتباع نفس سے اجتناب کرتے ہوئے اس میں یک سوئی اختیار کرلو، پھر اپنا آپ حتی کہ سب کچھ اللہ کے سپرد کردو، اور اپنے قلب کے دروازے پر اس طرح پہرہ دو کہ اس میں احکامات الٰہیہ کے علاوہ اور کوئی چیز داخل ہی نہ ہو سکے، اور ہر اس چیز کو جاگزیں کرلو جس کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے، اور ہر اس شئی کا داخلہ بند کردو جس سے تمہیں روکا گیا ہے، اور جن خواہشات کو تم نے اپنے قلب سے نکال پھینکا ہے ان کو دوبارہ کبھی داخل نہ ہونے دو '' (۴)

---

(۱) سورۃ الفرقان، ۲۵ : ۷۱۔
(۲) سورۃ النور، ۲۴۔۳۱۔
(۳) ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، ۴ : ۵۳۵، رقم : ۴۲۵۲، ومسند احمد بن حنبل، ۱ : ۳۷۶، رقم : ۳۵۶۸۔
(۴) عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب : ۱۵۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

''یہ دل کی ندامت، زبان سے بخشش مانگنے، اعضائے ظاہری کے گناہ ترک کردینے کا نام ہے، اور اس بات کو توبہ کہا جاتا ہے کہ توبہ کرنے والا دل میں یہ بات پوشیدہ رکھے کہ وہ لوٹ کر ایسا برا کام نہ کرے گا ''۔ (۱)

حضرت سہل بن عبداللہ تشتری علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

التوبة تبديل الحركات المذمومة بالحركات المحمودة ولايتم ذلك الا بالخلوة والصمت . (۲)

''توبہ کا مطلب یہ ہے کہ قابل مذمت افعال کو قابل ستائش افعال سے تبدیل کرنا اور یہ مقصد خلوت اور خاموشی اختیار کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔''

حضرت بوشنجی علیہ الرحمۃ سے توبہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا :

اذا ذكرت الذنب ثم لا تجد حلاوة عند ذكره فهو التوبة (۳)

'' جب تم گناہ یاد کرو تو پھر تم اس کی یاد میں لذت نہ پاؤ تو وہ توبہ ہے۔''

شیخ ابوالحسن نوری کا فرمانا ہے کہ :

التوبة ان تتوب من كل شئ سوى الله . (۴)

''توبہ یہ ہے کہ تو خدا کے سوا ہر چیز سے رجوع کر لے ''

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت میں جو کام مذموم ہے اسے چھوڑ کر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے پچھلے تمام گناہوں پر نادم ہو کر اللہ سے معافی مانگ لے، کہ وہ بقیہ زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق بسر کرے گا۔ اور گناہوں کی زندگی سے کنارہ کش ہو کر اللہ کی رحمت ومغفرت کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس عہد کرنے کا نام توبہ ہے۔

---

(۱) ابوطالب مکی۔قوت القلوب : ۱، ۳۶۵۔

(۲) غزالی، احیاء علوم الدین، ۴ : ۴۔

(۳) قشیری، رسالۂ قشیریہ : ۹۶۔

(۴) قشیری، رسالۂ قشیریہ : ۹۵ وسہروردی، عواف:۶۵۰۔

(۶) ملفوظ :

دنیا کی محبت خسارہ کا باعث ہے۔ ۱؎

۱؎ **حب دنیا ۔**

یہ دنیا انسان کے لئے دراصل ایک امتحان گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس جہان فانی میں کچھ وقت کے لئے بھیجا ہے، اور ہر ایک کو اس کی طرف لوٹ جانا ہے، اور جس نے اس کی اطاعت وبندگی کے ذریعے اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کی، اس کے لئے آخرت میں بڑا اجر اور بڑا صلہ موجود ہے۔ مگر بنی نوع انسان اس جہان فانی میں آکر دنیا اور اس کے اسباب سے دل لگا بیٹھتا ہے، جو اس کے لئے باعث خسارہ ہے۔

دنیا دراصل انسان کے لئے مزرعۃ الآخرہ ہے، آخرت کی فلاح وبہودی کی خاطر انسان جتنی محنت کرے گا، آخرت میں اس کا پھل اتنا ضرور پائے گا۔ یہاں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ اپنے مریدوں اور متعلقین سے یہ بات فرما رہے ہیں کہ راہ سلوک وطریقت کے رہرووں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں پھنس کر اپنی آخرت برباد کردے۔ اور یوں بھی اس راہ کے رہرووں کے لئے روحانیت کے حوالے سے دنیا کی محبت باعث رکاوٹ ہے، دنیا سے محبت کرنے والا جتنا بھی چاہے منزل کی طرف قدم بڑھانے سے قاصر رہے گا۔

(۷) ملفوظ :

طالب کو ''میں'' یعنی تکبر[۱] سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔

---

[۱] **تکبر** : کبروغرور کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھے اور اس بڑائی کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں، تکبر ایک ایسی صفت ہے، جس کی مستحق صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات اقدس ہے، اگر مخلوق کا کوئی فرد اس کا دعوی کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ کبروغرور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور خود پسندی محاسن سے ناواقفیت کا دوسرا نام ہے، اس قسم کی جہالت انسانیت کی مخالفت ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے متکبرین کو بہت برا کہا ہے، ارشاد باری ہے:

انه لایحب المتکبرین . (۱)

''بے شک وہ سرکشوں متکبروں کو پسند نہیں کرتا ''۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ :**الیس فی جهنم مثوی للمتکبرین . (۲)**

''کیا جہنم متکبروں کا ٹھکانہ نہیں؟ ''

نیز حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے ۔

الکبریاء ردائی، والعظمة ازاری فمن نازعنی واحد منهماقذفته فی النار.(۳)

''کبریائی میری چادر ہے، اور عظمت میرا لباس ہے، جس نے ان دونوں میں سے کوئی چیز مجھ سے لینے کی کوشش کی میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔''

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ''میں اسے پاش پاش کردوں گا''

تکبر تواضع کا مخالف ہے، جب تواضع قلب سے رخصت ہوا اور کبروغرور اس میں قائم ہو جائے تو اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور جو دل میں ہوتا وہی ظرف میں سے ٹپکتا ہے، ظاہر میں کبھی اس کے اثر سے گردن مڑ جاتی ہے، اور کبھی نفس کی نافرمانی کے موقع پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :

---

(۱) سورۃ النحل، ۱۶ ۔ ۲۳ ۔

(۲) سورۃ الزمر، ۳۹ ۔ ۹۰ ۔

(۳) سنن ابی داؤد، ۲ : ۲۱۱۔ حدیث رقم : ۴۰۹۰۔

لوّوارؤوسهم ورئیتهم یصدون وهم مستکبرون . (۱)

''وہ اپنے سروں کو موڑتے ہیں اور تم انہیں غرور تکبر کے ساتھ منھ موڑتے دیکھو گے''۔

اعضاء اور جوارح پر تکبر کے اثرات سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جن میں سے کچھ ایک دوسرے سے زیادہ کثیف ہوتی ہیں، جیسے شیخی، گھمنڈ، غرور وخودداری۔ عزت وخودداری صورت کے لحاظ سے کبروغرور کے مشابہ ہے، مگر حقیقت کے لحاظ سے مختلف ہے، جس طرح تواضع ذلت کے ساتھ مشتبہ ہوجاتی ہے، حالانکہ تواضع پسندیدہ فعل ہے، اور ذلت برا فعل ہے، اسی طرح کبروغرور مذموم ہے، اور عزت اچھی صفت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

ولله العزة ولرسوله وللمؤمنین . (۲)

''عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔''

لہذا عزت، کبروغرور سے بالکل مختلف ہے۔ اس لئے کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل سمجھے، عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو پہنچانے ، اور اس کا احترام یہ ہے کہ اسے دنیا کی عارضی مفاد کے لئے استعمال نہ کرے، اور کبروغرور کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کے مرتبے سے بالا تصور کرے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا نفس کتنا عظیم ہے؟ آپ نے جواب دیا ''میں عظیم نہیں ہوں'' چوں کہ عزت مذموم نہیں اور اس کی کبر کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا :**فالیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تستکبرون فی الأرض بغیر الحق .** ''پس آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا یہ بدلا ہے اس غرور کا جو تم دنیا میں ناحق کیا کرتے تھے۔''

اس میں پوشیدہ اشارہ یہ ہے کہ عزت حق کے اصولوں پر مبنی ہے، جو شخص ذلت کی طرف منحرف ہوئے بغیر تواضع کی حد پر رہتا ہے وہ عزت کی راہ پر ہے، جو آتش کبر کی پشت پر قائم ہے۔ لہذا ایسے موقع پر

---

(۱) سورۃ المنافقون، ۶۳ : ۵ ۔

(۲) سورۃ الاحقاف، ۴۶ : ۲۰ ۔

صرف راسخ علماء ومقربین بارگاہ، اور ابدال وصدیقین ہی ثابت قدم رہتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جو تکبر کرتا ہے وہ اپنے نفس کی پستی کا ثبوت دیتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنی شریفانہ طبیعت کا اظہار کرتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بندۂ حق تواضع کی حقیقت اسی وقت معلوم کرسکتا ہے، جب مشاہدۂ حق کے نور کا جلوہ اس کے دل میں نظر آئے۔اس موقع پر اس کا نفس پگھل کر کبر وخود پسندی کی کھوٹ سے صاف ہوتا ہے، اور نرم ہوکر حق تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ کیوں کہ اس وقت تک اس کے آثار محو ہوجاتے ہیں اور اس کی سوزش اور غبار ختم ہوجاتا ہے۔

(۸) ملفوظ :

شریعت کے متروکات سے پرہیز واحتراز کرنا لازمی امر ہے، وہ طریقت میں رکاوٹ کا باعث ہیں، اسی لئے ہر حال میں امر کی تعمیل ہو اور منکرات سے پرہیز ہو۔ ۱؎

۱؎ **شریعت کے متروکات سے پرہیز ۔**

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ کا یہ ملفوظ گرامی دراصل تقوی پرہیزگاری کی طرف اشارہ ہے، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ سالک طریقت کو چاہئے کہ شریعت کے جمیع متروکات سے پرہیز کرے۔جن چیزوں کو شریعت نے ترک کرنے کا حکم دیا ہے، سالک ان سے مکمل طور پر دور رہے، ورنہ یہ متروکات راہ سلوک وطریقت میں رکاوٹ کا باعث بن جائیں گے۔اور منزل کی طرف بڑھنے سے اس کے قدم رک جائیں گے، اور ان متروکات اور ممنوعات کی طویل فہرست ہے، جن کو ان کے حوالے سے کئے گئے ابحاث وکتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۹) ملفوظ :

اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازمی امر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے فقر وفاقہ سے دروازے کھل جاتے ہیں۔اور یاد رہے کہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں لازمی امر ہے۔ ۱؎

۱؎ **اطاعت واتباع رسول اللہؐ:**

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ اطاعت واتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"حق تعالیٰ سبحانہ فرماتے ہیں "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسولؐ کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت فرمایا ہے، پس خدا تعالیٰ کی وہ اطاعت جو رسولؐ کی اطاعت کے سوا ہو وہ حق تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس مطلب کی تاکید وتحقیق کے لئے کلمۂ قد اطاع اللہ آیا تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان جدائی ظاہر نہ کرے اور ایک دوسرے پر اختیار نہ کرے۔اور دوسرے مقام میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کے حال پر شکایت کرتا ہے جو ان دونوں اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتے ہیں۔" (۱)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ متابعت رسولؐ کے اقسام پر لکھتے ہیں :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے :

پہلا درجہ : عوام کے لئے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے جو درجۂ ولایت سے وابستہ ہے، احکام شرعیہ وسنت سنیہ کی متابعت ہے، اور علمائے ظاہر وعابد وزاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔

---

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر اوّل، مکتوب : ۵۲ ۔

چوں کہ اس مقام میں نفس ابھی کفر وانکار پر ہی اڑا ہوتا ہے، یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے۔ یہ صورت آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی، اور جنت میں داخل ہونے کی خوش خبری دینے والی، اور اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے، اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔

دوسرا درجہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی اتباع ہے، جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً تہذیب واخلاق اور بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں۔ یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیسرا درجہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال واذواق ومواجید کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب مرتبۂ ولایت ختم ہوجاتا ہے، اور طغیان وسرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے، متابعت کی حقیقت ہوتی ہے۔ منافق ومسلم دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ منافق چوں کہ باطن کا انکار رکھتا ہے، اس لئے نماز کی صورت بجالاتا ہے، اور مسلمان باطنی اتباع کے باعث نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے۔ پس صورت وحقیقت باعتبار اقرار اور انکار باطنی کے ہے۔

چوتھا درجہ : نفس کے مطمئن ہونے اور اعمال صالحہ کی حقیقت بجالانے کا درجہ چوتھا درجہ ہے۔ جو علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہے۔ اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے، لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالات نبوت کے حاصل ہونے میں ہوتا ہے۔ جن کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ علمائے راسخین نفس کی کمال اطمینا کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے جن کو کتاب وسنت کی متشابہات کی تاویلات سے حصہ حاصل ہے۔ اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی

سورتوں کے اول ہیں، بخوبی جانتا ہو۔ متشابہات کی تاویلات پوشیدہ اسرار میں ہیں۔ ان اسرار کے مالک انبیاء علیہم السلام ہیں، متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت کی حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے۔ کبھی فنا بقاء اور سلوک وجذبہ کے وسیلے کے بغیر حاصل ہوجاتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال ومواجید، اور تجلّیات وظہورات سے کچھ بھی درمیان میں نہیں آتا۔

پانچواں درجہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کی اتباع ہے، جن کے حاصل ہونے میں علم وعمل کا دخل نہیں، بلکہ ان کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کی تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے مشرّف فرمائیں۔

چھٹا درجہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کی اتباع ہے جو آنحضرتؐ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان کمالات کا فیضان بھی محبت پر موقوف ہے۔ جو تفضّل واحسان سے برتر ہے۔ یہ درجہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ متابعت کے (آخری) پانچ درجے مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

ساتواں درجہ : وہ ہے جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ کیوں کہ اس کا مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے تمکین قلبی بھی ہے، اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزاء وقالب کا اعتدال بھی جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں۔ یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے، اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کرلیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع کون ہے اور متبوع کون۔ اور تبعیت کس کے لئے ہے۔ وہ اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے۔

طفیلی اور وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں۔ تابع پس خوردہ کھانے والا ہے، اور طفیلی ضمنی ہم نشین کامل۔ تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس کے متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں۔ علمائے ظاہر پہلے درجے پر ہی خوش ہیں۔ انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے۔ اور طریقۂ صوفیاء کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بے کار تصور کرتے ہیں۔'' (۱)

(۱۰) ملفوظ :

اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالب کے لئے مصیبتوں اور بلاؤں سے امتحان ۱؎ لیا جانا ضروری ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طالب کے لئے فقر و فاقہ سے دووازے کھل جاتے ہیں۔

۱؎ **امتحان و آزمائش:**
اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے محبت کی راہ میں مختلف مصیبتوں کے ذریعے امتحان لیا جاتا رہا ہے، اس حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگیوں کو مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اہل ایمان پر بھی لیا جاتا رہا اور جائے گا۔ یاد رہے کہ بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کے مطابق آفت و مصیبت میں ڈال کر امتحان لیتا ہے، اس حوالے سے حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ بندۂ مومن پر اس کے ایمان کے مطابق آفت و مصیبت میں ڈالتا ہے جس شخص کا ایمان جتنا قوی و توانا ہوگا اس پر بلا بھی اتنی ہی بڑی نازل ہوگی۔ چنانچہ مدارج ایمان کے لحاظ سے غور کرو ایک رسول کی بلا نبی کے بلا سے بڑھ کر ہوتی ہے، کیوں کہ رسول کا ایمان نبی کے ایمان سے بلند و افضل ہے۔ پھر ایک نبی کی بلا ابدال کی بلا سے زیادہ ہے، کیوں کہ نبی کا ایمان ابدال کے ایمان سے زیادہ مستحکم و توانا ہے۔

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر دوم، مکتوب : ۵۴ ۔

بعد ازاں ابدال کی بلا ولی کی بلا سے بڑھ کر ہے، اور اسی طرح سب کے درجات بلا میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ اور بندۂ مومن اپنے ایمان و یقین کے مطابق آفات میں مبتلا کیا جاتا ہے۔'' (۱)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کی ابتلاء کا سبب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

''اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و برگزیدہ بندوں کو مصائب و شدائد میں اس لئے مبتلا فرماتا ہے کہ وہ مخلوقات سے بے زار و برگشتہ ہو کر اس کی طرف زیادہ سے زیادہ رجوع کریں اور اس سے دعائیں مانگیں۔ کیوں کہ وہ ان کی دعاوں اور عرض حاجات کو نہایت پسند فرماتا ہے اور ان کے سوالات کی قبولیت و اجابت کو دوست رکھتا ہے۔ تا کہ اپنے جود و کرم کو انتہائی وسعت و فیاضی کے ساتھ ان پر صرف فرمائے۔'' (۲)

(۱۱) ملفوظ :

جب اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت (کیفیت) آئے تو اس سے اف نہیں کرنا چاہے۔ بلکہ ھل من مزید کہنا چاہئے۔ ۱؎

۱؎ **ابتلاء:** حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ کے اس ملفوظ کا مطلب شاید ابتلا و آزمائش ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کا جتنا مرتبہ بلند ہوتا ہے ان پر اتنی بڑی بڑی آزمائشیں اور مصیبتیں آتی ہیں۔ عام مومنین سے بڑھ کر مصیبتیں اولیاء کرام پر آئیں، ان سے بڑھ کر ابدالوں پر آئیں، اور ان سے بڑھ کر نبیوں پر آئیں اور ان سے بھی بڑھ اللہ کے برگزیدہ رسولوں پر آئیں۔
جہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ سالکین طریقت پر جو آزمائشیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ بھی دراصل ان کی ایک کیفیت ہوتی ہیں۔ اس مقام میں حضرت مولانا کا فرمانا ہے کہ سالک طریقت کو اف کہنے کے بجائے ھل من مزید کہنا چاہئے ۔

(۱) شیخ عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب۔ ص : ۶۴۔
(۲) شیخ عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب۔ ص : ۱۳۶۔

(۱۲) ملفوظ :

طالب کو اندھیرے میں ہرگز سفر نہ کرایا جائے ، خطرہ کا بہت اندیشہ ہے، جب تک کسی نسبت کا مقام نہ کھلے، یا اس میں کمال حاصل نہ ہو، اور روشنی میں روحانی کمال حاصل نہ ہو یا روشنی میں روحانی سفر طے نہ ہو، نیز آگے دوسری نسبت کا دروازہ جب تک نہ ملے، نسبت نہ دی جائے [۱] ۔

---

[۱] **خطرہ کا اندیشہ**: حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ بذات خود مفصل ہے، میرے ناقص خیال میں اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے، دراصل یہ ملفوظ مرید سالک کے لئے نہیں ہے، بلکہ شیخ طریقت کے لئے ہے، بات صحیح ہے کہ کسی نسبت کے مقام کھلنے سے پہلے سفر کرایا جائے تو خطرہ کا اندیشہ ہے، دنیا میں ہر ایک علم وہنر کی بھی وہی طبیعت ہے، ایک کلاس میں تکمیل کئے بغیر اگلے کلاس پر چڑھا دینے سے تعلیم پکی ہونے کے بجائے کچی رہتی ہے۔ جس سے آگے چل کر پریشانی ہوجاتی ہے، ٹھیک سلوک وطریقت کا بھی یہی حال ہے، پھر دوسری طرف دراصل یہ استعداد کی بھی بات ہے، بعض حضرات شیخ کے دربار میں زندگیاں کھپا دیتے ہیں، ان کا قدم بڑھتا نہیں، اور بڑھتا بھی تو دھیرے سے بڑھتا ہے، اس کے برعکس بعض دل جلے صاحب استعداد مرید دیکھتے ہی دیکھتے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے، بس یہ استعداد کی بات ہوتی ہے، حضرات شیوخ کو اپنے مریدوں کی حالت کا انکشاف ہوتا ہے، حالات دیکھ کر آگے بڑھا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۳) ملفوظ :

راہ خدا میں جو شئی رکاوٹ کا باعث ہو، اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ [۱]

---

[۱] **باعث رکاوٹ**: منہیات کی ساری چیزیں سالک طریقت کے لئے خصوصًا اور عام مسلمانوں کے لئے عمومًا باعث رکاوٹ ہیں۔ جس کی تفصیلات پر جائیں تو یہاں بات بڑی لمبی ہوجائے گی ۔ اور قرآن وسنت میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ البتہ چند مثالیں یہاں بطور نمونے دی جاسکتی ہیں کہ اہل

مجاہدہ اور سالک طریقت کے لئے جھوٹی قسم، جھوٹ بولنا، غیبت چغلی کھانا، عہد وپیان کی خلاف ورزی کرنا، مسلمانوں کو لعنت وملامت کرنا، کسی مسلمان کو ناحق بددعا دینا، کسی کا تکفیر کرنا، حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف دیکھنا، کسی پر ظلم کرنا اور ناروا بوجھ ڈالنا، حرص وہوا کا اتباع کرنا، اور تواضع وانکساری کے بجائے تکبر اور اترانا وغیرہ وغیرہ یہ ساری چیزیں باعث رکاوٹ ہیں۔

(١٤) ملفوظ :

خشوع وخضوع [۱] جس شخص کو حاصل ہو، اس کی صحبت سے نعمت حاصل کی جائے۔ اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرنا مرتبہ اور ثواب میں سات گنا اضافہ کا باعث ہے۔

---

[۱] **خشوع وخضوع** کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم النفس آدمی کو جب کہ وہ اپنی طبیعت کی داخلی ضرورتوں اور گردوپیش کی خارجی پریشانیوں سے فراغت حاصل کرچکا ہو اگر اسے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی صفات، جلالت شان اور کبریائی یاد دلائیں اور اس کو کسی نہ کسی طریق سے ذات باری کی طرف متوجہ کردیں تو اس وقت اس شخص پر حیرت ودہشت کی سی ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور مادیت سے ماوراء جو مقدس ومجرد عالم ہے اس عالم کے رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ اس شخص کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔ چنانچہ جب یہ شخص حیرت ودہشت، خشوع وخضوع عجز ونیاز مندی کی صورت اختیار کرلیتا ہے، اس وقت اس شخص کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک غلام اپنے آقا کی حضوری میں ہوتا ہے، یا ایک دہقان بادشاہ کے روبرو حاضر ہوتا ہے، یا جس طرح ایک محتاج سائل ایک فیاض آدمی کے در پر کھڑا ہوتا ہے۔

انسان کی خشوع وخضوع اور دعا ومناجات کی یہ کیفیت اس کی بقیہ تمام کیفیات سے زیادہ ملاء اعلیٰ کی وفور شوق کی اس کیفیت سے مشابہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور اس کی کبریائی کے لئے پائی جاتی ہے ۔ جب انسان کا دل خشوع وخضوع کی کیفیت میں بالکل رنگا جاتا ہے اور خشوع وخضوع کا ملکہ اس کی فطرت کے جوہر اصلی کا ایک حصہ بن جاتا ہے تو اس حالت میں اس شخص کے نفس اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، جس کے راستے سے اس شخص پر ملاء اعلیٰ کی طرف سے جلیل القدر

علوم ومعارف نازل ہوتے ہیں۔ان علوم ومعارف کے لئے تجلیات الٰہی قالب بنتی ہیں ۔

(۱۵) ملفوظ :

فیض کے آنے سے حیات طیبہ کی منزلیں پوری ہوتی ہیں اس کی بڑی عزت کرنی چاہئے،اور فیض کی ناقدری سے مقام سیاہ ہوجاتا ہے،اور دوبارہ فیض نہیں آتا[۱] ۔

---

[۱] **فیض :**

حضرت مولانا کا یہ ملفوظ جس پر حضرت نے قدرے تفصیل کردی ہے سلوک وطریقت کے ہر مقام میں سالک پر فیض آتا ہے تو اس کی عزت کرنے کی تلقین کی گئی ہے،اور فرماتے ہیں کہ اگر سالک طریقت ان فیوض وبرکات کی ناقدری کرے گا تو اس کا روحانی مقام سیاہ ہوجائے گا،حتی کہ اگلے قدم کی طرف قدم بڑھانا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گا۔یہاں سالک کو ہشیار رہنے کی تلقین کی گئی ہے ۔

(۱۶) ملفوظ :

نیک عمل[۱] سے مقامات میں روشنی پیدا ہوتی ہے ۔

---

[۱] **نیک عمل :** نیک عمل سے مراد عمل صالح ہے،بہرحال زندگی اور عمل کی جو تفسیر اب اخباروں اور رسالوں میں پڑھی جاتی ہے،اس کی اس مختصر تشریح کا مدعا فقط یہ ہے کہ اسلام یا اسلامی تصوف کی تعلیمات کی رو سے انسان جس عمل کے لئے پیدا کیا گیا ہے،اس سے عمل کے شور وغل کی یہ ہلاکت آفرین آوارگی مقصود نہیں ہے،اس کے مقابلہ میں تو بدنام خانقاہی بے عملی کی موت ہی بہتر ہے،اس سے مراد وہ عمل صالح ہے،جو غیر یقینی علم کی اس آوارگی اور سرگردانی سے نکال کر بلا رنگ ونسل،ملک وقوم کی تفریق یا بلا غنی وفقیر کی تقسیم کے ساری انسانیت کو بخشتے ہوئے کلمہ توحید اور ایمان علم ویقین کی یک جہتی یا حنفیت سے نصیب ہوتا ہے۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السماوات والارض حنیفا ومانا من المشرکین . سموات والارض کے اس خالق وعالم ۔**یعلم مافی السماوات والارض** ۔کے غیر مشکوک ومحیط کل علم وہدایت کے قبول کا نام ایمان اور اس ایمان کے مطابق عمل وحرکت کا نام اسلام کی تعلیم وشریعت میں عمل صالح ہے۔

لیکن شریعت اسلام جس طرح صرف صوم وصلٰوۃ کے احکام واعمال کا نام نہیں،اسی طرح اس کا تصوف نرے گیان دھیان یا اذکار واشغال،ریاضات ومراقبات کا نام نہیں،وہ نام ہے اجتماعی وانفرادی زندگی کے سارے شعبوں سے متعلق اعمال واحکام کا۔وہ عبادات وریاضت،معاملات ومعاشرات کے سارے شعبوں کو جامع وحاوی ہے۔یوں تصوف کا ماحاصل شریعت ہی کے ان تمام ظاہری وباطنی احکام واعمال کی صاحب شریعت کی ہدایات وارشادات کے مطابق اصلاح وتکمیل ہے۔جس طرح شریعت کے ایک شعبہ فقہ کو خاص تعلق ظاہر وقالب کے اعمال واحکام سے ہے۔اسی طرح شریعت ہی کے ایک دوسرے شعبہ تصوف باطن یا قالب کے اعمال واحکام یا اخلاق باطنہ سے خاص تعلق ہے۔لیکن اعمال باطنہ کی اصلاح وتکمیل کے لئے اعمال ظاہر کی اصلاح وتکمیل نہ صرف ضروری بلکہ مقدم ہے۔

(۱۷) ملفوظ :

کم کھانا ۱ کم سونا ۲ اور کم بولنا ۳ طالب کے لئے از بس ضروری ہے۔

---

۱ **قلتِ طعام،** ہے **قلتِ منام، قلتِ کلام**: ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قالت کان یاتی علی آل محمد الشهر مایری فی بیت من بیوته الدخان . (۱)

"فرماتی ہیں کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا کہ ان کے کسی گھر میں دھواں تک نظر نہ آتا۔"

اور آپ سے ہی مروی ہے کہ :

قالت ما شبعت رسول الله من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض . (۲)

"فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔"

حضرت شیخ ابوطاہر فیروزآبادیؒ روایت کرتے ہیں کہ:

کان رسول الله یصوم نافلة حتی یظنوا أنه لایفطر . (۳)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس تسلسل سے نفلی روزے رکھتے گمان گزرتا کہ آپ افطار نہیں فرمائیں گے"

۲ حضرت امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ :

کان یصلی اللیل کله فأمره ان یخفف علی نفسه. (۴)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنی نفس پر کچھ آسانی کریں۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ :

(۱) سنن ابن ماجہ :۳۱۵۔
(۲) جامع الترمذی،۲:۵۹۔
(۳) سفر السعادۃ:۷۳۔
(۴) تفسیر معالم التنزیل علی ہامش الخازن، ۴ :۲۱۳۔

کان رسول الله یجتهد فی العبادة حتی کان یراوح بین قدمیه فی الصلاة لطول قیامه . (۱)

حضرت سیدہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

قالت قام رسول الله بایة من القرآن لیله . (۲)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم (بعض اوقات) ایک آیت پر (غور و فکر اور اس کی کیف و سرور میں) پوری پوری رات کھڑے رہتے"۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قلیل الکلام اور طویل الصمت تھے، حضرت قاضی عیاض روایت کرتے ہیں کہ:

و کان کثیر السکوت لایتکلم فی غیر حاجة. (۳)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہتے تھے، اور بغیر حاجت کے کلام نہیں فرماتے تھے۔"

حضرت جابر بن سمرۃ سے مروی ہے کہ :

کان رسول الله (صلی الله علیه وسلم) طویل الصمت . (۴)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہنے والے تھے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا رأیتم الرجل قد اعطی زاهدا فی ا لدنیا وقلة النطق فاقتربوا منه فانه یلقی الحکمة . (۵)

"جب تم ایسے شخص کو دیکھو جسے دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام کے اوصاف حاصل ہیں تو اس کا قرب اختیار کرو کیوں کہ وہ صاحب حکمت ہے۔"

(۱) تفسیر معالم التنزیل علی ہامش الخازن، ۳ :۳۸۔
(۲) الشفاء، ۱ : ۱۴۶۔
(۳) کتاب الشفاء۔
(۴) مشکوۃ المصابیح : ۵۱۲ ۔
(۵) سنن ابن ماجہ :۳۱۱۔

(۱۸) ملفوظ :

حسن عبادات ۱ حسن معاملات ۲ حسن معاشرات ۳ حسن عقیدت ۴ نیز حسن اخلاق ۵ یہ وہ صفات عالیہ ہیں، جو ہر طالب میں ہونا لازمی اور ضروری ہے ۔

حسناتِ اعمال:

۱ حسن عبادات : جیسے کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقہ وخیرات وغیرہ وغیرہ۔

۲ حسن معاملات : جس طرح تجارت میں دیانت وغیرہ

۳ حسن معاشرات : جیسے کہ نکاح وغیرہ۔

۴ حسن عقیدت : اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے حوالے سے صحیح عقیدہ، اور بزرگوں، استادوں، اور اپنے شیخ طریقت پر اعتماد وغیرہ۔

(۵) حسن اخلاق : جیسے کہ تواضع وانکساری، اخوت وباہمی تعاون، اللہ کے لئے دوستی، عفوودرگزر، سادگی وبے تکلفی، سخاوت، مدارات، تحمل وبردباری، مسلمانوں کی عزت وتعظیم وغیرہ۔

تو مذکورہ بالا امور کے حوالے سے قرآن وسنت، اسوۂ صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور ائمۂ کرام وسلف صالحین میں تفصیلات موجود ہیں۔

(۱۹) ملفوظ :

ہر طالب کے لئے ضروری ہے کہ خلیفۂ وقت اور مبلغ کا ادب واحترام کرے ۱ اور ان سے حسن عقیدت رکھے۔

---

۱ مرید کے آداب :

مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے شیخ کی طرف متوجہ کرے۔ اور شیخ کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو۔ اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔ اور بالکل اسی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتی کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو۔ اور اس کے حضور میں نماز فرض وسنت کے سوا کچھ اور ادا نہ کرے۔ اور جہاں تک

ہو سکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ شیخ کا سایہ یا کپڑے پر پڑتا ہو۔ اس کے مصلّے پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضوء کرنے کی جگہ طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے۔ اور اس کے حضور پانی نہ پیئے، کھانا نہ کھائے، کسی سے گفتگو نہ کرے۔ بلکہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو، شیخ کی عدم موجودگی میں جہاں وہ رہتا ہے اس طرف پاؤں دراز نہ کرے۔ اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے۔ جو کچھ شیخ سے صادر ہو اس کو صواب اور بہتر جانے، اگر چہ بظاہر بہتر معلوم نہ ہو۔ کھانے، پینے اور پہننے اور اطاعت کے چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ کی اقتدا کرنا چاہئے۔ اور نماز کو بھی اس کے طرز پر ادا کرنا چاہئے، اور فقہ بھی اسی کے طریق پر سیکھنا چاہئے۔ اس کی حرکات وسکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے، اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو بے توقف عرض کر دے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنی تقصیر سمجھے۔ اور شیخ کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کر دے اور جو واقعہ ظاہر ہو شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے۔ اور واقعات کی تعبیرات اسی سے دریافت کرے۔ اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو، وہ بھی عرض کر دے، اور صواب وخطا کو اسی سے طلب کرے۔ اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسہ نہ کرے۔ کیوں کہ کشف میں حق باطل کے ساتھ اور خطا صواب کے ساتھ ملایا ہوا ہوتا ہے، بے ضرورت اور بلا اذن شیخ سے جدا نہ ہو۔ اپنی آواز شیخ کی آواز سے بلند نہ کرے۔ اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے۔ اور جو فیض اور فتوح اس کو پہنچے اپنے شیخ کے ذریعے سے سمجھے۔ اور مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا۔ (۱)

حضرت ابوالحسین بوراق، ابوعثمان سے روایت کرتے ہیں کہ :

(۱) اللہ کی صحبت میں حسن ادب دوام ہیبت اور مراقبہ کو مدنظر رکھو۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اتباع سنت اور ظاہری علم کی پابندی کا خیال رکھو۔

(۳) اولیاء اللہ کی صحبت میں احترام وخدمت کا خیال رکھو۔

(۴) گھر والوں کی صحبت میں حسن خلق مدنظر رکھو۔

(۵) برادری کی صحبت میں ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہو، بشرطیکہ کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔

(۶) جاہلوں کی صحبت میں ان کے لئے دعا کرتے رہو اور ان پر رحم کیا کرو۔ (۲)

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، عنایت عارف : کشف المعارف، ص :۴۱۸۔

(۲) تصوف انسائکالوپیڈیا، محمد عبدالنصیر، ص : ۹۰۔

(۲۰) ملفوظ :

شیخ کا ادب واحترام بہت ضروری ہے، اور شیخ سے بے ادبی سے فائدہ بند ہوجاتا ہے، اور یاد رہے کہ شیخ کی ناراضگی وناخوشی کا حجاب ہٹنا بہت مشکل ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ شیخ کی رضا میں اللہ تعالی کی رضا شامل ہے[1]۔

احترام وادبِ شیخ:

[1] حضرت ابوجحیفہ سے مروی ہے کہ :

قال خرج علينا النبي صلى الله عليه وسلم صلى بالها جرة فاتي بوضوء فتوضا فجعل الناس يا خذون من فضل وضوء ه فيتمسحون به . (۱)

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے تو وضو کے لئے آپ کے پاس پانی لایا گیا، آپ نے وضو فرمایا لوگ آپ کے بچا ہوا پانی لے کر (اپنے چہرے اور آنکھوں پر) ملنے لگے''۔ سائب بن یزید سے مروی ہے کہ :

يقول ذهبت بي خالتي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يارسو ل الله ان ابن اختي وقع فمسح راسي ودعابالبركة ثم توضأفشربت من وضوء ه . (۲)

فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بھانجہ بیمار ہے، آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی ، پھر آپ نے وضو فرمایا اور میں نے آپ کے وضو کا غسالہ پی لیا''

صحابۂ کرام حصول برکت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی اور قدم بوسی کرتے تھے، وازع بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں (وازع العبدی) کے لقب سے مشہور ہیں، ان سے مروی ہے کہ :

قال قدمنا فقيل ذاک رسول الله فاخذنا بيديه ورجليه نقبلها . (۳)

---

(۱) صحیح بخاری، ۱ : ۳۱۔

(۲) صحیح بخاری، ۱ : ۳۱۔

(۳) الادب المفرد : ۲۹۳ ۔

فرماتے ہیں کہ ہم آئے تو ہم سے کہا گیا کہ وہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے آپ کے ہاتھ پیر پکڑ لئے اور چومنے لگے۔ ''

حضرت امام ابوداؤد زارعؓ سے روایت کرتے ہیں :

قال قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنتقبل يدرسول الله ورجله . (۱)

'' (حضرت زراع فرماتے ہیں) جب ہم مدینہ پہنچے تو اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے، چنانچہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ ''

یہاں تک کہ جن صحابہ کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے مس ہوتے دیگر صحابہ وتابعین ان کے ہاتھ چومتے اوران کے لئے احتراما کھڑے ہوتے تھے۔ (۲)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح : ۳۹۴ ۔

(۲) الادب المفرد للبخاری : ۳۵۳۔

(۲۱) **ملفوظ :**

فنا فی الشیخ ۱؎ سے فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ملتا ہے۔اور فنا فی الرسولؐ سے فنا فی اللہ کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔

۱؎ **فنا فی الشیخ :**

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ کی صورت کو اپنے خیال ودل یا نگاہ میں رکھے، یا اپنی صورت کو شیخ کی صورت تصور کرے، جب یہ تعلق بڑھ جاتا ہے تو ہر ایک چیز شیخ کی صورت میں نظر آتی ہے، اوراس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں ۔

مشائخ نے فرمایا کہ کہ رابطہ یا تعلق کا طریقہ بہت ہی قریب کا راستہ ہے، اسی لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے ساتھ صحبت رکھو اگر تم سے یہ نہ ہوسکے تو ان لوگوں کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالی کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

وکونوا مع الصادقین (۱)

''اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ ''

تصور کے جائز ہونے کے حوالے سے ذیل کی حدیث پیش کی جاتی ہے :

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال کانی انظرالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحکی نبیًا من الانبیاء ضربہ قومہ وھو یمسح الدم عن وجھہ ویقول ربّ اغفر لقومی فانھم لایعلمون . (۲)

''حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی حکایت فرمارہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کو مارا تھا، اور خون آلودہ کردیا تھا، اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جارہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ میری قوم کو بخش دے، کیوں کہ وہ نہیں جانتے''۔

---

(۱) سورۃ التوبۃ : ۱۱۹ ۔

(۲) صحیح البخاری،۳ : ص:۱۲۸۲، رقم:۳۲۹۰۔

اگر چہ اس حدیث میں تصور شیخ کی زائد خصوصیات اور اس کی غرض کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر اس تصور کی نفس حقیقت یعنی غائب کی طرف مثل حاضر کے خیالی نظر سے دیکھنا اس سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔پس نفس تصور جائز ہے تو تصور شیخ جو بہت سے فوائد کا سبب ہے بدرجۂ اولی جائز ہونا چاہئے ۔

فنا فی الشیخ کے بعد فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل آتی ہے جب کہ سالک اپنی ذات کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متحد ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے، اور اس ذات سے شیر وشکر ہوجاتا ہے، اسی منزل کے بعد فنا فی اللہ کی منزل آتی ہے۔

مرشد برحق کے ساتھ رابطہ ومحبت عمدہ چیز ہے، لیکن حد سے زیادہ افراط وتفریط ہر چیز میں بری ہے، پس ایسی زیادتی بھی بہتر نہیں جس میں صورت پرستی کی نوبت پہنچے، یا اعتقاداً اس کو حاضر وناظر جاننے لگے، کیوں کہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے، جو شرک تک پہنچ جاتی ہے، لیکن جہالت کے غلبے کی وجہ سے آج کل اکثر عقیدے یا عمل میں ایسی خرابیاں ہوجاتی ہیں، اس لئے اکثر محققین اس سے پرہیز کرانے اور منع کرنے لگے ہیں۔

خلاصۂ کلام ہے کہ ربط قلب بالشیخ کی حقیقت شیخ سے محبت کا زیادہ ہونا ہے، کیوں کہ اس سے برکات اور انوار میں زیادتی ہوتی ہے، اور اس کی صورت شیخ کا تصور ہے، جو بسا اوقات محبت کا ذریعہ بنتا ہے، اور اس سے وسوسہ دور ہوتے ہیں ۔مگر حقیقت اور صورت میں شرط یہ ہے کہ شرع شریف کی حد سے عقیدے یا عمل میں کبھی باہر نہ ہو ورنہ معصیت وبدعت کا سبب ہو کر نسبت باطنی خراب ہوجائے گی۔

(۲۲) ملفوظ :

مخلصانہ انداز سے خلوت ۱؎ میں عبادت کرنا ازبس ضروری ہے۔

مخلصانہ انداز سے خلوت:

۱؎ بچپن سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت خلوت کی طرف مائل تھی۔علامہ حلبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میلان خلوت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں :

" الف صلی اللّٰہ علیہ وسلم العبادۃ والخلوۃ فی حایل کونہ طفلاً " (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے عبادت وخلوت سے انس تھا لیکن جب زمانہ بعثت قریب آیا تو ذوق خلوت پسندی میں شدید اظافہ ہوگیا،حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبداللیالی ذوات العدد. (۲)

" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزلت نشینی محبوب ہوگئی،اور آپ غار حراء میں گوشہ نشین ہو کر تحنث (ایک قسم کی عبادت) کیا کرتے تھے، جہاں آپ متعدد راتیں عبادت میں مصروف رہتے "

حضرت ام المومنین عائشہ پھر فرماتی ہیں کہ :

وحبب اللہ تعالی الیہ الخلوۃ فلم یکن شئی احب اللّٰہ الیہ من ان یخلو وحدہ. (۳)

"اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خلوت نشینی کو مرغوب بنادیا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت نشین رہنے سے زیادہ کوئی کام بھی پسند نہ تھا"

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خلوت نشینی تین یا سات دنوں پر اور بعض اوقات تیس یا چالیس دنوں پر مشتمل ہوتی تھی،اور صوفیاء کرام کی چالیس دنوں کی خلوت نشینی (چلہ) اسی حکم کے تابع ہے۔ (۴)

کہتے ہیں کہ اس خلوت نشینی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت شریعت ابراہیمی کے مطابق ذکر اور فکر ومراقبہ تھی ۔

---

(۱) السیرۃ الحلبیۃ، ۱: ۳۸۲۔
(۲) صحیح بخاری، ۱:۲۔ مشکوۃ المصابیح :۵۱۳۔
(۳) سیرۃ ابن ہشام : ۲۳۴۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح : ۵ :۴۰۱۔

(۲۳) ملفوظ :

طالب کو نام ونمود اور شہرت سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے۔ ۱؎

۱؎ ریا :

یہاں نام ونمود اور شہرت سے دراصل حضرت مولانا کا مطلب ریا ہے،یعنی دکھاوا۔ریا درحقیقت دینی واخلاقی غرض ہر ایک اعتبار سے انسان کا ایک بڑا دشمن ہے، اس لئے طالب حق اور راہ سلوک کے مسافروں کو اپنی طرف خوب خوب نظر رکھنا چاہئے ،کہیں اس کے اعمال ریا کی وجہ سے ضائع تو نہیں ہورہے ہیں، کیونکہ امور دینیہ کے ہرایک کام جس میں ریا شامل ہو تو اس کا عمل برباد ہوجائے گا اور آخرت میں اس کی وجہ سے برے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔قرآن وسنت کی تصریحات اس حوالے سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کو شرک فرمایا ہے:

عن شداد بن اوس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول من صلی براء ی فقد اشرک ومن صام براء ی فقد اشرک ومن تصدق براء ی فقد اشرک . (۱)

" شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علی وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ: جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی ،اس نے شرک کیا،اور جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا،اور جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا تو اس نے بھی شرک کیا "یوں جو بھی نیکی کا کام کیا جائے،رضائے مولی کے لئے کیا جائے۔

---

(۱) مسند احمد۔

(٢٤) ملفوظ :

طالب کو ہمہ وقت پاس انفاس[1] یا وقوف قلبی جاری رکھنا چاہئے۔

---

[1] **پاس انفاس :**

پاس انفاس کے حوالے سے پچھلی سطور میں بہت ساری باتیں گزر چکی ہیں، اس کا طریقہ بیان کیا جا چکا ہے، یہاں صرف اتنی سی بات کہہ دیتا ہوں کہ پاس انفاس کا مطلب ہے ذاکر سالک اپنے سانسوں پر آگاہ رہے ، جب سانس اپنے ارادے کے بغیر خود بخود باہر نکلے تو اس کے باہر ہونے کے ساتھ ہی زبان سے کہے لا الہ جب سانس خود بخود اندر جائے تو اندر جانے کے ساتھ ہی الا اللہ کہے۔ طریقت کے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس ذکر کا نام پاس انفاس ہے۔ اور خطروں اور وسوسوں کے دور ہونے میں اس کا بڑا اثر ہے۔

اگر تو پاس داری پاس انفاس ÷ بسلطانی رسانندت ازیں پاس

یعنی اگر تو پاس انفاس کا لحاظ رکھے گا تو تجھ کو اس کی وجہ سے بادشاہی تک پہنچا دیں گے۔ (۱)

(٢٥) ملفوظ :

عمل میں اخلاص[1] و محبت ہو تو فوائد کثیر ہوتے ہیں۔

---

[1] **اخلاص :**

اخلاص کا حاصل ہو جانا عمل کے لئے بمنزلۂ روح ہے، جو طریق صوفیاء پر چلنے پر منحصر ہے۔ جب تک سیر الی اللہ قطع نہ کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں، حقیقت اخلاص سے دور اور مخلصوں کے کمالات سے مہجور رہتے ہیں۔ اگر چہ عام مومنین کو بھی تکلف و تعمل کے ساتھ بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ہو جاتا ہے، مگر وہ اخلاص جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ ہے جو تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں حاصل ہے۔ اور اس میں کسی تکلف اور بناوٹ کو راہ نہیں۔

(۱) مولانا زوار حسین شاہ صاحب، عمدۃ السلوک ص: ۱۱۳ ۔

یہ اخلاص انفسی و آفاقی معبودوں کے فنا پر منحصر ہے، جو فنا اور بقا اور ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ اور جو اخلاص بناوٹ اور تکلف کا محتاج ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ اخلاص کا دوامی طور پر حاصل ہونا جو مرتبۂ حق الیقین میں سے ہے اس میں بے تکلف ہونا ضروری ہے، پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں۔ نہ کہ اپنے نفس کے لئے ، کیوں کہ ان کے نفوس خدا پر قربان ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے اخلاص کے حاصل ہونے میں نیت کا بھی صحیح کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے دوست ہو چکی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ :

'' سلوک کی منزلیں طے کرنے اور جذبہ کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے، جو آفاقی اور نفسی فنا پر منحصر ہے، اور اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے، کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل اور اخلاص، پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزو اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کی خادم ہیں، مگر ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر اہل جہاں نے بے ہودہ اور نکمی باتوں پر کفایت کی ہے، وہ شریعت کے کمالات کو کیا جانتے ہیں اور طریقت وحقیقت کا کیا پتہ لگا سکتے ہیں۔ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے، صوفیہ کی بے ہودہ باتوں پر مغرور اور احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔ (۱)

بعض صوفیہ سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے لئے بالارادہ عبادت گزاری کا نام اخلاص ہے، اور وہ اس طرح کہ عبادت سے اس کا مقصد اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا ہو۔ اور دوسرا کوئی مقصد نہ ہو، اور بعض حضرات یوں بھی کہتے ہیں کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے، اور بعض صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام اخلاص ہے، حدیث شریف میں

(۱) مکتوبات مجددی، دفتر اول، مکتوب : ۴۰ ۔

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین سے اور انہوں نے اللہ تعالی کی طرف سے فرمایا کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے، اسے میں اس بندہ کے دل میں رکھتا ہوں، جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ (۱)

اخلاص اور صدق کے حوالے سے استاد ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ اخلاص لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے، اور صدق یہ ہے کہ تو اس بات سے پاک رہے کہ تمہارا نفس تمہارے اعمال کو نہ دیکھے۔ لہذا جو مخلص ہوگا اس میں ریا نہیں پایا جائے گا۔ اور جو صادق ہوگا، اس میں غرور نہیں پایا جائے گا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ اخلاص کی نشانیوں کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اخلاص کی تین نشانیاں ہیں :

(۱) عوام کی مذمت یا مدح بندے کے نزدیک یکساں ہو۔

(۲) اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔

(۳) یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جس سے کسی حالت میں بھی حظ نفس نہ پایا جائے وہ اخلاص ہے، ان سے ایک روایت ہے کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے کی توجہ سے مخلوق کی رویت کو بھلانے کا نام اخلاص ہے۔ (۲)

---

(۱) مسند دیلمی : ۴۵۱۳۔

(۲) ملاحظہ ہو، تصوف انسائیکلوپیڈیا، محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر العلوی، ص:۳۲۵۔ ترجمۃ الرسالۃ القشیریہ۔

(۲۶) ملفوظ :

ہمیشہ نظر اللہ تعالی شانہ پر رکھو، ~~ا~~ ماسواء اللہ پر نظر رکھنا ریا ہے، اور خود پر نظر رکھنا تکبر ہے، اور خدا تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

نظر الی اللہ:

ا ہمیشہ نظر اللہ جل شانہ پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ طالب صادق اپنی ظاہری اور باطنی آنکھوں کو ماسوا اللہ سے مکمل ہٹا کر صرف ہستی باری تعالی پر مرتکز کردے۔ اس حوالے سے حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

> ’’ اپنی ظاہری اور باطنی آنکھوں کو غیر اللہ سے ہٹا کر صرف ہستی باری تعالی پر مرتکز کردے ۔ مخلوقات کو نہ دیکھ بلکہ خالق و پروردگار کو دیکھ، اور اگر مخلوقات کا مشاہدہ کرتا بھی ہے تو تیری نظر کا منتہی ان مخلوقات کا خالق وصانع ہونا چاہئے، تا کہ اس کی عظمت وصنعت کا عرفان حاصل کر سکے۔ اور اس کی توحید کو سمجھے۔ اسی طرح میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ اس کائنات کی جسامت یعنی بعض سمتوں میں بھی نہ دیکھ بلکہ اس غیر فانی اور ابدی ہستی کا مشاہدہ کر جو مکان وزمان اور حیات کی قیود سے بالکل آزاد و بالاتر ہے ‘‘۔ (۱)

---

(۱) عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب، (ترجمۃ اردو) ص : ۱۵۱ ۔

(۲۷) ملفوظ :

کلام اللہ کے احکام وہدایات، حدیث شریف کے ارشادات وہدایات، اور شیخ کے ارشادات وہدایات پر عمل کرنے سے صراط مستقیم حاصل ہوتا ہے[1]۔

---

[1] **طریقت کی بنیاد شریعت ہے**۔ اور شریعت کا مطالعہ اوّلین ایمان وعمل صالح ہے، شریعت عذاب آخرت اور عتاب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے ایمان وعمل کو سمجھاتی ہے جا بجا قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

" **الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات**"

کسی جگہ بھی ایمان کو عمل سے یا عمل کو ایمان سے جدا نہیں کیا گیا۔ ایمان سراسر علم ہے اور علم سراسر طاعت ہے، پھر علم وعمل کی تلقین اس ارشاد ربانی سے واضح ہوتی ہے۔

یرفع الذین امنوا منکم والذین اوتو العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر (۱)

" اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو"

توحید ورسالت کیا ہے۔ ارکان ایمان اور ارکان اسلام کیا ہیں ۔ اوامر ومندوبات کیا ہیں ۔ نواہی وممنوعات کیا ہیں۔ ان تمام احکامات پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ یہ دولت ایمان وایقان علم کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ اس لئے اس قدر علم کا حصول انسان پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم "اس لئے تحصیل علم بقدر فرض کسی معذرت سے معاف نہیں ہوسکتی۔ احکامات الٰہیہ پر ایمان لانے کے بعد اس کی طاعت لازم ہوجاتی ہے، اور بعثت رسل کا اصل مقصد ہی ان کی اطاعت واتباع ہے۔ قرآن حکیم بتصریح حکم کرتا ہے کہ :

" **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** "

اطاعت رسولؐ بغیر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاع پانے کے کیسے ممکن ہے؟ جب حدیث نبویؐ کا علم نہ ہوگا اتباع رسول بھی نہیں ہوسکے گی۔ اور اتباع رسول کے بغیر طریقت محال وناممکن ہے۔

---

(۱) سورۃ المجادلۃ، ۸۵۔ ۱۱۔

اس حوالے سے ارشاد رب العالمین ہے کہ :

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ)) (۱)

" آپؐ فرما دیجئے! اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا"

اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہو تو راہ سلوک میں گامزن ہونے کی تمنا کرو، جس کے لئے شرط اولین اتباع نبوی کو قرار دیا گیا ہے، جب انسان "فاتبعونی" کے مقام پر فائز ہوجائے گا تو نتیجہ میں توجہ الٰہی حاصل ہوگی۔ توجہ الٰہی کا حصول ہی تو تصوف کا مغز ہے، اس لئے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے انسان کو قرآن وسنت کا علم ضروری حاصل کرنا ہوگا۔ کیوں کہ ایک جاہل عابد وزاہد تمام عمر عبادت کرنے کے باوجود طریقت کی پہلی منزل بھی طے نہیں کرسکتا۔

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تصوف بلا فقہ اختیار کرتا ہے، زندیق ہے۔

من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینھما فقد تحقق . (۲)

" جو فقہ میں ماہر ہو مگر تصوف کو نہیں جانا وہ فسق وفجور میں پڑ گیا اور جو تصوف میں ڈوب گیا مگر فقہ سے نابلد رہا وہ زندیق ہوگیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق پالیا"

بزرگوں کا ارشاد گرامی مشہور ہے کہ :

فلاتصوف الا بفقہ اذ لانعرف احکام اللہ تعالیٰ الظاھر الا منہ . (۳)

" فقہ بے بغیر تصوف کی کوئی اہمیت نہیں، کیوں کہ ہم ظاہری احکام الٰہی اس کے بغیر نہیں سمجھ سکتے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد . (۴)

"ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے "

---

(۱) آل عمران، ۳: ۳۱۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح، ۱ : ۲۵۶۔

(۳) ایقاظ الھمم فی شرح الحکم : ۵۔

(۴) جامع ترمذی، ۲ : ۹۳ ،سنن ابن ماجۃ : ۲۰ ۔

اس لئے راہ سلوک وطریقت میں علم شریعت کے بغیر حصول معرفت تو درکنار انسان خود ہلاکت کے گڑھوں سے بھی نہیں نکل سکتا۔

جب انسان علم شریعت حاصل کرے تو طاعت حق میں کمال حاصل کرسکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عالم ہے بےعمل بن جائے اور روز قیامت آگ کی کھینچیوں سے اس کی زبان کاٹی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

کبر مقتًا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون . (۱)

''اللہ کو یہ بہت ناگوار ہے کہ تم وہ کہو جو کرو نہیں''

عالم بےعمل کی مثال اس گدھے کی سی ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

'' اے علم کے مدعی تیرے علم کا بلاعمل کچھ اعتبار نہیں اور بلا اخلاص تیرا عمل معتبر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ جسم بلا روح ہے۔ اخلاص کی علامت یہ ہے کہ مخلوق کی تعریف وخدمت کی طرف توجہ نہ کرے '' (۲)

علم وعمل کے ساتھ تصحیح عقائد ازبس لازم ہے۔ درستگی عقائد کے بغیر عمل نامقبول ہے، اور درستگی عقائد کا طریقہ یہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے عقائد کو مشعل راہ بنایا جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہی ہے :

((اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم))

اور یادرہے کہ عقائد میں اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہی صراط مستقیم ہے، اور یہی طریقہ '' ما انا علیہ واصحابی '' کا مصداق ہے، اور صحابہ کرام وتابعین عظام، ائمۂ اطہار، اہل بیت، جملہ ائمہ ومحدثین اور تمام اولیا کرام اس مذہب ومسلک پر گامزن رہے ہیں۔ یہی حق ہے۔

سالک طریقت کے لئے ضروری ہے کہ علم عقائد میں پختہ قدم رکھے، مگر اختلافی مسائل میں الجھنے اور

(۱) الصف، ۶۱ : ۳ ۔
(۲) الفتح الربانی : ۱۴۸ ۔

متکلمانہ مباحث سے قطعی طور پر اجتناب کرے۔ یہ کلامی جھگڑے سالک طریقت کے لئے ازبس مفید نہیں۔ ان کے علاوہ مبتدی سالک توحید کے باریک مسائل مثلاً وحدۃ الوجود، وحدۃ الشھود اور تنزلات ستہ جیسے بحثوں سے پرہیز کرے، اس میں بجائے نفع کے ان کے لئے نقصان ہوگا۔ دراصل یہ وہ مسائل ہیں جن پر مشاہدے بغیر محض کلام کرنا ضرر سے خالی نہیں۔

بس ابتداء سلوک میں سالک کا فرض اولین یہ ہے کے علم شریعت حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے ظاہر وباطن، خلوت وجلوت اور شب وروز پر اطاعت حق کی چھاپ لگالے، عبادات ومعاملات میں اتباع سنت کا رنگ غالب کرے۔ صرف اور صرف نیکی سے ربط رکھے اور ہر برائی سے لاتعلق ہوجائے اور اگر سہواً کوئی خطا کرے تو فوراً توبہ واستغفار کے واسطے سے حضور الٰہی میں متوجہ ہوا ور گناہ معاف ہونے پر کامل یقین رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ کا ارشاد ہے کہ :

التائب من الذنب کمن لاذنب له . (۱)

'' گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہے گویا اس کا گناہ تھا ہی نہیں''

طاعت حق کے لئے جملہ فرائض وواجبات کی پابندی اور سنن کی پیروی کے علاوہ چند معمولات کو اپنانا سالک طریقت کے لئے نہایت مفید اور ازبس لازم ہے :

(۱) شبانہ روز مسنون نوافل کی ادائیگی ۔
(۲) تلاوت کلام مجید
(۳) کثرت درودوسلام۔
(۴) کثرت استغفار۔
(۵) کثرت صدقہ وخیرات

تعلیم وتعلم کے باب میں ضروری ہے کہ علماء صالحین کے مجالس میں بیٹھے، روزانہ قرآن مجید کی تلاوت باترجمہ پڑھے، احادیث نبویہ کا مطالعہ کرے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ مستقل معمول رکھے، تصوف وسلوک کی آسان آسان کتب اور اولیاء اللہ کے تذکرے زیر مطالعہ رکھے، ضروری مسائل فقہ سے واقفیت پیدا کرے۔

(۱) سنن ابن ماجہ، بیہقی : ۱۹۸۔

(۲۸) ملفوظ :

ہر نماز کے بعد استغفار ضروری ہے ۱؎ ۔

۱؎ استغفار کا مفہوم :

توبہ و استغفار کی اصطلاح ایک مترادف اصطلاح کے طور پر متداول ہے، اس کے معانی ومفاہیم بھی ایک دوسرے کی توضیح وتشریح کرتے ہیں۔ استغفار کا مادہ ''غَفَرَ'' ہے، اور یہ باب استفعال کا مصدر ہے۔ اس کے معنی بخشش ومغفرت چاہنے اور سابقہ گناہوں سے معافی مانگنے کے ہیں (۱)

ندامت قلب کے ساتھ ہمیشہ کے لئے گناہ سے رک جانا توبہ ہے، جب کہ ماضی کے گناہوں سے معافی مانگنا استغفار ہے، توبہ اصل ہے، جبکہ توبہ کی طرف جانے والا راستہ استغفار ہے، علامہ الوسی علیہ الرحمۃ توبہ و استغفار میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

الاستغفار لایکون توبة بالاجماع مالم یقل معه تبت وأسائت ولاعود الیه ابدًا فاغفرلی یارب . (۲)

''اس پر اجماع واتفاق ہے کہ استغفار اس وقت تک توبہ نہیں بنتا جب تک بندہ یوں نہ کہے کہ میں نے توبہ کی میں نے برا کیا اور میں برائی کی طرف کبھی نہیں لوٹوں گا، پس اے رب تو مجھے بخش دے ۔''

اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں پر بھی رحمت فرماتا ہے، کیوں کہ جب اللہ کے حضور معافی طلب کرتے ہیں اور التجا ومناجات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوکر ان کی بخشش فرماتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو سچی توبہ کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

یا ایھاالذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبة نصوحًا . (۳)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور رجوع کامل سے خالص توبہ کرلو'

توبۃ النصوح سے نفس کی بدخوئی، کرختی اور سرکشی نرمی میں بدل جاتی ہے، اس کے بعد نفس نہ صرف

---

(۱) بستانی، محیط المحیط : ۶۶۲ ۔ ۶۵۲۔

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۴ : ۹۱۔

(۳) التحریم ، ۶۶ : ۸ ۔

محاسبہ اور مراقبہ میں مشغول ہوکر پاکیزہ وصاف ستھرہ ہوجاتا ہے بلکہ اب تک خواہش نفسانی کی پیروی کے باعث اس کے اندر جو آگ شعلہ زن تھی وہ بھی بجھ جاتی ہے۔

(۲۹) ملفوظ :

تعلیم کے ترک ۱؎ کرنے سے قلب میں ایک سیاہ داغ ہوجاتا ہے، اور تعلیم کے بغیر کام کرنے سے فائدہ بہت کم محسوس ہوتا ہے، اور کام میں ہزاروں ایک کا فرق ہوجاتا ہے۔

۱؎ ترک تعلیم :

علوم ظاہری کے حصول کی طرح امور باطنی کے حصول کے لئے بھی تعلیم ہوتی ہے، جو ظاہر ہے، اور جو عموماً ایک مرشد کامل ایک شیخ طریقت کے ذریعے سے ہوتی ہے، بعض سالک طریقت اس تعلیم سے غفلت بھی برتتا ہے، اس غفلت اور سہل انگاری کی وجہ سے اس کا بڑا نقصان ہوجاتا ہے۔ اگر اسے ترک کردے تو اس کے قلب میں سیاہ داغ ہوجاتا ہے، اور یہ تو ظاہری بات ہے کہ تعلیم کے بغیر اس راہ میں کام بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کبھی کبھار تعلیم کے بغیر بھی کام میں بظاہر فائدے نظر آتے ہیں تو حضرت مولانا کا فرمانا ہے کہ اس سے ہزارروں ایک کا فرق ہوجاتا ہے۔

(۳۰) ملفوظ :

یاد رہے کہ مراقبہ یک سوئی فکر کا نام ہے ۱؎ مراقبہ چوبیس گھنٹے میں چار لازمی ہے۔ بلحاظ حالات سہولت کے پیش نظر ظہر کے وقت مراقبہ کے عرصہ میں کمی بھی کی جاسکتی ہے، جس کی تلافی وقت کرنی ضروری ہے۔

۱؎ مراقبہ ومحاسبہ :

مراقبہ رقوب سے مشتق ہے، جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں۔ مراقبے کی تعریف جو اس کی تمام قسموں پر حاوی ہے۔ یہ ہے اکثر حالات میں اپنے خیال کو ایک خاص وقت تک پوری پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف یا اس قسم کے اور خیال کی

طرف اس طرح سے لگانا کہ عقل و وہم وخیال اور تمام حواس اس توجہ کے تابع ہوجائیں ۔ تا کہ وہ غیر محسوس جس کی طرف تم نے خیال لگایا ہے وہ تمہارے سامنے بمنزلۂ محسوس کے ہوجائے اور اس کے غلبے سے تمہارے منشا پر عمل ہونے لگے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ سوائے اس کے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

ولتنظر نفس ماقدمت لغد . (۱)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے کہ :

واذکر ربک فی نفسک . (۲)

یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں مراقبے کے مفہوم پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

الاحسان أن تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

اور بہت ساری آیتیں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراقبے کی طرف دلالت کرتی ہیں ۔

بزرگوں نے مراقبے کے مختلف طریقے لکھے ہیں ۔ یہاں لیکن ایک ایسا طریقہ پیش کیا جاتا ہے جو ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی سلسلے میں داخل ہو یا نہ ہو ضروری اور مفید ہے ۔ چاہئے کہ ہر وقت کثرت سے سوچا کرے کہ اگر میں نے برا کام کیا یا برا خیال جمایا تو اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں سزا دیں گے ۔ اور عبادت کے وقت یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ میری عبادت دیکھ رہا ہے اس لئے اچھی طرح بجالانی چاہئے ۔ اور دن رات میں ایک خاص وقت مقرر کرکے اپنے اعمال کا جائزہ لیا کرے ۔ اور نیک کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور برے کاموں سے استغفار کرے اس کو محاسبہ کہتے ہیں ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے :

الکیّس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت . (۳)

'' دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد (کی زندگی) کے لئے کام کرے ۔

---

(۱) سورۃ الحشر : ۱۸۔
(۲) سورۃ الاعراف : ۲۰۵۔
(۱۳) ابن ماجہ ۔۲، رقم :۴۲۶۰، ترمذی ۔۴، رقم :۲۴۵۹۔

(۳۱) ملفوظ ۔

طالب کے لئے اکل حلال ۱؎ اور صدق مقال انتہائی ضروری ہے ۔

۱؎ رزق حلال :

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ :

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللّٰہ طیب لایقبل الاطیبًا وان اللّٰہ امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین فقال یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا وقال تعالی یاایھاالذین اٰمنوا کلوا من طیبات مارزقناکم ثم ذکر الرجل یطیل السفرا شعث اغبر یمدّیدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلک (مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور وہ صرف پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا اس نے رسولوں علیہم الصلاۃ والسلام کو حکم دیا ہے ۔ چنانچہ اس نے فرمایا کہ اے پیغمبرو! پاکیزہ روزی کھاؤ! ورنیک عمل کرو، اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اے ایمان والو! جو پاک وحلال چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہے اسے کھاؤ، پھر آپؐ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبی مسافت طے کرکے مقدس مقام پر آتا ہے، غبار سے اٹا ہوا ہے، گرد آلود ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ اے رب، اے میرے رب! (اور دعاؤں میں مانگتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اور حرام ہی کا پروردہ ہے، تو ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوسکتی ہے؟''

اس حدیث میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ صرف وہی صدقہ قبول کرتا ہے جو پاک اور جائز کمائی سے ہو ۔ حرام مال اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتا ۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ جس آدمی کی کمائی حرام ہو، ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو تو اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا ۔

بخاری شریف میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قال رسول اللہ ﷺ یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرأ مااخذ منه أمن الحلال ام من الحرام . (۱)

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جو مال کمایا وہ حلال ہے یا حرام۔‘‘

سالکین طریقت کے لئے بہت اہم اور ضروری امر ہے کہ وہ اکل حلال کا عادی بنے، اور پیٹ کے گناہوں سے بچے۔ انسان کئی مرتبہ بازار کے بنے بنائے کھانے کا عادی ہوتا ہے، کس نے بنایا اور اس میں کیا کیا ڈالا گیا اس کا پتہ کرنا سالک طریقت کے لئے ایک فرض جیسا امر ہے، کھانے کا فرض یہ ہے کہ جو منھ میں جارہا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے تو کھالیا تھا ہمیں کیا پتہ وہ حلال نہیں تھا۔ نہیں، شریعت پوچھ رہی ہے کہ کھانے سے پہلے تم نے پتہ کیوں نہیں کیا کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟ ہم اس بات کے پابند ہیں کہ صرف اور صرف حلال کھائیں، تو ایسی چیزیں جو مشتبہ ہوسکتی ہیں ان سے سالک طریقت کو پرہیز کرنا چاہئے۔

آج کل چوں کہ بہت مختلف جگہوں کی بنی ہوئی چیزیں بازاروں میں آتی ہیں، ان میں کئی ملکوں کی بنی ہوئی، کافروں کی بنی ہوئی ہیں، آج کل تو ماشاء اللہ مشرق کی چیزیں مغرب میں بکتی ہیں اور مغرب کی چیزیں مشرق میں، تو سالک اس کا بھی بڑا خیال رکھیں، بازار سے کوئی کھانے کی چیز خریدنا چاہتے ہیں تو لیبل کو ضرور پڑھیں، کہ اس کے اندر جو اجزاء ہیں وہ حلال ہیں یا نہیں؟ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ جو چیز ہاتھ میں آگئی بس کھالیں، یاد رکھیں کہ پیٹ میں اگر حرام چلا جائے تو انسان کی محنت ضائع ہوجاتی ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کسی دعوت میں شریک ہوگیا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ جو کھانا وہاں تھا وہ مشتبہ تھا، مگر میں نے کھالیا، نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری کیفیات ضائع

---

(۱) صحیح بخاری، عن ابی ھریرۃ، حدیث رقم: ۱۹۳۲۔

ہوگئیں۔ میں بہت پریشان تھا، توبہ تائب ہوا، اللہ سے معافی مانگی، اور بالآخر میں اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بتایا کہ حضرت! میرے ساتھ یہ ہوا ہے۔ حضرت نے بھی افسوس کا اظہار کیا، مگر ساتھ کہا کہ آپ میرے پاس آنا میں روزانہ آپ کو توجہات دوں گا، فرماتے ہیں کہ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں جاتا اور حضرت مجھے توجہ دیتے۔ اور ایسی توجہ کہ ہاتھی پر ڈالی جاتی تو وہ بھی متأثر ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ میں چالیس دن حضرت کی خدمت میں جاکر توجہ لیتا رہا، ایک مرتبہ کھانے کی ظلمت تب دل سے دور ہوئی ہے۔ اگر ایک مرتبہ کی ظلمت چالیس دن سے دور ہوتی ہے، تو سوچئے ہمیں مشتبہ غذا سے بچنے کا کتنا خیال رکھنا چاہئے۔

(۳۲) ملفوظ۔

دنیا کو دین بنانا چاہئے ۱؎۔

دنیا کو دین بنانا چاہئے:

۱؎ دنیا کو دین بنانے کے کئے معنی ہوسکتے ہیں، ان میں سے ایک معنی نیت کے حوالے سے بھی ہوسکتا ہے، یعنی بعض وہ دنیاوی امور جنہیں ظاہرا دنیا کے کام جیسے لگتے ہیں، اگر وہ بھی اللہ تعالی کی رضا اور خوش نودی کی خاطر کئے جائیں نیت کی وجہ سے وہ بھی دین کے کام بن جائیں گے۔

اور دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین کے اعتقادی اور عملی تقاضوں کو دنیا کے اشغال وترغیبات سے مقدم رکھنا، اور دنیاوی امور میں منہمک ہوکر احکام الٰہی کو فراموش نہ کرنا، بالفاظ دیگر دین کو اصل اور بنیاد کی حیثیت دے اور دنیا کو فروع کی۔ یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ آخرت کی نیت شریعت کی کامل اطاعت ہے پس نیت عبادت کی روح ہے۔ اگر بندہ طلب آخرت کی نیت سے اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرے تو خاصان خدا میں شمار ہوجاتا ہے۔

(۳۳) ملفوظ ۔

مشتبہ اشیاء کے استعمال اور صحبت غیر سے پرہیز بہت ہی لازمی امر ہے، بد پرہیزی سے فوائد بند ہوجاتے ہیں۱ ۔

---

۱ **مشتبہات سے پرہیز:**

عن النعمان بن بشير أن النبي صلى الله عليه وسلم قال الحلال بين والحرام بين وبينهما امور مشتبهة فمن ترک مايشتبه عليه من الاثم كان لما استبان اترک ومن اجترء على ما يشّک فيه من الاثم اوشک أن يواقع مااستبان والمعاصي حمى الله من يرتع حول الحمٰى يوشک أن يواقعه . (۱)

''حضرنعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حلال بھی واضح ہے حرام بھی، لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہ ہیں ۔تو جو شخص مشتبہ (گناہ) سے بچے گا وہ بدرجہ اولی کھلے ہوئے گناہ سے بچے گا، اور جو شخص مشتبہ گناہوں کے کرڈالنے میں جرأت دکھائے گا تو کھلے ہوئے گناہوں میں اس کا پڑجانا بہت زیادہ متوقع ہے۔ اور معصیتیں اللہ تعالی کا ممنوعہ علاقہ ہیں (جس کے اندر جانے کی اجازت نہیں اور اس کے اندر بلااجازت گھس جانا جرم ہے) جو جانور ممنوعہ علاقہ کے آس پاس چرتا ہے، اس کا ممنوعہ علاقے میں جانا بہت زیادہ متوقع ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز جس کا نہ تو حرام ہونا قطعی طور پر معلوم ہو، اور نہ حلال ہونا صاف صاف معلوم ہو۔ اس کے بعض پہلو حرام معلوم ہو اور بعض حلال دکھائی دیتے ہوں، تو مومن کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس نہ جائے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص مشتبہ چیز سے دور بھاگتا ہو، وہ کھلے حرام کا کام کیسے کرسکتا ہے؟ اس کے برعکس جو شخص مشتبہ کے ناجائز پہلوؤں کو دیکھنے کے باوجود اسے اختیار کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل کھلے ہوئے حرام کو اختیار کرنے پر جری اور دلیر ہوجائے گا، اور یہ دل کی نہایت خطرناک حالت ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری ومسلم ۔

(۳۴) ملفوظ ۔

شیطان۱ جن قلوب کو نجس کردیتا ہے، ان میں عبادت سے حلاوت نہیں آتی ۔

شیطان:

۱ کتاب وسنت کی تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ شیطان انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے، شیطان روزاوّل سے انسان کا پیچھا پڑا ہوا ہے، وہ ہروقت اس تاک میں رہتا ہے کہ کس طرح انسان کو گم راہ کرکے ہلاکت میں ڈال سکے، اور ظاہر ہے کہ شیطان عملا اس بندہ کا زیادہ سے زیادہ پیچھا کرتا رہتا ہے جس کا رجحان اور عملی زندگی اطاعت الٰہی میں بسر ہوتی ہے، اہل اللہ اور اولیاء اللہ کی حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان ان کے کس طرح پیچھا پڑا ہوا تھا، اس لئے راہ سلوک وطریقت کے مسافروں کو اس کے حیلے بہانے اور شیطنت سے ہروقت ہشیار رہنا چاہئے ۔تاکہ کسی بھی مقام میں اس شیطان لعین کے جال میں پھنس نہ جائیں ۔

(۳۵) ملفوظ ۔

یقین۱ پر فوائد کا مدار ہے ۔

---

۱ **یقین :**

یقین کے تین درجے ہیں ۔اس حوالے سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''حق تعالی سبحانہ کی ذات میں علم الیقین اور ان آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے ، جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں ۔اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں ۔لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر نفسی کے سوائے متصور نہیں اور وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے، پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پردے میں ہوں خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو۔ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ ہو، متناہی ہو یا لامتناہی ، اور کائنات پر محیط ہو یا نہ ہو۔ سب علم الیقین میں داخل ہیں ۔ عین الیقین

سے معلوم کرچکیں اور یہ شہود سالک کی فنا کو مستلزم ہے، اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بالکل گم ہوجاتا ہے، اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ شہود اس طائفہ علیہ قدس سرہم کے نزدیک اور ایک بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور معرفت بھی اسی کو کہتے ہیں، اس ادراک میں خواص وعوام شریک ہیں، لیکن عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رکھتے ہیں۔ عین الیقین علم الیقین کا جواب ہے۔ جیسے کہ علم الیقین کا حجاب ہے۔ اس شہود کے تحقق کے حیرت ونادانی ہے۔ علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے، بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران وپریشان ہے۔ حق الیقین اللہ تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے بعد اس کے کہ تعین دور ہوجائے۔ اور متعین فانی اور نابود ہوجائے۔ لیکن عارف کے لئے حق تعالی کا یہ شہود حق تعالی کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ کہ عارف کے اپنے ساتھ۔ اس مقام میں علم وعین ایک دوسرے کے حجاب نہیں ہوتے۔ بلکہ عارف کا وہ تعین ہے۔ جس مقام میں عارف اپنے آپ کو حق پر پاتا ہے۔ اور اس مقام میں حق تعالیٰ کو حق کے سوا نہیں دیکھ سکتے، اور یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے، جہاں کی شہود کی حقیقت محقق ہے۔ (۱)

(۱) مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۷۷۔

(۳۶) ملفوظ۔

برائی کا بدلہ بھلائی سے دنیا چاہئے۔

برائی کا بدلہ بھلائی سے دنیا چاہئے:

انسان کے اندر ایک نفس ہے، جس کو نفس امارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے، اور اس وقت اس میں غیض وغضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اللہ کے نیک اور صالح بندے صبر وتحمل سے حسن مدارات کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں، یوں نفس امّارہ پر غلبہ حاصل کرلیتے ہیں۔ یوں حسن مدارات سے نفس کی حدّت، طیش اور نفرت کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو غصے کو ایسی حالت میں ضبط کرے جبکہ وہ اس کو نافذ کرسکتا ہو تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے سب لوگوں کے سامنے بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہو پسند کرو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نرم روئی عطا کی گئی ہو، سمجھ لو اسے بھلائی مل گئی اور جسے نرم مزاجی سے کوئی حصہ نہ ملے وہ بھلائی سے محروم ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اخلاقی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر انہیں مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف یا اذیت پہنچے تو اس کا انتقام نہیں لیتے، بلکہ تحمل ومدارات کے ساتھ اس کو بخوشی برداشت کرلیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح یوں بیان فرماتے ہیں کہ ''محمدؐ اللہ کے رسول اور خاص میرے منتخب بندے ہیں۔ نہ بدمزاج بدخو ہیں، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، آپ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر کرتے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر کسی نے بدسلوکی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی انتقام نہیں لیا، بجز اس کے کہ کسی نے حدود اللہ کی بے حرمتی کی ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کسی کو نہیں مارا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی کو مارنا پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے کی برائی نہیں کی، جو مل جاتا کھا لیتے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم کو جھڑکا۔ تحمل و مدارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت

کا ایک اہم خاصہ ہیں ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ،مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اف تک نہیں کہا۔ جب کبھی مجھ سے کوئی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، اور جب کبھی ازواج مطہرات میں سے کسی نے مجھے ملامت بھی کی تو آپؐ نے انہیں فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، جو کچھ بھی ہوا قضا قدرت (تقدیر الٰہی) سے ہوا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو یہودیوں کے درمیان مقتول پایا تو ان پر سختی وزیادتی نہ کی بلکہ اپنی طرف سے سو اونٹوں کی دیت ادا کی، حالانکہ جنگی طاقت کی فروغ کے لئے صحابہ کو اونٹوں کی اشد ضرورت تھی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں کہیں تم رہو اللہ سے ڈرو اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دو، وہ بھلائی اس برائی کا خاتمہ کردے گی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ رہتا ہو اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہو ان لوگوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا ہو۔ مزید فرمایا کہ تم میں سے کوئی ابوضمضم رضی اللہ عنہ جیسا نہیں ہوسکتا ؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کی ابوضمضمؓ کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ روزانہ صبح کے وقت بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے تھے اے خدا میں نے آج اپنی آبرو اس پر قربان کردی جو مجھ پر ظلم کرے، اگر کوئی مجھے مارے تو میں اسے نہیں ماروں گا، جو مجھے گالی دے میں اسے گالی نہیں دوں گا، اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس پر ظلم نہیں کروں گا۔ مزید فرمایا بدترین انسان وہ ہے جس کو لوگ اس کی فحش کلامی کے ڈر سے چھوڑ دیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ایک اعرابی نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ حنین میں اس طرح زحمت پہنچی کہ میرے پاؤں میں بھاری جوتیاں تھیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک دب گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر رسید کیا، اور فرماتے تم نے مجھے بہت تکلیف دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں رات بھر

اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا، کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی جس طرح میں نے رات گزاری خدا خوب جانتا ہے، صبح ہوتے ہی ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ تجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔ ڈرتا ہوا بارگاہ رحمۃ للعالمین میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی ہو جس نے اپنے جوتے سے میرا پاؤں دبا کر مجھے تکلیف دی اور میں نے تجھے کوڑا رسید کیا تھا؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا یہ ۸۰ بھیڑیں ہیں، انہیں اس کے بدلے جاؤ۔

بلخ کے ایک نوجوان نے حضرت شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زاہد کی تعریف کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ ’’ہمیں جو کچھ ملتا ہے کھالیتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کرلیتے ہیں‘‘ تو اس پر اس بلخی نوجوان نے عرض کی کہ ہمارے ہاں بلخ کے کتے بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس پر شیخ ابویزید بسطامیؒ نے اس نوجوان سے زاہد کی تعریف پوچھی تو اس نے عرض کیا، ’’جب ہمیں نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور جب ہمیں ملتا ہے تو ہم ایثار کرتے ہیں۔‘‘

حضرت شیخ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ فراخ دل زاہد کی تین نشانیاں ہیں :۔

(۱) جمع کی ہوئی چیز کو خرچ کرنا۔

(۲) گم شدہ چیز کو تلاش نہ کرنا۔

(۳) اپنی خوراک دوسروں کو دینا۔

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوست کی مصیبت پر خوش ہونا عداوت کی علامت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ’’تو دوست کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر ورنہ اللہ تعالی اس کو عافیت دے گا اور تجھے پکڑ لے گا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ہزار آدمی کی دوستی کو ایک آدمی کی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی عداوت سے بچو، مزید فرمایا کہ میں دوست کی خواہش کی مخالفت نہیں کرتا اس خوف سے کہ وہ میرے قتل کی کوشش کرے گا، اگر قتل میں سعی نہ کرسکا تو میرے عیب لوگوں میں ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا۔

محمد بن مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر تو احسان کرے اس کی برائی سے ڈر، اور جن باتوں سے اپنے آپ کو معذور خیال کرتا ہے، ان میں سے اپنے بھائی کو بھی معذور سمجھو۔

(۳۷) ملفوظ ۔

اعمال صالحہ سے قلوب کو استوار کرنا چاہیئے۔تا کہ سلوک کی منزلیں آسانی سے طے ہوں ؎۱ ۔

؎۱ **اعمال صالحہ :**

اعمال صالحہ شریعت اسلامی کی رو سے دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلّق تمام امور پر حاوی ہیں۔جس کا ایک پہلو جلب المنفعات ہے تو دوسرا پہلو دفع یا ترک المضر ات ہے۔اعمال صالحہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن وسنت میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔جن کے کچھ اجمال زیر نظر کا دش میں بھی موجود ہے۔وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

(۳۸) ملفوظ ۔

سالک کو چاہیئے کہ ''اندرون آشنا، بیرون بیگانہ'' کے مانند رہے ؎۱ ۔

؎۱ **اندرون آشنا، بیرون بے گانہ :**

حضرات صوفیائے کرام اور سالکین طریقت کے ہاں یہ قول بہت مشہور ہے کہ ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' یعنی جس نے اپنے آپ کو پہنچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہنچانا ہے۔جس کا مطلب ہے ''اندرون آشنا ''تو سالک طریقت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو پہنچاننے کی کوشش کرے۔
اور جو سالک اندرون آشنا ہوگا، لازماوہ ضرور بیرون بے گانہ ہوگا۔دنیا سے اس کے علائق نہیں ہوں گے ،وہ تعلق مع اللہ کا درپے ہوگا۔اور ترک دنیا اس کا شیوہ بن جائے گا۔

(۳۹) ملفوظ ۔

کام آپس میں مشورہ کے ساتھ کیا جائے ؎۱ ۔

؎۱ **مشورہ :**

حضرت مولانا کا یہ ارشاد دراصل اجتماعی امور کے متعلق ہے،یعنی مسلمان اپنے معاملات باہمی صلاح ومشورہ سے انجام دیں۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

'' اوران کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔''(۱)

اور دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

''اوراپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کروٴاور جب عزم کرلوتو اس پر بھروسہ رکھو۔''(۲)

اوّل الذکر آیت میں مشورہ کو مسلمانوں کی صفت بیان کی گئی ہے۔اور بعد الذکر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔آپؐ نے اس کے پیش نظر ایک جماعت قائم کی تھی جس سے آپ غیر وحی امور میں مشورہ کرلیا کرتے تھے۔اس طرح قرآن کریم کے علاوہ سنت نبویؐ سے بھی شوری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ خلیفہ یا امام کا تقرر، جوامت کا سب سے اہم مسئلہ ہے،شوری کے ذریعے ہی ہونا چاہیئے۔یوں حضرت مولانا کا یہ ملفوظ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

(٤٠) ملفوظ ۔

وسیلے ؎۱ کو مضبوطی سے تھامو،اور مجاہدہ طریقۂ تعلیم اور ہدایات کے بموجب کرو،تا کہ فائدے ہوں۔

؎۱ **وسیلہ :**

صوفیائے کرام کے نزدیک یہ ادب تصوف اس آیت شریفہ سے مستنبط ہے کہ :

---

(۱) سورۃ الشوری، ٤٢ : ۳۸۔

(۲) سورۃ آل عمران، ۳ : ۱٥۹۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقو اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون . (۱)

''اے ایمان والوں! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت مذکورہ میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں :

(۱) ایمان، تقوی، وسیلہ اور جہاد، جس کا نتیجہ فلاح ہے۔

(۲) ایمان میں حصول علم اور طاعت حق کا اشارہ ہے۔

(۳) تقوی میں احکام الٰہی کی پابندی میں محنت و ریاضت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) ابتغاء وسیلہ (تلاش وسیلہ) ارادت شیخ کی طرف اشارہ ہے۔

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ حقیقی ایمان، حقیقی تمسک بالسنہ کسی زندہ شخصیت کے توسط کے بغیر ممکن نہیں، جس کا اصطلاحی نام شیخ و مرشد ہے، اسے مضبوطی سے تھامنا ضروری ہے۔

(۴۱) ملفوظ ۔

بیعت [۱] ہر سلسلہ میں لی جاتی ہے، اور بیعت کے بعد تعلیم دوسرے مبلغین بھی دے سکتے ہیں، مگر تعلیم حتی الامکان ابتدا سے انتہا تک ایک ہی شخص کو دینا چاہئے، اشتراک عمل سے متعلقین کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

---

[۱] **بیعت :**

بیعت کا جہاں تک سوال ہے کہ تمام صحابہؓ کی بیعت براہ راست دستِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی، اس دور میں بیعت کی کئی اقسام مروج ہے۔ (۲)

(۱) بیعت قبول اسلام۔

(۱) سورۃ المائدہ، ۵ :۳۵۔

(۲) القول الجمیل للشاہ ولی اللہ الدہلوی :۱۴۔

(۲) بیعت الخلافہ۔

(۳) بیعت اقامت دین۔

(۴) بیعت التمسک بالسنۃ والتقوی۔

(۵) بیعت الاجتناب عن البدعات

(۶) بیعت الھجرۃ

(۷) بیعت الجہاد

(۸) بیعت المحبۃ

جو بیعت طریقت وسلوک میں مروج ہے وہ ان بیعات سے قطعاً مختلف نہیں، جو صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہیں۔

حضرت عتبہ بن عبد سے مروی ہے کہ :

بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبع بیعات خمس علی الطاعۃ واثنین علی المحبۃ . (۲)

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر سات بیعتیں کیں جن میں سے پانچ اطاعت اور دو محبت پر تھیں۔''

حضرت انس بن مالک سے ابونعیم اور ابن عسا کر روایت کرتے ہیں کہ :

قال بایعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدی ھذہ علی السمع والطاعۃ فیما استطعت . (۱)

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوا کہ عہد رسالت وصحابہ میں بیعت سے مراد صرف امر خلافت یا قبول اسلام ہی نہ تھا، بلکہ دیگر امور میں بھی بیعت کا طریق مروج تھا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بیعت کی مشروعیت کی نسبت رقم طراز ہیں کہ : **فاعلم ان البیعۃ سنۃ ولیست بواجبہ لان الناس بایعوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقربوا بھا الی اللہ تعالی (۲)**

(۱) حیاۃ الصحابۃ، ۱ ـ ۲۳۲۔

(۲) القول الجمیل للشاہ ولی اللہ الدہلوی :۱۸۔

''جاننا چاہئے کہ بیعت کرنا سنت ہے، واجب نہیں۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے تھے اوراس سے اللہ تعالی کے قرب حاصل کرتے تھے،،

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے بیان سے دو امور ثابت ہوے

(۱) بیعت سنت ہے بدعت نہیں۔

(۲) بیعت تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے یا بالفاظ دیگر قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔

(۴۲) ملفوظ :

ختم شریف، فاتحہ شریف، درود شریف، [1] اذکار، مراقبہ یہ فرائض باطنی ہیں۔

---

[1] **درود وسلام** : درود وسلام کو وظیفۂ حیات بنالینا اتنا عظیم اور دیگر عبادات سے منفرد عمل ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے دنیوی واخروی فوائد وثمرات کا کوئی انسان اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ اس عمل کو جاری رکھنے سے ایک بات جو بطور خاص قلب وذہن کو مضطرب رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ بندہ جب درود شریف پڑھتے ہوے اپنی لغزشوں پر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی ہم نوائی میں بے ساختہ پکار اٹھتا ہے :

چوں بنام مصطفٰی خوانم دورد
از خجالت آب می گردد وجود

'' یعنی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود بھیجتا ہوں تو خطاؤں اور گناہوں کو دیکھتے ہوئے شرم سے میرا وجود پانی پانی ہوجاتا ہے۔''

دستور زمانہ ہے کہ ہر محبّ اور عاشق اپنے دنیوی محبوب کو محبت وعقیدت کے اظہار کے بطور کوئی نہ کوئی چیز بطور تحفہ ضرور دینا چاہتا ہے۔ جس سے اس کا مقصد محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کا حصول ہے۔ اہل ایمان کا خوش نصیبی ہے کہ انہیں رب العزت کی بارگاہ سے اپنے محبوب آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں بطور نذرانہ بھیجنے کے لئے درود وسلام کا حکم ملا ہے۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں درود وسلام بھیجنا حکم خداوندی کی تعمیل بھی ہے اور یہ عمل بھیجنے والے کے لئے حصول

سعادت وخوش بختی کا ذریعہ بھی۔

قرآن حکیم میں اللہ جل اسمہ نے بیشمار احکام نازل فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے کے لئے وقت معین یا کسی ماحول کی قید لگائی گئی ہے، لیکن درود وسلام پڑھنا اللہ تعالی کا ایک ایسا حکم ہے، جس کی بجا آوری کے لئے وقت وماحول کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور نہ زمان ومکان کی کوئی قید ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے کہ :

انَّ اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبیﷺ یاایھاالذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما . (۱)

''بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔''

ارشاد ربانی کی تعمیل میں جب بھی ہمارے کان اس حکم سے آشنا ہوں تو ہمیں بلا تاخیر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ درود وسلام بھیجنا چاہئے ۔

لفظ صلوۃ اپنے لغوی واصطلاحی معانی کے اعتبار سے بڑی وسعت کا حامل ہے اس لفظ کا مادہ ''ص ل و'' یا ''ص ل ی'' ہے۔ لغوی معانی کثیر ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر چار اصطلاحی معانی جو باقاعدہ مروج ومتداول ہیں، درج کردیتے ہیں :

(۱) دعا۔

(۲) استغفار۔

(۳) برکت۔

(۴) قراءت۔

(۱) صلوۃ بمعنی دعا :

غزوۂ تبوک میں کچھ مسلمان شریک نہ ہوسکے۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی اور کوتاہی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے خود کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور نیت کی کہ ہم اسی طرح باندھ رہیں گے یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بذات خود کھولیں اور ہم یہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں معاف فرمادیا ہے۔ کافی عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) سورۃ الاحزاب، ۳۳ : ۵۶۔

انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھولا تو وہ سجدۂ شکر بجالائے اور اپنے گھروں کا سارا اثاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا تو میں ان کا مال قبول کروں گا، چنانچہ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ومن الاعراب من يؤمن بالله واليوم الآخر ويتخذ ماينفق قربات عند الله وصلوات الرسول . (۱)

'' اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔''

(۲) صلوۃ بمعنی استغفار :

لفظ صلوۃ اصطلاحی طور پر استغفار کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ درج ذیل احادیث سے اس کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے :

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انی بعثت الی اهل البقیع لأصلّی علیهم . (۲)

''مجھے بقیع والوں کی دعائے استغفار کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

اور ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان امرا بالمعروف والنهی عن المنکر صلاة ، وان حملاً علی الضعیف صلاة ، وکل خطوة یخطوها احدکم الی الصلاة صلاة . (۳)

'' تیرا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی استغفار ہے، کسی کم زور و ناتواں کا بوجھ اٹھانا استغفار ہے، تم میں سے کسی کا نماز کی طرف قدم بڑھانا بھی استغفار ہے ''

(۳) صلوۃ بمعنی برکت :

(۱) سورۃ التوبۃ، ۹ : ۹۹۔

(۲) نسائی، کتاب الجنائز، ۴:۷۰، رقم:۲۰۳۸۔

(۳) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۹۷، رقم:۹۱۷۔

لفظ صلوۃ کتب احادیث میں برکت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، حضرت ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے اپنا صدقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر یوں دعا فرمائی :

اللهم صل علی آل ابی اوفی . (۱)

'' اے اللہ ابی اوفی کی آل کو برکت عطا فرما ''

(۳) صلوۃ بمعنی قراءت :

صلوۃ کا معنی قراءت بھی آیا ہے، مکہ مکرمہ میں نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سن کر کفار آپؐ کو گالیاں دیا کرتے تھے، اور دوران قراءت شور و غل سے خلل ڈالا کرتے تھے۔ جس کے متعلق حکم نازل ہوا :

ولاتجهر بصلاتک ولاتخافت بها . (۲)

''اور نہ اپنی نماز (میں قراءت) بلند آواز سے کریں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ صلوۃ بمعنی قراءت وارد ہوا ہے۔

صلاۃ کے مندرجہ بالا تمام معانی مدنظر رکھے جائیں تو ایک خاص قاعدہ کلیہ کا اطلاق ہوتا ہے، نسبت کے اعتبار سے اس طرح ہے :

(۱) جب صلوۃ کی نسبت اللہ جل اسمہ کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا رحمت نازل فرمانا اور عظمتیں اور برکتیں نازل فرمانا ہے۔

(۲) جب صلوۃ کی نسبت بندے کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب رکوع، سجود کرنا، نماز پڑھنا، درود و سلام پیش کرنا اور دعاء و مناجات کرنا ہوتا ہے۔

(۳) جب صلوۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ملائکۃ کا درود و سلام پیش کرنا، دعائے استغفار کرنا ہے۔

(۴) جب صلوۃ کی نسبت عناصر کائنات کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تمام

(۱) صحیح ابن حبان، ۳ :۱۹۳، رقم ۹۱۷۔

(۲) سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷ : ۱۱۰۔

اشیاء تسبیح پڑھتی ہیں۔ارشاد باری ہے کہ :

وان من شئ الاّ یسبح بحمدہ . (۱)

''اور (جملہ کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔''

اور ایک مقام پر ارشاد باری ہے کہ :

کلّ قد علم صلاتہ وتسبیحہ . (۲)

''ہر ایک (اللہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔''

سلام مصدر ہے جو بمعنی سلامتی استعمال ہوا ہے۔درود وسلام اللہ تعالی کی ان بابرکت نعمتوں میں سے ہے جو اپنے دامن میں بے پناہ فیوض وبرکات سمیٹے ہوئے ہے۔یہ ایسی لازوال دولت ہے کہ جسے مل جائے اس کے دین ودنیا سنور جاتے ہیں۔درود وسلام محبوب خدا کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا خزانہ، گناہوں کا کفارہ، بلندی درجات کا زینہ، قرب خداوندی کا آئنہ، خیر وبرکات کا سفینہ ہے۔ساتھ ہی ساتھ مجلس کی زینت، تنگ دستی کا علاج، غربت وافلاس کا حل، دوزخ سے نجات کا ذریعہ اور شفاعت کی کنجی ہے۔

(۴۳) ملفوظ :

واقعات اور مشاہدات کا انکشاف طریقہ کے لئے اکثر بدنامی وبے وقعتی کا سبب ہوتا ہے، ان مشاہدات میں تمیز کرنی چاہئے۔یہ کبھی روحانی تربیت ہوتے ہیں، یا کبھی امتحان یا اعلام ۱ ۔

مشاہدات:

۱ اس ملفوظ کی بات ملفوظ نمبر ۴۷ میں آرہی ہے، اس میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشاہدات والی بات جب سالک طریقت بیان کرتا ہے تو اس سے لوگوں میں ایک طرح کا ہل چل مچ جاتا ہے، جس سے طریقت کی بدنامی ہوتی ہے، بے علم لوگ یا اس کوچہ سے ناواقف حضرات اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگتے ہیں، جس سے بسا اوقات سلوک وطریقت کی تخفیف ہوجاتی ہے، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ اس لئے واقعات اور مشاہدات کے انکشاف سے اہل طریقت کو منع فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷ : ۴۴۔

(۲) سورۃ النور، ۲۴ :۴۱۔

(۴۴) ملفوظ :

نسبت دینے کے لئے ان حضرات کو مقرر کیا جائے، جن کے قلب کا مکمل سلوک کمال درجہ ختم ہوچکا ہو ۱ ۔

---

۱ **نسبت :**

نسبت کے لغوی معنی ہے لگاؤ اور تعلق کے، اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ سے حق تعالی سبحانہ سے خاص قسم کا تعلق۔یعنی اطاعت اور ذکر غالب کا۔اور حق تعالی سے بندہ کے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضاء، جیسا کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔جب نسبت کے یہ معنی معلوم ہوگئے تو ظاہر ہوگیا ہے کہ فاسق وفاجر صاحب نسبت نہیں ہوسکتا۔بعض لوگ غلطی سے اس کے معنی خاص کیفیات کو سمجھتے ہیں جو ریاضت ومجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہیں۔مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

(۴۵) ملفوظ :

(ا) سودخور یا ناجائز آمدنی کھانے والے ۱ حضرات کو پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھایا جائے بشرطیکہ وہ آئندہ کے لئے ثابت ہوچکے ہوں۔

---

۱ **سودخور :**

سودی کاروبار میں حصہ لینے والوں پر اللہ کی لعنت ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن أکل الربا وموکلہ وشاھدہ وکاتبہ . (۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر اور سود کے لکھنے والے پر۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی وجہ سے لعنت فرمائی، وہ کتنا بڑا گناہ ہوگا۔یہی نہیں بلکہ نسائی

---

(۱) متفق علیہ۔

کی ایک روایت میں ہے کہ جان بوجھ کر سود کھانے ،کھلانے والے، گواہی دینے والے اور لکھنے والے پر قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم لعنت فرمائیں گے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن آپ ایسے لوگوں کے لئے (اگر بلا توبہ مرگئے) شفاعت نہیں بلکہ لعنت فرمائیں گے۔العیاذ باللہ۔لعنت کے معنی دھتکارنے اور بھگا دینے کے ہیں ۔

۲ حلال وحرام سے لاپرواہی :

حلال وحرام کمائی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ياتى على الناس زمان لايبالى المرء مااخذ منه أمن الحلال ام من الحرام . (۱)

’’ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جو مال کمایا وہ حلال ہے یا حرام۔‘‘

پھر حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائی اور اس میں سے راہ خدا میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايكسب عبد مالاً حراماً فيتصدق منه فيقبل منه و لاينفق منه فيبادك له فيه و لايتركه خلف ظهره الاّ كان زاده الى النار ان الله تعالى لايمحوالسئ بالسئى و لكن يمحو السئ بالحسن ان الخبيث لايمحو الخبيث (۲)

’’حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے ، پھر اس میں سے خدا کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا۔اور اگر اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو برکت سے خالی ہوگا۔اور اگر وہ اسے چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے لئے جہنم کے سفر میں زادِراہ بنے گا۔اللہ تعالی برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ نیکی کا کام جائز طریقہ سے کیا جائے گا تب وہ نیک کام سمجھا جائے گا۔مقصد بھی پاک ہونا چاہئے اور اس کا ذریعہ بھی پاک ہونا چاہئے۔

---

(۱) صحیح بخاری، عن ابی ہریرۃ، حدیث رقم : ۱۹۳۲۔

(۲) مشکوۃ۔

(٤٦) ملفوظ :

دیکھنا معیار فضیلت نہیں ہے، تجربہ اکثر امتحان کے واسطے کرایا جاتا ہے ۱ ۔

مکاشفہ:

۱ دیکھنے سے مطلب مکاشفہ یا مشاہدہ ہے، جس کا تذکرہ اگلی سطور میں آنے والا ہے۔

(٤٧) ملفوظ :

مشاہدات ۱ کے ذریعے جو معلومات ہوں، ان کا انکشاف اکثر سلب کا موجب ہوتا ہے۔

---

۱ مشاہدۃ :

تصوف کی اصطلاحات میں مشاہدہ کے باب میں محاضرہ اور مکاشفہ بھی ملتا ہے، یعنی محاضرہ، مکاشفہ پھر مشاہدہ کا نمبر آتا ہے۔محاضرہ ابتدا ہے، جس کا مطلب ہے دل کا حاضر ہونا۔یہ حضور کبھی متواتر برھان کے ذریعے سے ہوتا ہے۔جب کہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے۔خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد مکاشفہ آتا ہے۔مکاشفہ یہ ہے کہ سالک طریقت بیان ووضاحت کے ساتھ حاضر ہو۔اس حالت میں اسے نہ تو کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ راستہ تلاش کرنے کی۔اور نہ ہی شک وشبہات کے اسباب سے اسے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد مشاہدہ ہے۔مشاہدہ حق تعالی کے آگے اس طرح حاضر ہونا ہے کہ صحیح حالات کو بندہ مشاہدہ کرے۔اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے ۔ چنانچہ جب اسرار کا آسمان پردوں کے بادلوں سے صاف ہوتا ہے۔شہود، مشاہدہ کا سورج برج شرف سے جگمگا اٹھتا ہے۔اصل مشاہدہ وہ ہے جس کا ذکر حضرت جنید رحمۃ اللہ نے کیا ہے یعنی وجود حق ہو اور تم خود مفقود ہو۔پس صاحب محاضرہ کا تعلق علامات

سے ہوتا ہے۔صاحب مکاشفہ اپنی صفات کی وجہ سے بسط میں اور صاحب مشاہدہ خودگراپڑا ہوتا ہے۔
صاحب محاضرہ کی رہنمائی اس کی عقل کرتی ہے، مکاشفہ والے کو اس کا علم مطلع کرتا ہے، اور مشاہدہ والے کو اس کی معرفت محو کردیتی ہے۔

مشاہدہ کی تحقیق کے بارے میں، جو کچھ حضرت عمرو بن مکیؒ نے فرمایا اس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔
ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے کہ مشاہدہ میں بغیر اس کے کہ درمیان میں پردہ پڑے یا انقطاع ہو، صوفی کے دل میں لگا تار انوار و تجلی کا وارد ہوتا ہے، بعینہ اسی طرح کہ جس کا لگا تار بجلیاں چمکتی ہوں ، چنانچہ جس طرح بجلیوں کے متواتر اور لگا تار روشن ہونے سے تاریک رات دن کی طرح روشن ہوجاتی ہے، اسی طرح صوفی کے دل پر متواتر تجلی ہوتی ہے، تو اس کے لئے دن چڑھ آتا ہے اور پھر رات باقی نہیں رہتی ۔ (۱)

تو حضرت مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ کا یہ فرمانا کہ مشاہدات کے ذریعے جو معلومات ہوں، ان کا انکشاف اکثر سلب کا موجب ہوتا ہے، بالکل صحیح ہے، کیوں کہ سالک طریقت جب اس قسم کی معلومات کا انکشاف کرتا ہے تو موجب سلب ہوجاتا ہے، بڑی راز کی بات ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الرسالۃ القشیریۃ، باب محاضرہ، مکاشفہ، مشاہدہ۔

(۴۸) ملفوظ :

توکل وصبر ۱؎ طالب کے لئے بہت ضروری ہے ۔

توکل وصبر:

۱؎ توکل کے حوالے سے پچھلی سطور میں کچھ باتیں عرض کی جاچکی ہیں وہاں ملاحظہ کیا جائے اب یہاں باتیں ہوں گی صبر کی۔

(۲) صبر :

ارشاد ربانی ہے کہ :

واصبروا وماصبرک الا باللہ . (۱)

''صبر کیجئے، اللہ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کرسکتے ''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان الصبر عند الصدمة اوفی . (۲)

صبر تو وہ ہے، جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے''

صبر کی کئی قسمیں ہیں :

(۱) انسان کا اپنے کاموں پر صبر اور ان امور میں صبر، جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔

پھر انسان کا اپنے کاموں پر صبر دو طرح کا ہے :

(الف) ان امور پر صبر، جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ۔

(ب) اور ان چیزوں پر صبر جن سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔

اور ان امور پر صبر، جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں کہ جنیدؒ سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : ناک منھ چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہ فرماتے ہیں کہ صبر و ایمان میں وہی تعلق ہے ، جو سر اور بدن میں ہے ، ابو القاسم

---

(۱) سورۃ النحل : ۱۲۸ ۔

(۲) مسند ابویعلیٰ فی مسندہ : ۱۰/ ۴۵۴۔

حکیم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا واصبر فرمانا ، عبادت کرنے کا حکم ہے۔ اور وما صبرک الاّ باللہ۔ فرمانا یہ عبودیت ہے۔ حضرت ابوسلیمان سے صبر کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا : اللہ کی قسم ! ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کرسکتے ، تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کرسکتے ہیں۔ یعنی اللہ کی توفیق کا ہونا ضروری امر ہے۔

حضرت ذوالنون مصری سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون واطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ اچھی طرح ادب کو قائم رکھتے ہوئے مصیبت پر قائم رہنا صبر ہے۔

ابوعثمان سے مروی ہے کہ بہت صبر کرنے والا وہ شخص ہے، جو مصیبت میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے آپ کو عادی بنالے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عبادت پر بہترین جزاء ہوسکتی ہے وہ صبر ہے، کیوں کہ صبر کی جزاء سے بڑھ کر کوئی جزاء نہیں۔

عمرو بن عثمان سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام پر ثابت قدم رہنا اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

یحیی بن معاذ سے مروی ہے کہ عاشقوں کا صبر، زاہد کے صبر کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہوتا ہے، تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں؟

ابوعلی دقاق سے مروی ہے کہ صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے،

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف سے مروی ہے کہ صابر کی تین قسمیں ہیں :

(۱) بناوٹی صابر (۲) صابر (۳) اور بہت زیادہ صبر کرنے والا۔

بعض صوفیہ سے مروی ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں :

(۱) صبر عابدین۔

(۲) صبر محبین۔

عابد کا بہترین صبر یہ ہے کہ یہ دائمی ہو۔ اور محبین کا بہترین صبر یہ ہے کہ صبر کو ترک کردیا جائے۔(۱)

ایک گزارش :

ہر خلیفہ اور ہر مبلغ پر لازم ہے کہ وہ حضرت قبلہ پیر صاحب (حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی رحمۃ اللہ علیہ) وقدس سرہ کے احکام وارشادات کی تعمیل کرے۔ نیز وابستگان طریقہ سے تعمیل کرائے۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تصوف انسائکلوپیڈیا۔ محمد عبدالنصیر۔ ۲۹۶۔

حرف آخر :

آخر میں خاکسار مالک کائنات کے حضور سربسجود ہے کہ جس نے اپنے اس حقیر بندہ کو اپنے مقبول بندوں پر اپنی بساط بھر خامہ فرسائی کی توفیق بخشی ہے، اور حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محافظ دین وشریعت اور حامل کتاب وسنت اور صاحب سیرت وکردار غرض ایک رجل رشید پر قلم اٹھانے کا شرف بخشا ہے، دراصل حضرت مولانا جیسے بزرگوں اور برگزیدہ شخصیتوں پر قلم اٹھانے کی ذمے داریاں اسلامیان ارکان پر تھیں، مگر مالک نے یہ سعادت اس سلسلے کے ایک نالائق، ناچیز کفش دار کو عطا کی، کسی شخصیت اور وہ بھی کسی برگزیدہ شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے کس قدر لیاقت، صلاحیت اور استعداد کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اہل قلم جانتے ہیں، جن سے خاکسار غریب الدیار کا دامن خالی ہے، پھر بھی توفیق خداوندی کے ناطے اور رسول انسانیت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کے صدقے جتنا بھی ممکن ہوسکا، ہوا، ناچیز کے خیال میں یقیناً حضرت مولانا جیسے فخر روزگار عبقری کی سوانح عمری کے نام سے اس کاوش میں بہت ساری چیزیں ان کہی رہ گئی ہوں گی، تاہم اہل علم وعمل کے لئے یہ کاوش ایک سوغات ضرور ہوگی۔ اور اہل علم وعمل حضرت کے کچھ نہ کچھ حالات زندگی سے واقف ضرور ہوسکیں گے۔

حضرت سلام پر ایک زندہ وجاوید مرثیہ:

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ارکانی کی وفات حسرت آیات پر بہت سارے شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں مرثیے لکھے ہیں، جن میں سے ایک زندہ وجاوید مرثیہ کلام ناظرین و قارئین کرام کی خدمت میں یہاں پیش کیا جارہا ہے، البتہ اسے حاضرِ خدمت کرنے سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مرثیہ کے لکھنے والے عظیم المرتبت عارف باکمال شاعر کا کچھ نہ کچھ تعارف کرایا جائے تو لیجئے:

برکۃ العصر، مفکر ملت، ابوالبرکات حضرت العلامۃ محمد فضل اللہ مظاہریؔ ساتکانوی ثم چاٹگامی رحمۃ اللہ (۱۸۹۷ء۔۱۹۷۹ء) نہ صرف سرزمین بنگال بلکہ برصغیر ہندوپاک کے ایک برگزیدہ و باکمال انسان گزرے ہیں، کہنے میں تو آپ حلقۂ دیوبند کے ساختہ پرداختہ ہیں، لیکن فیاض ازل کی کرشمہ سازی کہئے یا اور کچھ کہ ایک طرف آپ کو قدرت نے دیوبند کا سلجھا اور منجھا ہوا دماغ بخشا تو دوسری طرف ندوے کا شستہ وشگفتہ، رواں اور طغیاں قلم بھی عطا کیا تھا، جن کی لکھی ہوئی نثری کاوشوں کے علی الرغم صرف اور صرف ان کے مایۂ ناز، پردرد اور پراثر عربی، فارسی اور اردو کلام کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے یہ بنگال کے نہیں بلکہ کوئی برصغیر ہندوپاک یا عرب وفارس کے اہل زبان شاعر ہیں، جن کی شاعری کی دیگر صفات ومیّزات پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے، بایں ہمہ ان کی شاعری میں جو داخلی وخارجی موسیقی کی لذت وحلاوت کے علاوہ شوخ بیان اور جادو بھرا ترنم ہے، ان سارے امور پر مزید لکھی جانے کی ضرورت ہے، **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**۔

مطلع بنگال کے اس خورشید تاباں کی من موہنی اور دلاویز شخصیت کی ذات بابرکات سے ہندوبنگال کو فائدے پہنچے تھے اور اب بھی پہنچ رہے ہیں، حضرت نے اپنی حیاتِ مستعار میں خداداد صلاحیات و استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، جس کی توقع کم سے کم قحط الرجال کے شکار اس خطے سے نہیں کی جاسکتی تھی، اس حوالے سے سوچنے اور پرکھنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت العلام نہ صرف اپنے زمانے کے ایک عظیم وباکمال، بزرگ ترین مستفاد انسان

تھے بلکہ آپ نے جو علمی وادبی، فکری وثقافتی، دینی وروحانی ورثے چھوڑے ہیں، ان سے رہتی دنیا ضرور مستفید ہوسکے گی۔

حضرت العلام پر ہندوپاک کے علی الرغم سرزمین بنگال کے عظیم المرتبت انسان شناس قلم کاروں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ شکریہ اور داد کے مستحق ہیں، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جانکاری اور معلومات کی حد تک بڑی فراخ دلی اور وسعت نظری کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن آپ پر اتنے کچھ لکھے جانے کے باوصف میرے ناقص خیال میں آپ کی زندگی کے بعض ضروری گوشہائے سربستہ خاصے تشنے رہ گئے ہیں۔

یہ ایک زندہ وتاباں حقیقت ہے کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، فلسفہ و کلام کے ماہر اور رمز شناس عالم ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ کے مصنف، صاحب طرز ادیب اور موہوبی شاعر تھے، بایں ہمہ آپ کی ذات وعالی صفات کے حوالے سے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ ایک بزرگ ترین صاحب دل اور صاحب نظر انسان تھے، آپ کی ہمہ گیر شخصیت کے اس پہلو پر بہت کچھ لکھی جانے کی ضرورت تھی اور رہے گی، کیوں کہ میرے خیال میں آج تک حضرت پر لکھنے والوں کی نظریں آپ کی من موہنی شخصیت کی اس عنصر ترکیبی یا آپ کے فیضان نظر جیسے اس ضروری پہلو پر نہیں پڑی ہیں، اگر پڑی ہوں تو میری نظر سے نہیں گزریں، میرے اس دعوے کی تصدیق کے لئے بطور استشہاد دور جانے کی تھوڑی ضرورت نہیں، صرف اور صرف حضرت علام کے قلم سے مولانا عبد السلام صاحب ارکانی پر لکھا گیا مرثیہ ہی کافی ہے، امعانِ نظر سے پڑھنے والا ہر کسی کو یہ انداز ہ ضرور ہو جائے گا کہ حضرت العلام کتنے پائے کے صاحب دل ونظر اور صاحب مقام موہوبی سالک طریقت تھے، ظاہر ہے کہ آپ نے سلوک وطریقت کے حوالے سے جن امور کا اس مرثیہ میں تذکرہ فرمایا ہے، اگر آپ راہِ سلوک کے عملی سالک نہیں ہوتے، تو کبھی بھی ان امور کو اس خوش اسلوبی سے دریا کو کوزے میں ڈالنے کے قابل نہیں ہوسکتے، غرض سلوک وطریقت کی جن پیچیدہ علمی وعملی مصطلحات کو اس مختصر سے مرثیہ میں آپ نے جس خوب صورتی سے ڈالا ہے، یہ نرے شاعر اور کور باطن عالم کی بس کی بات نہیں، بلکہ یہ ایک موہوبی وفطری شاعر اور علمی اعتبار سے جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ایک دلِ زندہ دار، سلوک وطریقت تزکیہ واحسان کے حوالے سے بلند ترین مقام پر فائز انسان کا کام ہے۔

البتہ یہ الگ بات ہے کہ حضرت کی زندگی کے حوالے سے آج تک لکھنے والوں نے پورا احاطہ کرنے کی کوشش کی اور نہ ان کے لئے اتنی کم تحریر میں اس کی گنجائش تھی ، لیکن آج نہ صرف خاکسار بلکہ سارے جہاں کے لئے خوشی کی خبر ہے کہ حضرت کے فرزند ارجمند پروفیسر ڈاکٹر ابو رضا محمد نظام الدین ندوی ایم پی کی مسلسل اور انتھک کوششوں کے نتیجے میں حضرت کی زندگی پر ایک مبسوط و مفصل کاوش کوئی نو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ''سوانح حیات'' مرتب ہوکر خدا کرے تو بڑی قلیل مدت میں سامنے آرہی ہے، اور جس کے اردو ترجمہ کی ذمے داری الحمد للہ تعالی اس بے بضاعت و بے سامان خاکسار پر ڈالی جا چکی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اپنے خاص فضل و کرم سے اس شان کی ذمے داری سے عہدہ براہ ہونے کی توفیق سے نوازے، آمین۔

مرثیہ بروفاتِ حسرت آیات شیخ طریقت حضرت شاہ صوفی

مولانا عبدالسلام صاحب ارکانیؒ متوفی: ۱۷/جون/۱۹۶۸ء

رخِ زیبا تھا جن کو نور افشاں ۔۔۔ نگاہیں جستجو میں جن کو حیراں
گلستاں پر بہاریں جو رہی تھیں ۔۔۔ خزاں دیدہ ہے بے رونق ہے بے جاں
چلے معشوق کے دیدار میں تم ۔۔۔ رلا کر سب کو اے محبوبِ رحماں
ہوے آزاد قیدِ عنصری سے ۔۔۔ بنے ہو طائرِ قدسی گلستاں
ہوے محبوب سے مل کر کے تم خوش ۔۔۔ جدائی میں ترے لاکھوں ہیں گر یاں
توجہ تھی تری اکسیرِ اعظم ۔۔۔ دلِ عشاق اس سے زیست ساماں
قلوبِ قاسیہ کی تھی جو صیقل ۔۔۔ خذاقت تیری بر اصلاحِ انساں
تری تعلیم و تلقین تز کیہ سب ۔۔۔ بتحریکِ لطافت بر قِ ساماں
ہزاروں دل اجاگر کر گئے تم ۔۔۔ تری تھی تر بیت شمعِ شبستاں
وہ سادی زندگی تقوی طہارت ۔۔۔ وہ اخلاق حسن چوں خلقِ قر آں
وہ پر وازِ بلندی صبر و ہمت ۔۔۔ وہ استغراق اور استقلال اور عر فاں

تھا تو اسلاف کا نادر نمونہ ۔۔۔ ترے اخلاق اخلاقِ بزرگاں
گئی ہے عمر تیری خدمتوں میں ۔۔۔ افادہ با اضافہ تھا تری شاں
مکیں کون و مکاں کا تھا تو لیکن ۔۔۔ ترے ادراک میں افلاک حیراں
ترے کشف و کرامت کا وہ عالم ۔۔۔ حجابِ عنصری تجھ سے گریزاں
طریقت کے تمامی سلسلوں میں ۔۔۔ رہا تو ناخدائے بحرِ عرفاں
فیوضِ صحبت و کیفِ توجہ ۔۔۔ کئے مردہ دلوں کو زندہ شاداں
ترا رتبہ ہمیں کیا ہو تصور ۔۔۔ مکاں سے لا مکاں تک تیرا جولاں
تری روشن ضمیری کیا بیاں ہو ۔۔۔ خجل ہے تیرے آگے مہرِ تاباں
زمیں ہے شور سا قلب مکدر ۔۔۔ تیری صحبت سے لاکھوں اب گلستاں
بنے ہو ساکنِ دار السلام اب ۔۔۔ تم اے عبد السلام شیخِ عرفاں
بسال ہشت و شصت و صد نور دہ ۔۔۔ بہفدہ جوں ہوے واصل بہ یزداں
جو سچا عشق لے آیا ترے پاس ۔۔۔ ہوا ہے پورا اس کے دل کے ارماں
جو درد دل کو لے آیا ترے ہاں ۔۔۔ ملا ہر درد دل کا اس کو در ماں
رزائل کو فضائل سے بدلنا ۔۔۔ مہارت تجھ کو تھی از طر ف یزداں
جدائی میں تری بے تاب سارے ۔۔۔ یتیموں جیسے روتے ہیں مریداں
وہ تیری خندہ پیشانی مروت ۔۔۔ مزاحی گفتگو گہ گہ بیاراں
امیر آئے کوئی یا کوئی مفلس ۔۔۔ ترے دربار میں تھے سب ہی یکساں
رہی دنیا تری قدموں پہ لیکن ۔۔۔ ترا دل خالقِ دنیا پہ قرباں
ترا فضل و کرم ہو یا الٰہی ۔۔۔ نہ ہو نسبت سے ان کی ہم کو حرماں

از طرف

محدث العصر مفکرِ اسلام صاحب طرز ادیب

علامہ ابو البرکات محمد فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حوالہ جات

نمبر	کتاب	مصنف
۱	القرآن الکریم	کلام اللہ جل جلالہ وعم نوالہ
۲	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۳	صحیح مسلم	امام محمد بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ
۴	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سجستانیؒ
۵	سنن نسائی	امام احمد بن شعیب بن علی سجستانیؒ
۶	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ
۷	سنن ترمذی	امام محمد بن عیسی سلمی ترمذیؒ
۸	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
۹	شمائل ترمذی	امام محمد بن عیسی سلمی ترمذیؒ
۱۰	صحیح ابن حبان	امام ابن حبانؒ
۱۱	المؤطا	امام مالک بن انسؒ
۱۲	مسند دیلمی	امام دیلمیؒ
۱۳	سنن بیہقی	امام احمد بن حسین بیہقیؒ
۱۴	روح المعانی	امام شہاب الدین الوسیؒ
۱۵	مکتوبات امام ربانی دفتر اول	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ
۱۶	مکتوبات امام ربانی دفتر دوم	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ
۱۷	مکتوبات امام ربانی دفتر سوم	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ
۱۸	اسرار الاولیاء	مولانا عبدالقدوس ساتکانوی، چاٹگامیؒ
۱۹	مبداومعاد	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ
۲۰	مدارج السلوک	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

نمبر	کتاب	مصنف
۲۱	ہدایۃ الطالبین	حضرت شاہ ابوسعید دہلویؒ
۲۲	کنز الہدایات	حضرت مولانا مفتی محمد باقر لاہوریؒ
۲۳	مکاتیب شریفہ	حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ
۲۴	کشف الخفاء	امام ابواسحاق زہیر عیسی مرزوقی
۲۵	بستان العارفین	امام ابواللیث سمرقندیؒ
۲۶	القاموس المحیط	علامہ فیروزآبادیؒ
۲۷	فتوح الغیب	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۲۸	قوت القلوب	امام ابوطالب مکیؒ
۲۹	احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ
۳۰	الرسالۃ القشیریۃ	امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ
۳۱	عوارف المعارف	امام محمد بن عبداللہ شہاب الدین سہروردیؒ
۳۲	سفرالسعادہ	شیخ ابوطاہر فیروزآبادیؒ
۳۳	معالم التنزیل	امام بغویؒ
۳۴	الشفاء	امام قاضی عیاضؒ
۳۵	مشکوۃ المصابیح	امام خطیب تبریزیؒ
۳۶	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۳۷	تصوف انسائکلوپیڈیا	محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر علویؒ
۳۸	السیرۃ الحلبیۃ	امام حلبیؒ
۳۹	السیرۃ النبویۃ صلی اللہ علیہ وسلم	امام محمد بن ہشامؒ
۴۰	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاریؒ
۴۱	عمدۃ السلوک	حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ
۴۲	مکتوبات معصومیہ دفتر اول	حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ
۴۳	مکتوبات معصومیہ دفتر دوم	حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

۴۴	مکتوبات معصومیہ دفتر سوم	حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ
۴۵	ایقاظ الہمم فی شرح الحکم	علامہ ابن عجیبہؒ
۴۶	الفتح الربانی	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۴۷	محیط المحیط	الامام بستانیؒ
۴۸	القول الجمیل	امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۴۹	حیاۃ الصحابۃ	حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
۵۰	المعجم الکبیر	امام طبرانیؒ
۵۱	سیرت سید احمد شہید	مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
۵۲	تاریخ حمیدیہ	حمید الدین خان موحوم

ارکان اور اس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م ۔ سے دھنووتی ر دھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ ق م تک جاری تھا۔

۸۲۵ق م ۔ سے دھنووتی ر دھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔

۷۸۸ء ۔ ویسالی دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔

۹۵۷ء ۔ ارکانی راجا چولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اور ارکان کی تاخت وتاراج۔

۱۰۱۸ء ۔ پن سا پہلے دور حکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔

۱۱۰۳ء ۔ پارن دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔

۱۱۶۷ء ۔ کریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔

۱۱۸۰ء ۔ پن سا دوسرے دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔

۱۲۳۷ء ۔ لنگریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔

۱۴۰۴ء ۔ برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔

۱۴۰۴ء ۔ ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ ر من سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔

۱۴۳۰ء ۔ سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔

۱۶۶۰ء ۔ بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعد میں اس کا مع اہل وعیال قتل۔

۱۶۶۶ء ۔ مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام و پریشانیاں۔

۱۷۱۰ء ۔ ارکان میں خانہ جنگی، اور وسیع پیمانے میں نقصانات۔

۱۷۸۴ء ۔ برمی غاصب راجا بودھوپھیا کا ارکان پر حملہ وقبضہ، اور اس کی دہشت گردی، اور قتل عام۔

۱۷۹۶ء ۔ تیس ہزار ارکانیوں (مگھ ر مسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔

۱۷۹۸ء ۔ جنرل علیہ بائنگ ر علی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔

۱۸۱۱ء ۔ سین فیا (KINGBERING) اور مسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔

۱۸۲۵ء ۔ پہلی انگلو برمن جنگ۔

۱۸۲۶ ۔ ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۹۳۰ء ۔ برمی مسلم تاجر'' اوباداو '' کے تعاون سے برما مسلم سوسائٹی کا قیام۔

۱۹۳۰ء ۔ مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اور اس کے حواریوں کی بربریت اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے سے ہجرت۔

۱۹۳۰ء ـ وسطی،تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء ـ روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء ـ برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی،اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء ـ رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء ـ ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام،اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء ـ منگڈو،بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء ـ ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء ـ ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء ـ مسٹر عبدالرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء ـ مسٹر عبدالرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ـ سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ـ برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء ـ محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء ـ برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء ـ محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء ـ مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء ـ بی ٹی ایف کی بربریت،ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء ـ بانی تحریک آزادیٔ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء ـ آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء ـ ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام،مسلم بستیوں پر قبضہ،مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء ـ برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء ـ ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام،مسلم بستیوں پر قبضہ،مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء ـ مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء ـ برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء ـ راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے سارنڈر۔

۱۹۶۲ء ـ جمہوری آئین کی معطلی،اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء ـ برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء ـ نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء ـ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء ـ مگھ شر پسندوں کی شر پسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء ـ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء ـ نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم،اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء ـ محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء ـ جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء ـ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء ـ روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء ـ نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء ـ ناگامن آپریشن،برمیوں اور مگھوں کی غارت گری،مسلمانوں کی عام گرفتاریاں،قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء ـ روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ـ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء ـ مولانا عبدالقدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ـ نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء ـ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ـ مولانا عبدالحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ـ روہنگیا طلبہ تنظیم،اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔برما۔(ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء ـ جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی،اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء ـ ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء ـ جنرل سامونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء ـ مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء ـ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ ـ ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا قیام۔

۱۹۹۰ء ـ نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ،جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تا جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اوران کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اوران کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔

۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اوراعلان۔

۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اوراعلان۔

۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اورلاکھوں کی ہجرت

مصنف کی بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف:

سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی	سازش کا طوفان عقلیت و مادیت کے روپ میں
روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے	تذکرۂ علامہ سید الامینؒ
تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ	روہنگیا مسلمان اوران کی ہجرت کے اسباب
ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات وکارنامے	ارکان روہنگیا یونین، ماضی اورحال کے تناظر میں
روہنگیا چیخ وپکاراور مطالبات (ترجمہ)	تذکرۂ رفتگان
وادیٔ پرخار کے گمنام مسافر	سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ
سرخیل کارواں	علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان
روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اورفکری جائزہ	روداد سخن
خورشیدِ تاباں	کاروان انسانیت
سفراور کامیابیاں	اارکان کے چندندوی فضلاء ایک نظر میں
عظیم ارکانی لیڈران	علماء اور جمعیت علمائے ارکان
مقالاتِ طاہر ندوی	روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اورفکری جائزہ
مدارس اسلامیہ کا نصاب ونظام اور جدید تقاضے	دونظام تعلیم
ارکان کے روہنگیا مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں	ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
برما میں خانہ جنگی کا دوردورہ	شعرائے ارکان
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۲)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۳)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۴)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۵)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۶)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۷)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۸)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۹)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۰)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۱)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۲)